مخزن الخزائن
مصنّف
الحاج پروفیسر شاہ محمد عبد الغنی نیازی نظامی (علیگ)

شفاء القلوب
مجموعہ درود شریف مع فضائل و برکات
مکتبہ رضویہ نئی دہلی

باراوّل:- 1990

قیمت:- 65 روپے

ناشر:-
محل پبلی کیشنز
۱۳۹۷- پہاڑی املی - جامع مسجد
دہلی ۱۱۰۰۰۶

مطبوعہ:-
لاہوتی پرنٹ ایڈ -
۱۳۹۷- پہاڑی املی - جامع مسجد - دہلی ۶

فہرستِ عنوانات

اِنتساب

ناچیز مُصنّف، تذکرۂ ہذا کو موجودہ سجّادہ نشین
—— خانقاہِ عالیہ نیازیہؒ ——
حضرت قبلہ حسن سجّاد صاحب دامت برکاتہم العالیہ
کے نامِ نامی و اِسمِ گرامی سے

—— نیز ——

آنجناب کے توسل سے جملہ سرکارانِ سلسلۂ عالیہؒ و عزیزانِ
خاندانِ نیازیہؒ کی ذواتِ گرامی صفات سے منسوب
کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے

مَخزَنُ الخزائن

فخرِؔ العلوم عالی ہے مخزن الخزائن
راز و نیاز والی ہے مخزن الخزائن

اک بحرِ بے کراں ہے عرفان کا حقیقی
شرحِ حیاتِ عالی ہے مخزن الخزائن

اک ایک جملہ گویا، بہتا ہوا ہے دریا
سحر البیانِ عالی ہے مخزن الخزائن

نقطوں میں لاکھ نکتے۔ ہر نکتہ ایک دفتر
تحریر حق مثالی ہے مخزن الخزائن

ایمان و عقل و عرفاں موجود سب اسی میں
گنجینۂ مثالی ہے مخزن الخزائن

اغیار کے لیے ہے گویا یہی "ہلاکو"
اپنے لئے غزالی ہے مخزن الخزائن

شرح اناخزانہ اک ہے غنی مقفل
اس کی کلید عالی ہے مخزن الخزائن

لہ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں کی طرف بھی اشارہ سمجھا جائے۔

منقبت

در مدحِ سُلطان العارفین، قطب الواصلین، قطبِ عالم، مدارِ اعظم
سیّدی و مولائی حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرّہ العزیز

(از ناچیز مُصنّف)

شمعِ ایوانِ ولایت ہیں نیازؔ بے نیاز
مظہرِ نورِ حقیقت ہیں نیازؔ بے نیاز

نجمِ اوجِ معرفت ہیں، ماہِ چرخِ منزلت
نیّرِ بُرجِ سعادت ہیں نیازؔ بے نیاز

طائرِ طوبیٰ نشیمن، مرغِ لاہوت آشیاں
رشکِ صد شاہین رفعت ہیں نیازؔ بے نیاز

فخرِ بزمِ قادری ہیں وجہِ نازِ چشتیاں
شاہِ شاہانِ طریقت ہیں نیازؔ بے نیاز

تاجدارِ کشورِ تسلیم و عشقِ بے ریا
شاہِ اقلیمِ محبت ہیں نیازؔ بے نیاز

جانِ مقبولینِ بزمِ مصطفےٰ ؐ و مرتضیٰ ؑ
رشکِ کوہِ طورِ وحدت ہیں نیازؔ بے نیاز

فیض کے چشمے رواں ہیں ان کے دنیا میں غنیؔ
مصدرِ انعام و رحمت ہیں نیازؔ بے نیاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

یعنی چند معروضات

رکھ رہا ہوں وادیٔ حیرت فزا میں میں قدم
المدد اے شوقِ منزل ہے ارادہ دُور کا

خدا کا شکر ہے کہ اولیائے کرامؓ و مشائخِ عظامؒ کی محبت میرے خمیر میں ہے اور ابتدائے سنِ شعور ہی سے مجھے اِن بزرگوں کے مستند و مفصّل حالات، بالخصوص ان کی تعلیمات کی تحقیق و جستجو کا شوق ہے۔ چنانچہ جب مجھے اپنے مُرشدِ گرامی منزلت سیّدی و مولائی حضرات ڈاکٹر شاہ میرزا مرتضٰی حسین قدس سرہٗ العزیز قادری، چشتی، نیازی، نظامی، سہروردی، نقشبندی (قدیمہ) کے ذریعہ کراماتِ نظامیہؓ اور تذکرہ سراج السالکینؓ کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا تو میرے دل میں حضور سرورِ کائنات، خلاصۂ موجودات، صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مقام و کمالات اور اپنے سلسلے کے پیرانِ عظامؓ کے مستند و مفصّل حالات و تعلیمات (روایتی طرز سے ہٹ کر) قلم بند کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور جوں جوں، روحِ دیں، مغزِ قرآن، صحیح عرفان مقام محمدیؐ، عشقِ محمدیؐ، احترامِ عظمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحیح فقر و تصوف، اخلاق و روحانیتِ اسلامی اور نعمتوں کے مستند علم بردار اولیاء اللہؓ و مشائخ عظامؒ کی تعلیمات و خدمات سے عام مسلمانوں کی

شدید غفلت، ان کی ظاہری و سطحی اسلام پرستی اور علمائے سو کی مخالفانہ
سرگرمیوں کا تجربہ مجھے ہوتا گیا۔ میرا جذبۂ مذکور نہ صرف قوی تر ہوتا رہا
بلکہ میں نے مدافعانہ تبلیغ کی شدید ضرورت محسوس کی اور بنیادی
حقائق اسلام و عرفان کو اشاروں کے بجائے حسب ضرورت وضاحت
کے ساتھ بیان کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ اُس وقت سے میں بذریعہ
تحریر و تقریر، اولیاء اللہ اور پیرانِ عظام رض کی تعلیمات کی تبلیغ میں
برابر مصروف ہوں اور تمنّا ہے کہ ان بزرگوں کی تعلیمات کی روشنی
سے ہر گھر میں اُجالا ہوجائے۔ اور برادرانِ اسلام، سطحی اسلام کے
بجائے، روحِ اسلام کو اپنائیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میری متعدد کتابیں
اور مضامین شائع ہوچکے ہیں اور کئی کتابوں کے مسودے اور مضامین
تشنۂ طباعت ہیں۔

"چراغِ معنوی" (قرآنی تصوف اور اقبال) اور ریاض الفضائل"
۱۳۸۰ھ — مطبوعہ ۱۹۶۲ء — ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۳ء
(تذکرۂ حضرت مرشد گرامی منزلت حضرت میرزا مرتضٰی حسین قدس
سرہٗ العزیز) اور "مخزنِ انوار توحید" کی طباعت و مقبولیت نے
۱۳۸۴ھ
میری ہمت بڑھائی ا۔رمیں نے حضور قبلۂ قطب عالم مدارِ اعظم شاہ نیاز
بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کے مفصل و مستند تذکرۂ حیات و تعلمات
کے لئے بالخصوص اور برصغیر میں مشائخ چشت رض کی روحانی خدمات
اور اُن کے اصولوں کی وضاحت کے لئے بالعموم، ضروری مواد و مسالہ کی
فراہمی شروع کردی۔ اسی کے دوران بلکہ اسی شوق کی بدولت و برکت سے
مجھے حج اکبر کی نعمت اور بریلی شریف کی حاضری نصیب ہوئی۔ نیز میں
نے پاک و ہند میں کئی مقامات کے سفر کئے۔ حالانکہ ۱۹۵۹ء سے میں
ہڈیوں اور جوڑوں میں شدید درد کے ایک موذی مرض میں مبتلا ہوں مگر

بقول حضرت امیر مینائیؒ ؎

شوق کھینچے لئے جاتا ہے کہ میں جاتا ہوں
اپنی دھن میں لگا ہوا ہوں۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ ——

"نغماتِ عشق" (میرا پہلا مجموعہ کلام جو ساڑھے سات سو صفحوں پر مشتمل ہے) مطبوعہ ۱۹۷۳ء بھی اپنی جذبات کا آئینہ ہے۔

مسودہ "مخزن الخزائن" (یعنی سوانح پاک و تعلیمات حضرت شاہ نیاز بے نیاز علوی بریلوی) قدس سرہ العزیز شروع کرنے سے قبل میں پورے خضوع و خشوع کے ساتھ حضور قبلہؒ کی روح پر فتوح سے امداد کا طالب ہوا اور اشارہ غیبی پاتے ہی بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہہ کر اس وادیٔ حیرت فزا اور صحرائے روح فرسا میں، حضور قبلہؓ کے ارشاد مبارک ؎

اے طالباں، اے طالبان من با شما ہر جا ستیم

پر کامل یقین کے ساتھ گامزن ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکر کے ہزار سجود اور آستانۂ محبوبیتؐ پر بے شمار دُرود، کہ آج ۶؍ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء حضور قبلہ قدوۃ العارفین، امام العاشقین فانی فی اللہ و باقی باللہ، مولانا و مرشدنا، قطب عالم، مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز سید نیاز احمد صاحب رضؓ علوی قادری، چشتی، نظامی، صابری، فخری، سہروردی، نقشبندی (قدس سرہم) بریلوی، قدس سرہ العزیز کا مفصل و مستند تذکرہ "مخزن الخزائن" ۱۳۹۴ھ یعنی حالات آفتاب عشق۔ حضرت شاہ نیاز بے نیاز، ہادی انام۔ قطب عالم، مدار اعظم، بحر علم، علوی، کئی سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد محض فضل و کرم ربانی اور حضور ممدوح کی خاص استمداد روحانی کی بدولت مکمل ہو گیا۔ "مکمل" اس مفہوم میں کہ میرا پیمانۂ عمر و صبر اب قریب قریب لبریز نظر آتا ہے اور

میری دلی تمنّا یہ ہے کہ آنکھیں بند ہونے سے پہلے میں اسے زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ دیکھ لوں۔ اس آرزو کے پیشِ نظر میں نے تقریباً ہر جگہ اختصار سے کام لیا ہے۔ ورنہ اس بحرِ ذخار میں موتی ہی موتی ہیں۔ جتنا نکالو کم ہیں ــــ میں ناچیز بہ سببِ علالتِ مسلسل و ضعفِ پیرانہ سالی، مزید تفصیل کی صبر آزما خدمت انجام نہ دے سکا۔ اس کے لئے نیز دیگر تمام کوتاہیوں کے لئے روحانیت حضور قبلہ رح سے معافی کا طلب گار ہوں۔

کسی جلیل القدر و عظیم المرتبت ہستی کے مستند حالات مع سیرت و کردار، اس کی تعلیمات و خدمات کا بیان اور شرح و بسط کے ساتھ اس کی تصانیف کا تعارف وغیرہ۔ ایسے زمانہ میں قلم بند کرنا جبکہ بزرگ موصوف رح کے ظاہری پردہ فرما لینے کے بعد تقریباً ایک سو چھبیس [۱۲۶] سال گزر چکے ہوں اور مراکزِ معلومات تک پہنچنا تو درکنار، خط و کتابت بھی محال ہو، میری طرح مجبور و معذور انسان کے لئے ناممکن تھا۔

مجھے یہ قدرت بھی حاصل نہیں کہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز جیسے عالمِ اجل و محققِ بے بدل، سراج الاولیا، تاج الاصفیا، مجسمۂ نازو نیاز، پیکرِ سوز و گداز، عارفِ بے مثال، شاعرِ باکمال، فانی فی اللہ باقی باللہ کا معمولی قلمی تعارف بھی کرا سکوں جس عظیم المرتبت ہستی کا یہ دعویٰ ہو (بقول خود رح)

مقامم اے نیاز اندر جہاں ہر کس نمی داند
فریدِ رح دہر، شمسِ رح وقتم و ہمرنگِ منصور رح م

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جو یہ فرمائے: ؎

از خلق ما سوائیم وز امر ما ورائیم
برتر زِ کاف و نونم عنقائے قاف قدسم

یا

یا

؎ من آں نورم کہ اندر لامکاں موجود بودستم
باشراقِ خودم خود شاہد و مشہود بودستم

اور

؎ لباسِ بوالبشر پوشیدہ مسجودِ ملک گشتم
بتصویرِ محمدؐ، حامد و محمود بودستم وغیرہ

اس کے حقیقی مقام اوج و عظمت کو کون بیان بیان کرسکتا ہے
وہی جو خود اِس مقامِ عظمت پر فائز ہو۔ بقول علامہ اقبالؒ۔

مدعا پیدا نہ گردد از دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ مَا رَمیت

لیکن کہاں حضور اقدس کی عالی مقامی۔ کہاں اس ضعیف کی ہیچمدانی
تاہم انہیؒ کے کرم خاص جو لکھوایا ہے وہ قلم بند کیا گیا ہے۔ اس میں
میرا کچھ نہیں ہے۔ البتہ میں صرف یہ عرض کروں گا کہ جو کچھ پیشِ نظر
ہے اُسے خانقاہ عالیہ نیازیہؒ کے بزرگوں، ذمہ دار ہستیوں، معمر
حاضر باشوں، اور خانقاہی دستاویزات، مخطوطات و مکتوبات اور
مستند خاندانی روایات کی تائید حاصل ہے۔

اس کے علاوہ ان تمام کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو طبع
ہو چکی ہیں، اُن کے حوالے و ضروری اقتباسات زیرِ نظر تذکرہ میں جا بجا موجود ہیں۔ دریں حالات
یہ تذکرہ بے حد اہم ہے۔ اور ایک بہت بڑے خلا کو پُر کر رہا ہے۔ اس
خدمت پر یہ ناچیز جس قدر فخر کرے کم ہے یہی انشاء اللہ اس کے اور اس
کے اہل خاندان و سلسلہ کے لئے باعث نجات بھی ہوگا۔

مجھ مجبور و معذور ہیچمداں، بے بضاعت نے جو کچھ اور جیسا بھی لکھا
ہے وہ (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے) از اول تا آخر حضرتِ اقدس شاہ

شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہُ العزیز رحمۃ اللہ کے کرم و تصرف کا نتیجہ ہے۔ یہ حضور والا ہی کا کرم خاص تھا کہ مجھے نہ صرف بریلی شریف کی حاضری نصیب ہوئی بلکہ میں نے جس کتاب، مواد، مشورہ یا مدد کی خواہش کی وہ ظاہری دشواریوں کے باوجود آناً فاناً مل گئی۔ ایسا ایک وقت نہیں بارہا ہوا تھا کہ مجھے ایک ایسی کتاب کے مطالعے کی ضرورت محسوس ہوئی جو نہ خانقاہ شریف میں موجود تھی نہ وہاں کسی شخص کے پاس تھی۔ بات گئی گزری ہوئی لیکن اسی دن شام کے وقت ایک صاحب (جسے حضرت قبلہ سجادہ نشین صاحب بھی نہ جانتے تھے) تشریف لائے اور مطلوبہ کتاب کا ایک بوسیدہ نسخہ انھیں یہ کہہ کر دے گئے کہ یہ کتاب آپ لوگوں کے کام کی ہے آپ رکھیئے۔ حضرت قبلہ سجادہ نشین صاحب مدفیوضہ نے وہ کتاب میرے حوالے کی اور فرمایا:

"حضور اقدس شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہُ العزیز آپ پر بے حد مہربان نظر آتے ہیں۔ یہ لیجئے یہ کتاب بھی انھوں رح نے بھجوا دی۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ کہیں نہ کہیں سے مل جاتا ہے" تذکرہ "**مخزن الخزائن**" قلم بند کرنے کے دوران ایسے تصرفات کا تجربہ مجھے قدم قدم پر ہوا اور کہیں کہیں میں نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آں حضور رض کی کرم نمائیوں کا شکریہ ادا کر سکوں۔

یہ ناچیز حضور قبلہ رح کے خاندانِ بزرگ کے اُن تمام حضرات کا بھی فرداً فرداً ممنون ہے جن کی بیش بہا نوازشات اور ٹھوس امداد کی بدولت یہ تذکرہ مکمل ہو سکا۔ بالخصوص حضرت سجادہ نشین قبلہ حسن سجاد صاحب مدظلہٗ، حضرت قبلہ محبوب میاں صاحب مدظلہٗ، حضرت محترم جعفر میاں صاحب مدظلہٗ، مکرمی محمود میاں صاحب مدفیوضہٗ اور مکرمی مسعود نظامی صاحب مدفیوضہٗ اور دیگر حضرات اہل خاندان و خانقاہ عالیۂ نیازیہ رح کی ٹھوس امداد اور

توجہات کا ناچیز مصنف بے انتہا ممنون ہے۔ اِن حضرات کے تعاون کا ضروری ذکر تذکرے میں جا بجا موجود ہے ۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے کسی نہ کسی صورت میں اپنے تعاون یا مشورے سے مجھے نوازا ہے

حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی عظیم الشان شخصیت و روحانی عظمت، آپؒ کی بے نظیر ولازوال دینی و روحانی تعلیمات آپؒ کی بیش بہا علمی و انسانی خدمات کا ایک بہت وسیع و سدا بہار گلستان ہے، جو اپنی ابدی سرسبزی اور دائمی شادابی کی روح افزا فضاؤں کے ساتھ، قلوبِ انسانیہ کو راحت و تسکین کی دعوت دے رہا ہے اور طالبانِ حق کے دل و نگاہ کو اپنے فیوض و برکات کی جنتوں، معشوقِ حقیقی کے قرب و دید کی نعمتوں اور اسکے وصال کی لذتوں سے مالامال فرما رہا ہے لیکن ہمارا ہی دامنِ طلب تنگ اور پائے حوصلہ لنگ ہے بالخصوص، ناچیز مصنفِ تذکرہ کے ضعیف دماغ میں (جیسا کہ پہلے مذکور ہوا) نہ اتنی طاقت ہے نہ اسکے نحیف و نزار قلم کی یہ مجال کہ حضور اقدسؒ کے حقیقی مقام و کمالات کے بیان کا شمہ برابر ہی حق ادا کر سکے۔ تاہم اپنے ذوق و شوق بے پایاں کی مدد سے اس نے حضور والا تبارؒ کے سدا بہار گلستاں سے چند پھول چن کر یہ گلدستہ سجایا ہے۔ کاش بارگاہِ نیاز بے نیازؒ میں اس کا یہ حقیر تحفہ حضور اقدسؒ کے جانشین گرامی منزلت اور دیگر اعزائے محترم کی وساطت سے قبول ہو جائے اور اس کی خوشبو سے طالبانِ حق بالعموم اور متوسلین بارگاہِ نیازیہؒ بالخصوص فیض یاب ہوتے ہوئے گنہگار مصنف کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں ؎

ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا
یوں ہی نہ دیکھیے مرے مشتِ غبار کو

امیدوارِ کرم ۔ عاصی پرمعاصی

محمد عبد الغنی عفی عنہ

نیازی نظامی آغائی مرتضوی، جبلپوری (حال کراچی)

۶ر جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ
مطابق ۱۹۷۴ء

مقدمہ مخزن الخزائن

حضور قبلہ
شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز
قادری، چشتی، سہروردی، نظامی، صابری، فخری، نقشبندی (قادیمہ)

آپ کے معاصرین میں آپ کا ہمسر کوئی عالم دین تھا نہ کوئی ولی اللہ۔ نہ آج تک آپ سا جامع الفضائل شخص کوئی دوسرا برصغیر میں پیدا ہوا۔

اولیا اللہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف عالیہ قرآن و احادیث سے ثابت ہیں۔ اور ہمارے مشائخ رح و صوفیہ رح کی تبلیغی کامیابیاں — بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں — ہماری دینی و ثقافتی تاریخ کے سنہری باب ہیں۔ ساری دنیا معترف ہے کہ بوریا نشین فقرا و مشائخ نے جو دینی خدمات انجام دیں اور جو روحانی و اخلاقی انقلاب خاموشی کے ساتھ برپا کیا وہ تاج و تخت کے مالک مسلم حکمراں اور ان کے لشکر جرار نہ کر سکے۔ ان بزرگوں کی نگاہوں نے مخالفوں بے دینوں اور گمراہوں کے دل جیت لیے اور ان کی جانوں پر حکومت کی۔ انھوں نے زندگی میں بھی فیض کے دریا بہائے اور ظاہری پردہ فرما لینے کے بعد بھی ان کی بارگاہوں سے فیض و کرم کے چشمے جاری ہیں۔
ان ہی برگزیدہ ہستیوں میں بارہویں و تیرہویں صدی ہجری کے ایک

بہت ہی عظیم المرتبت۔ اولیاگر ولی معظم و محترم۔ قطب عالم۔ مدار اعظم پناہ شریعت و طریقت۔ بادشاہ حقیقت و معرفت۔ نور نبیؐ، اولادِ علیؑ نیاز بے نیاز حضرت قبلۂ عالم شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز، علوی بریلوی۔ قادری۔ چشتی۔ سہروردی۔ نظامی۔ فخری۔ صابری۔ نقشبندی (قدیمہ) ہیں جن کا یہ مختصر تذکرہ تبرکاً صفحات ہٰذا کی زینت ہے۔ آپ کا سالانہ عرس ہر سال بریلی شریف میں یکم تا دہم جمادی الثانی نہایت تزک و احتشام سے اور برصغیر پاک و ہند کے بڑے بڑے شہروں منعقد ہوتا ہے۔ کراچی میں بھی متعدد مقامات پر ۵ و ۶ جمادی الثانی کو آپ کا عرس ہوتا ہے لیکن ان میں سب سے نمایاں جلسہ عموماً ۶ جمادی الثانی کو حاجیانی ہال میں درمیان سول اسپتال و راجہ مینشن) منعقد ہوتا ہے

حضور قبلہ شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز ۱۱۵۵ھ میں بمقام سرہند پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں بانس بریلی (یو۔پی) میں وصال فرمایا اور وہیں آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خلق ہے۔

آپؒ منجانب سلسلۂ آبائی علوی سید اور والدۂ ماجدہ کی جانب سے بنی فاطمہ سید رضوی ہیں۔ آپ کے اجداد شاہان بخارا سے تھے جن کا دارالحکومت ایک زمانے میں اندیجان تھا۔ آپ کے اجداد میں حضرت شاہ آیت اللہ علویؒ ترک سلطنت فرما کر ملتان تشریف لائے۔ اُن کے پوتے حضرت شاہ عظمت اللہ علویؒ سرہند جاکر آباد ہوگئے۔ وہاں سے حضور قبلہ شاہ نیاز احمد علیہ الرحمتہ کے والد ماجد حاجی الحرمین حکیم الٰہی حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علویؒ دہلی تشریف لائے جہاں کچھ عرصہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر بھی مامور رہے۔ یہ تمام حضرات سلسلۂ نقشبندیہ قدیمہ کے صاحب ارشاد اولیاء گزرے ہیں۔

آپؒ کی والدۂ ماجدہؒ بنی فاطمہ رضوی سیدہ تھیں۔ ایک ولی کامل کی زوجۂ محترمہ اور خود بھی ولیۂ کاملہ تھیں بعض کتابوں میں آپ کو رابعۂ عصر و عفیفۂ دھر لکھا ہے آپ نے حضور نیاز احمد قدس سرُہ العزیز کو بعد ولادت عالم رویا میں جناب سیدہؑ و حضرت مولا علی علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا۔ ان دونوں بزرگوں نے بہ کمال شفقت آپ کو آغوش مبارک میں لے لیا اور فرمایا یہ ہمارا بچہ ہے۔ اس قول مبارک کی زندہ تعبیرات اکثر آپ کی زندگی میں رونما ہوئیں۔

حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیازؒ مادر زاد ولی تھے بچپن ہی میں آپ کی ذاتِ فیض درجات سے بعض محیر العقول کرامات کا اظہار ہوا ظاہری نسبت حضرت مولانا شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور عمدۃ اولاد غوث الاعظمؒ حضرت قبلہ سید محمد عبد اللہ بغدادی قادری قدس سرُہ العزیز کے دستہائے گرامی پر ہوئی۔ مذکورہ واقعات کا ذکر دیوان نیازؒ میں بھی جابجا موجود ہے۔

آپؒ بے حد ذہین تھے۔ آپ کی والدۂ ماجدہؒ اور والد بزرگوار نے آپؒ کو دہلی میں حضرت مولانا شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرما دیا تھا تاکہ ظاہر علوم کی تعلیم مکمل ہو جائے۔ آپ کی رسم دستار بندی پندرہ سال کی عمر میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ علماء حاضر کی معیت میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔ علمائے دہلی بھی دستارِ مبارک کو ہاتھوں میں تھامے رہے کیونکہ وہ سب حضور قبلہ حضرت شاہ نیاز احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کمسنی کے باوجود ان کی خدا داد علمی قابلیت سے بیحد متاثر تھے۔ بعد رسم دستار بندی حضرت شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز حضرت مولانا شاہ فخر جہاں الرحمۃ کے مدرسہ میں (جو اس زمانے میں کالج کی حیثیت رکھتا تھا)

بحیثیت استاد شامل کر لئے گئے اور آمد بریلی تک مدرسہ کی خدمت کرتے رہے۔ مومن کو بھی آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔

آپ کے مراتب وکمالات ولایت کا اندازہ لگانا مشکل کیا ناممکن ہے۔ خاندان میں ایک سے ایک بڑھکر صاحب کمال تھا۔ والدین علوم ظاہر و باطن کی دنیا کے آفتاب و ماہتاب۔ بالخصوص والدۂ ماجدہ جو رابعۂ عصر تھیں اور جن کی کنیزیں تک اہل تصرفات تھیں۔ والدۂ ماجدہؒ نے کمسنی ہی میں آپؒ کو ایک کامل ولی بنا دیا تھا۔ جسے حضرت مولا علی علیہ السلام اور جناب طہارت انتساب سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا " اپنا بچہ " فرما کر آغوش رحمت میں لے لیں اس برگزیدہ ہستی کے کمالاتِ ولایت کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت شاہ فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز کی تعلیم و تربیت کا صرف بہانہ تھا ورنہ آپ تو پیدائشی ولی بلکہ اولیا گر تھے۔ آپ کے ہم عصروں میں کوئی دوسرا آپ کی ٹکر کا نہ تھا۔ آپ ہی حضرت مولاناؒ کے محبوب ترین خلیفہ تھے بالآخر آپ ہی جانشین ہو کر مع تبرکات خصوصی بریلی میں مامور ہوئے۔ تبرکات میں (دستار مبارک۔ مسند۔ تکیہ۔ خنجر و ٹیکہ وغیرہ) خانقاہ بریلی میں محفوظ ہیں۔ اس ناچیز نے مذکورہ تمام تبرکات کی زیارت کی ہے اور انھیں بوسہ دیا ہے۔

اسی طرح عمدۃ الاولاد حضرت غوث الاعظمؒ حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری حضور غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کے حکم سے دہلی تشریف لائے اور نہ صرف اپنی صاحبزادی کی شادی حضرت قبلہ شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز کے ساتھ کی بلکہ ان کی ظاہری تکمیل بیعت کے بعد انھیں اپنا خلیفہ خاص و جانشین مقرر فرمایا۔ چنانچہ آپ کی مسند و تکیۂ مبارک اور عصائے مبارک

بھی خانقاہ بریلی میں موجود ہیں۔ اس طرح حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو اور آپ کے سلسلۂ عالیہ نیازیہ کو چند خاص امتیازات حاصل ہیں مثلاً

(۱) آپ کو سلسلۂ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں کی صحیح و مستند جانشینی معہ مسانید و تبرکات حاصل ہیں میں نے مذکورہ تبرکات کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔

(۲) آپ ان دو سلسلوں کے علاوہ دیگر سلاسل کے بھی صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔

(۳) آپ کے خاندان میں جملہ سلاسل کی تعلیمات۔ اشغال و مراقبے ٹکسالی ہیں۔

(۴) آپ کے سلسلۂ عالیہ میں برصغیر کے بعض خانوادے اور سلسلے ضم ہو چکے ہیں اور بعض کے سربراہ اعلیٰ آپ ہی کے سلسلے کے فیض یافتہ ہیں۔

(۵) آپ ہی کے جانشینوں کو برصغیر کے بڑے بڑے آستانوں سے "سالانہ خلعت" زمانہ قدیم سے بحکم مورثانِ آستانہ جات۔ آج تک عطا ہوتی ہے اور کسی دوسرے سلسلے کے جانشینوں کے لئے مقرر نہیں ہے۔ (۶) حضور غوث الاعظم قدس سرہ العزیز اور خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ العزیز کی صحیح و باقاعدہ جانشینی کا شرف اور حق صرف حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اور ان کے جانشینوں کو پہنچتا ہے۔

آپ کی تصانیف اور علمی۔ دینی۔ قومی و ملی خدمات بے شمار ہیں۔ ان کی تفصیل بھی تذکرہ کاملہ[1] میں ملے گی۔ آپ کے خلفا نے ساری دنیا میں مراکز طریقت و معرفت قائم کئے ہیں اور سلسلہ در سلسلہ آج بھی آپ کے مریدوں اور فیض یافتوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ اللھم زد فزد۔

خادم الفقراء

شاہ محمد عبدالغنی

قادری۔ چشتی۔ نظامی۔ نیازی ۔ کراچی

---

[1] ۔ مبسوط تذکرہ کا نام مخزن الخزائن ہے۔ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے

ایک اشد ضروری انتباہ

ان تذکروں کو محض دلچسپی یا صرف تاریخی حیثیت معلوم کرنے کے لئے نہ پڑھا جائے بلکہ ان سے روحانی ترقی میں مدد لیجئے۔ اولیاء اللہ اور مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے تذکروں کو محض دلچسپی یا صرف تاریخی معلومات کے لئے پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک ان کی تعلیمات کو اپنایا نہ جائے اور ان کی سیرت وکردار کو نمونۂ زندگی نہ بنایا جائے عملاً ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا نہ معاشرے کی صلاح و فلاح ممکن ہے۔

انبیائے کرام۔ اولیاء اللہ رض اور صلحائے اُمت رح کی تخلیق کا مقصد صلاح و فلاح انسانیت ہے۔ لہٰذا ان کی مبارک زندگیوں کے بعد ان کے تذکرے ہی ان کے مشن (پیغام و مقصد حیات) کی تکمیل کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کے سوانح حیات اور اُن کی تعلیمات کو محض تفریح کے لئے نہ پڑھا جائے بلکہ ان پر عمل کیا جائے۔

مشائخ کرام رض کے تذکروں میں غوامض دینی، عقدہ ہائے عرفانی واردات قلبی اور تجربات عشق حقیقی بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر قلب کا تزکیہ اور روح کا تجلیہ ہوتا ہے۔ عشق کی آگ تیز ہوتی اور دل کا پیمانہ کیف و سرور سے لبریز ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ سے ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق طلب کرتے اور اپنی کوتاہیوں پر نادم ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور رحمت الٰہی کو حرکت میں لاتے اور ہماری بہتری و نجات اخروی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ لہٰذا اکابر دین کے تذکروں کو محض دلچسپی یا صرف تاریخی معلومات حاصل کرنے کے لئے پڑھنا خود اپنے عظیم تر مفاد کو محدود کرنا ہوگا۔ ان سے وہ تمام فوائد حاصل کرنا ضروری ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

ر

برادرانِ سلسلۂ نیازیہ سے
ایک خاص گزارش

ان تمام فوائد کے علاوہ جو اوپر مذکور ہیں برادرانِ سلسلۂ نیازیہؒ کو اپنے مورثِ اعلیٰ مرشد و مولا قطبِ عالم مدارِ اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی تعلیمات سے دینی عقائد کا استنباط کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ از روئے احکام بیعت دینی قائد کے لئے کوئی دوسرا شخص ہمارا رہنما ہو ہی نہیں سکتا۔ ہمارے سلسلے کے پیرانِ عظام و خلفائے کرام جو نیازی ہیں انہی معنیٰ میں نیازی ہیں کہ وہ حضور نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے توسل سے اپنے شجروں اور عقیدوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم سب کا اولین فریضہ یہی ہے کہ ہم جملہ عقائد اور تمام دینی امور کے لئے، (جہاں کوئی مشکل نظر آئے) اپنے مرکزِ طریقت اور مورثِ اعلیٰ کی جانب، براہِ راست یا بالواسطہ غور پر رجوع کریں۔ زیرِ نظر تذکرہ ہی انشاء اللہ ہماری اکثر ضروریات کو رفع کردے گا اور اس کے مطالعے سے مسلکِ نیازیہؒ سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوں گی۔

ؔ تجھے ڈھونڈتا تھا گھر گھر رگِ جاں کے پاس پایا
کسی در پہ جاؤں کیوں اب مرے گھر میں کیا کمی ہے

اسی کو پڑھ پڑھ کر اپنی آتشِ عشق کو تیز کیجئے تاکہ نزولِ رحمت اور مغفرت کا سامان ہو۔

ہم خوش نصیب ہیں کہ سلسلۂ نیازیہؒ کے متوسلین ہیں۔ ہمارے

مورث اعلیٰ کی تعلیمات فقر میں ٹکسالی ہیں۔ جید علمائے عصر اور ناموران طریقت و معرفت نے ان کے سامنے زانوئے ادب و شاگردی تہہ کیا ہے۔ اور ہمارے ان بزرگان نیازیہ رح نے دینی معلومات اور توحید و عشق حقیقی کے بے مثال و لازوال خزانے چھوڑے ہیں۔ آپ ان سے فائدہ اٹھائیں آپ کو دربدر بھیک مانگ کر ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ محض غفلت میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ دربار نیاز بے نیاز رح کے خزانوں سے لاکھوں فیض یاب ہو چکے ہیں۔ آپ بھی محنت و مجاہدہ کر کے فیض یاب ہوں۔

خادم الفقراء

شاہ محمد عبدالغنی نظامی نیازی غفرلہٗ

کراچی ۱۹۸۸ء

تنبیہ

"نیاز بے نیاز" کہنے کے وجوہ

حضرت قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحب قدس سرہ العزیز کو "نیاز بے نیاز" کہنے یا لکھنے پر بعض حضرات کو یہ خیال ہوتا ہے کہ بے نیاز ہونا تو خدا کی صفت ہے یہاں اس کا استعمال کیسا ؟

جواب اس کا یہ ہے[1]

کہ نیاز بے نیاز میں جو ترکیب ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ ترکیب اضافی ہے یا ترکیب توصیفی ۔ اگر ترکیب اضافی ہے تو "نیاز بے نیاز" کی ترکیب بعینہٖ نیاز احمد، نیاز محمد، نیاز علی کی ہوئی ۔ لیکن یہ فرق ہے کہ ان ناموں میں نیاز، احمد اور علی کی طرف مضاف ہے ۔ اور نیاز بے نیاز میں نیاز کو نسبت بے نیاز کی طرف ہے ۔ جو خدا کا نام ہے ۔ پس اس اعتبار سے آپ کو نیاز بے نیاز کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ نیاز کے معنی حاجت کے ہیں اور کریم اللغات میں حاجت کے معنی خواہش کے لکھے ہیں ۔ اور خواہش ترجمہ ہے مشیت کا، اور بے نیاز سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اس صورت میں نیاز بے نیاز کے معنی مشیت اللہ کے

---

[1] یہ جواب لفظ بہ لفظ حضرت مولانا مفتی محمد فائق صاحب نظامی نیازی فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ تحقیق الحق فی الوجود المطلق سے ماخوذ ہے ۔ دیکھو صفحہ ۸۰۵ تا ۸۰۷ ۔

ہوئے اور مشیت اللہ اکثر لوگوں کا نام ہوتا ہے۔ پس اس اعتبار سے آپ کو نیاز بے نیاز کہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی برائی نہیں۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ نیاز نذر کے معنوں میں آیا کرتا ہے اور بے نیاز جس کی طرف نیاز مضاف ہے وہ خدا ہے اس صورت میں نیاز بے نیاز کے معنی نذر اللہ اور نذر خدا کے ہوئے یعنی جس طرح حضرت مریم علیٰ نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام نذر خدا تھیں۔ کہ سوائے عبادت اور ریاضت اور خدمت خانۂ خدا کے آپ کو کچھ اور کام نہ تھا۔ اسی طرح حضور والا اپنے والدین کی طرف سے نذر کردہ خدا تھے یا خود ہی آپ نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ کہ دن رات عبادت اور ریاضت اور طالبانِ حق کی تعلیم اور ایصال الی اللہ میں مشغول اور مصروف رہتے تھے۔ پس اس لحاظ سے بھی آپ کو نیاز بے نیاز کہنا جائز ہوا اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ نیاز کے معنی حاجت کے ہیں۔ اور حاجت کا مادہ حوج ہے۔ اور حوج کے معنی محتاج اور نیاز مند ہونے کے ہیں۔ اس صورت میں نیاز بے نیاز کے یہ معنی ہیں کہ محتاج اور نیاز مند خدا کا جیسے فقیر اللہ اور غریب اللہ وغیرہ پس اس اعتبار سے بھی آپ کو نیاز بے نیاز کہنا جائز ہوا اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔

اور اگر نیاز بے نیاز میں ترکیب توصیفی ہے یعنی موصوف نیاز اور بے نیاز اس کی صفت ہے تو اس صورت میں بے نیاز کے معنی بے پرواہ کے ہوئے یعنی وہ شخص جس کو کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔ جیسے ہماری بول چال میں ہے کہ فلاں شخص بڑا بے پرواہ ہے۔ یعنی اس کو کسی چیز کی طرف التفات نہیں کوئی شاعر اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے   بے نیازی تری عادت ہی سہی

۵ بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

جب بے نیاز اور بے پرواہ دنیا داروں کے حق میں بولا جاتا ہے، تو جو حضرات تارک الدنیا ہیں کہ سوائے خدا کے سب کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ وہ تو بے نیاز از خلق اللہ کہے جانے کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں۔ پس اسی بنا پر آپ کو نیاز بے نیاز کہا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ رہا اشتراک لفظی یا معنوی وہ بحیثیت مختلفہ کچھ مضر نہیں ہوتا۔ جیسے خدا عادل ہے اور لوگوں کو بھی عادل کہتے ہیں۔ خدا غنی ہے لوگوں کو بھی غنی کہتے ہیں۔ خدا رحیم ہے لوگوں کو بھی رحیم کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا خدا بے نیاز من کل الوجوہ ہے۔ اور بندہ بے نیاز کسی وجہ خاص سے ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی برائی نہیں۔

یہ سب توجیہات اور تاویلات باعتبار معنی ظاہر کے ہوئیں۔ اور باعتبار حقیقت کے پوچھیے تو اصل بات یہ ہے کہ جس طرح اس عالمِ ظاہر میں باعتبار ترقی مدارج کے شخص واحد ہر ہر مرتبہ میں مختلف ناموں سے ملقب ہوتا چلا جاتا ہے مثلاً کسی مرتبہ میں وہ تھانہ دار ہے کسی مرتبہ میں تحصیلدار، کسی میں ڈپٹی، کسی میں منصف کسی میں صدرِ اعلیٰ، کسی میں کلکٹر، کسی میں جج، کسی میں کمشنر وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح عالمِ بطون میں اہل اللہ کو جب عروج ہوتا ہے۔ تو جس جس مرتبہ میں اس کو فنائیت تام ہوتی جاتی ہے۔ اس مرتبہ کے ساتھ وہ موصوف ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً فنائیت تامہ فی الشیخ میں وہ شیخ ہے۔ فنائیت تامہ فی الرسول میں وہ متصف برسول ہے۔ فنائیت صفات میں جس صفت میں اس کو فنائیت تامہ ہوگی۔ اسی صفت کے ساتھ وہ موصوف ہوگا۔ اور چونکہ صفات غیر متناہیہ میں سے ایک صفت بے نیازی بھی ہے۔ پس اس صفت میں جب اس کو فنائیت تام ہوئی تو بے نیاز کہنا

اس پر صادق آیا خود جناب قبلہ فرماتے ہیں ؎

یہاں تک دیا مجھ کو حُسن عروج
کہ بندہ سے مولا بنایا مجھے

پس اسی اعتبار سے ہم لوگ جناب قبلہ کو نیاز بے نیاز کہتے ہیں اور اس کے سمجھنے کے واسطے علم باطن کی ضرورت ہے۔ علم ظاہر سے کام نہیں چلتا۔

زیادہ والسلام
راقم۔ سید محمد فائق نظامی نیازی

باب ۱

ابتدائیہ

قطبِ عالم مدارِ اعظم شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز

عمر شریف ۹۵ سال	مصدقہ سال پیدائش ۱۱۵۵ھ
مزارِ پُرانوار۔ خانقاہ نیازیہ، بریلی یوپی	وصال ۶ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ

حضرت مولانا شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی قدس سرہ العزیز کے گرامی منزلت خلفاء میں، قطب عالم مدارِ اعظم نیاز بے نیاز حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی، قادری نظامی صابری، نقشبندی (قدیمیہ) سہروردی قدس سرہ العزیز، بڑے عظیم المرتبت عالی منزلت اور ظاہری و باطنی فضائل رکھنے والے، ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ اور اسی لیے حضرت مولانا شاہ فخر دہلوی قدس سرہ العزیز نے آپ کو اپنا جانشین بنایا۔

پروفیسر خلیق نظامی فرماتے ہیں۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشت جلد ۴ صفحہ ۵۶۱۔

چند اہم کتب کے اقتباسات

"حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب، شاہ فخر صاحب کے مشہور ترین خلفاء میں تھے۔ علم و فضل میں یکتائے عصر تھے، زہد و تقویٰ کا

دور دور شہرہ تھا۔ بریلی میں ان کی خانقاہ تھی ہزاروں عقیدت مندوں کا وہاں ہجوم لگا رہتا تھا، تشنہ گانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے دور دور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

۲۔ مرزا محمد اختر دہلوی، خلفِ اکبر محمد دارا بخت میراں شاہ دہلوی بن ابوالمظفر بہادر شاہ ثانی، تذکرۂ اولیاء میں فرماتے ہیں :۔

"آپ اعظم اولیائے متاخرین وکبرائی خلفائے راستین مولانا فخرالدین فخرجہاں تھے۔ کہ با ناز و نیاز ہمراز و در سوز و گداز دمساز و در عشق و محبت جاں باز۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ، رموز صوری و معنوی میں یکتائے روزگار تھے۔ طالبان خدا کو بخدا پہنچاتے تھے۔ بارگاہ حضرت معدن فیوضاتِ ربانی اور خانقاہ مطلع انوار سبحانی تھے۔ مولد شریف حضرت کا سرہند تھا، جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو آپ خورد سال[1] تھے آپ کی والدہ عفیفہ روزگار تھیں۔ آپکی پرورش فرماتی تھیں۔ بعدہٗ برائے تربیت ظاہری و باطنی حضرت مولانا فخر جہاں کے سپرد کیا۔ مولانا نے آپ کی تربیت میں نہایت کوشش کی۔ کہ سترہ برس کی عمر میں علوم منقول و معقول۔ فرع و اصول، حدیث و تفسیر اور فقہ وغیرہ سے فارغ ہو کر دستار فضیلت حاصل کی۔ اور بیعت ہوئے۔ ۱۱۸۵ھ میں۔ چند سال کی کوشش میں با کمال باطنی فائز ہوئے اور بعد عطائے خرقۂ خلافت پیشگاہ مرشد سے بخطۂ بانس بریلی مامور ہوئے ۱۱۹۵ھ میں۔ وہاں پہنچ کر ہدایت خلق اللہ میں مشغول

---

[1] یہ غلط ہے آپ کے والدین عرصہ دراز تک حیات رہے آپکے ساتھ بریلی تشریف لائے، وہیں انتقال ہوا اور وہیں ان کے مزارات ہیں (دیکھو باب ۲۔ کتاب ہذا)

ہوئے۔ ہزارہا آدمی سلسلہ ارادت میں آئے اور مردمان کابل و قندھار و بدخشان و شیراز و فارس و عرب و شام و روم و کوہ قاف اکثر مستفیض ہوئے۔ اور خلفاء حضرت کے ہر چہار سمت عالم مامور ہوئے۔ کرامات نظامیہ میں ۳۸۔ بعد میں ۲ کا اضافہ (امانی خاں صاحب شاہ آبادی، رئیس محلہ مهند اور حکیم محمد شاہ صاحب)

مصر، شام، روم، مکہ معظمہ، سمرقند، یارقند، قوہ قند، بخارا، کابل، بدخشان وزیر خیل، دیو غاب، کشمیر، پکھلی (آزاد کشمیر)

(از مسودہ مسعود حسین نظامی قلمی)

علی الترتیب

۱۔ مولوی محمد حسین صاحب رح

۲۔

۳۔ مخدوم عبدالشہید یارقندی

۴۔ امام السالکین مولوی عبد اللطیف صاحب خواں علوم قوقندی۔

۵۔ مولوی نعمت اللہ خاں بخاری

۶۔ مولوی یار محمد صاحب شہید کابلی (م ۱۲۴۰ھ بعمر چھتیس سال)

۷۔ امام السالکین شیر محمد سمیع صاحب بدخشانی (خراسان میں مزار مبارک ہے)

۸۔ محمد عثمان خان صاحب وزیر خیلی۔

۹۔ حاجی محمد ہاشم صاحب دیو غابی (از ۱۲۰۱ تا ۱۲۶۵ھ)

۱۰۔ مسکین شاہ صاحب کشمیری کشتولڈی ۱۲۷۵ھ

۱۱۔ مولوی عبید اللہ جی صاحب پکھلی (آزاد کشمیر)

مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبد اللہ بغدادی قادری گیلانی، کہ اولاد سے حضرت غوث اعظم کے تھے۔ دہلی میں تشریف لائے۔ بمقام جامع مسجد مجمع عام میں حضرت

مولانا فخر الدینؒ سے کہا کہ چندے نیاز احمد کو مجھ کو دے دیجیے۔ کہ ہندوستان میں اسی کے واسطے آیا ہوں۔ جو امانت اس کی ہے اس کو دے دوں۔ اور حسب الحکم حضرت غوث پاکؒ کے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دوں، دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔

حضرت مولانا نے ان کا فرمان قبول کیا۔ ان کے مرید بھی ہوئے[۱]، اور نعمت ہائے قادریہ سے مشرف ہوئے۔ خوارق اور کرامات حضرت کی نسبت مشہور ہیں۔ بالکل قدم بہ قدم حضرت مولانا کے تھے۔ دیوان نیازؒ آپ کی تصانیف سے مرغوب طبع اصفیاء ہے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں عمدہ اشعار حقائق اور معرفت میں فرماتے تھے۔ ولادت باسعادت بمقام سرہند ۱۱۷۳ھ میں ہوئی۔ مزار گہربار بریلی میں حاجت روائے خلق ہے (تذکرہ اولیاء، جلد دوم، تیسرا ایڈیشن ۱۹۲۸ء، مطبوعہ میور پریس۔ دہلی)

۳۔ ریاض الفصحا۔ صفحہ ۳۳۹۔ مصنفہ غلام ہمدانی مصحفیؔ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۱۹۳۴ء۔

"مولوی نیاز احمد نام۔ نیازؔ تخلص کہ بندہ در ایام طالب علمی شان علم و وجاہت ایشاں را دیدہ۔ بلکہ چندروز میزان ہم از ایشاں در شاہ جہاں آباد خواندہ بود۔ زبانی صادر وارد چو طنطنہ فصاحت من از لکھنؤ بگوش مبارک ایشاں رسید

---

[۱] آپ جامع مسجد دہلی میں مرید ہوئے تھے جیسا کہ آئندہ مع حوالہ ذکر کیا جائے گا۔

غزلے کہ بعد تحصیل فنون خود گفتہ بودند از بریلی بر فقیر نوشتند، چوں بر پشت تخت مشائخی در بریلی تمکن دارند و در وجد و حال تام بر آوردہ از مضامین آں معنی ہمہ اوست می تراود، آں اینست کہ سِرّ نہانست در علن ہمہ اوست: عروس خلوت و ہم شمع انجمن ہمہ اوست۔ پوری غزل نقل کی گئی ہے۔

۴۔ مجموعۂ نغز

۱۲۲۱ھ

مؤلفہ حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ المتخلص بہ قاسم

مرتبہ: محمود شیرانی۔ ناشر پنجاب یونیورسٹی لاہور سنہ ۱۹۳۳ء جلد دوم ص ۲۸۸

"میاں نیاز احمد سلمہ اللہ الصمد تولدش در قصبہ سرہند و نشو و نمائے وے در شاہ جہاں آباد صانہا اللہ عن الشر و الفساد واقع شد، مرد فاضل و صاحب ذہن سلیم و شخص عالم مالک طبع قویم است۔ مشقّت ہائے بسیار در تحصیل علوم رسمیہ کشیدہ و محنت ہائے بے شمار در استحصال فنون کسبیہ بوے رسیدہ، شاگرد رشید حبر محقق محل مدقق مرجع طلاب جہاں، مولوی خواجہ احمد خان است عفر اللہ المنان و اسکننہ بجبوحۃ الجنان دراوانے کہ ایں خاکپائے طلاب جہاں ہم چیزے بودہ کتابے چند ازیں خاکسار نیز تکرار نمودہ۔ بہر کیف سر انجام کام جذبہ حق دیرا دررلبودہ کہ خود را مشغول عبادات شاقہ ساخت و مردانہ اسپ ہمت در مضمار طلب مولیٰ تاخت۔ در بدو و امر دعوائی استفادہ ایں کار استوار از خدمت بابرکت والدۂ ماجدۂ خود کہ اولیۂ جناب طہارت انتساب حضرت بتول زہرا علیہا السلام می گفت می کرد۔ در آخر ہا دست بیعت بدست حق پرست سید عبد اللہ قادری علیہ الرحمۃ کہ از اولاد امجاد حضرت ذو لسانین امام الفریقین غوث صمدانی محبوب سبحانی

قدس سرہ العزیز بغدادی المولد بودند دادہ و مثال (؟)
ارشاد طالبان و خرقہ خلافت تربیت سالکان یافتہ بہ تعلیم و ارشاد طالبان
خدا بر مسند تعلیم و ارشاد در بلدہ بریلی نشستہ فقیرانہ ایام بکام دل بسر می برد ر.
گاہ گاہ شعر فارسی و صوفیانہ و ریختہ فقیرانہ می گوئید۔ ایں نہ بیست از زادہائے
طبع اوست ؎

تو نے اپنا جلوہ دکھانے کو جو نقاب منہ سے اٹھا دیا
وہیں محو حیرت بے خودی مجھے آئینہ ساں بنا دیا
وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سو کشش سے دامن ناز نے اسے بھی زمیں سے مٹا دیا

حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی قادری رح کے عطا فرمودہ خلافت نامہ سے چند سطور ہدیہ ناظرین کیجاتی ہیں جس میں حضرت موصوف نے حضور قبلہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب و سجادہ نشیں تحریر فرمایا ہے۔ اور اب تک یہ عبارت حضرت موصوف کے عطیہ خلافت ناموں میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی۔

قد جاء الینا (شاہ نیاز احمد) والتمس منا کلمۃ التوحید
شاہ نیاز احمد نے ہمارے پاس آکر کلمہ توحید اور سلوک قادریہ کی خواہش
والسلوک فی طریقۃ القادریہ فَخَلَّفتُہٗ و اعطیتہ الخلافۃ ولقنتہٗ کلمۃ
ظاہر کی۔ چنانچہ انہیں ہم نے خلیفہ کیا اور خلافت عطا کی. کلمہ توحید کی تلقین کے
التوحید وجعلتہ نیابۃً عنا۔
ساتھ۔ انھیں اپنی جانب سے نیابت کے لیے مقرر کیا۔

(از مسودہ نظامی بریلوی)

جبھی جا کے مکتبِ عشق میں سبق مقام فنا لیا
جو لکھا پڑھا تھا نیازؔ نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

کچھ نہیں کھلتا مجھے میں کون ہوں
صورت وحشت ہوں یا شکل جنوں
آہ و نالے نے مجھے رسوا کیا
ورنہ پنہاں تھا مرا راز دروں
حسنِ جاناں جلوہ گر ہر شے میں ہے
دید میں اپنی نہیں کوئی زبوں

کیوں کر نیازؔ مانے اوروں کی خوش کلامی
اس کو پیاری باتیں پیارے کی بھا رہی ہیں

صبر و قرار و شکیب تاب و تواں عقل و دیں
سب نے تو اپنی راہ لی رہ گئی ایک جان تو
پوچھے ہے ہر ایک سے کس کا ہے عاشق نیازؔ
تجھ کو نہیں ہے خبر ایسا ہے انجان تو

۵۔ تذکرہ سخن شعراء۔ عبدالغفور نساخ۔ ص ۳۶ ۵
"نیاز تخلص۔ شاہ نیاز احمد سرہندی ولد حکیم شاہ رحمت اللہ باشندۂ بریلی۔ کسب کمال باطن مولانا فخر الدین دہلوی و شاہ عبداللہ بغدادی سے کیا تھا۔ دلی میں تربیت پائی تھی۔ ۱۲۵۰ھ ماہ جمادی الثانی میں ستتر سال[۱] کی عمر میں وفات پائی۔ دیوان فارسی و اردو ان کا

---

[۱] دراصل ۹۵ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا ہے دیوان نیازؔ کی پہلی اشاعت میں (بقیہ آگے)

نظر سے گزرا۔

یاالٰہی زورقِ گردوں سنبھال　　　بے طرح امڈا ہے یہ طوفانِ اشک

وہ جو نقشِ پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سو کشش سے دامنِ ناز کے اسے بھی زمیں سے مٹا دیا
کیا ہی چین خوابِ عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

صبر و قرار و شکیب تاب و توان و عقل و دیں
سب نے تو لی اپنی راہ رہ گئی ایک جان تو
عقل کے مدرسے سے اٹھ عشق کے مے کدے میں آ
جامِ فنا و بے خودی اب تو پیا جو ہو سو ہو

۶۔ خزینۃ الاصفیاء

۱۲۸۵ھ

مؤلفہ مولانا غلام سرور لاہوری
ناشر۔ مطبع نولکشور ۱۲۸۶ھ صفحات ۵۱۲، ۵۱۳

"سید شاہ نیاز احمد مولوی چشتی قدس سرہ از اعاظم اولیائے متاخرین دکبرئ خلفائے راستین مولانا فخر الدین فخر جہاں است۔ با ناز و نیاز ہمراز و در سوز و گداز دمساز و در عشق و محبت جاں باز، و در علوم ظاہر و باطن یگانہ بزور صوری و

(بقیہ حاشیہ) غلطی سے سال پیدائش غلط چھپ گیا تھا وہی غلطی سب دہراتے رہے اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اب آپ کے اہل خاندان نے اس جانب توجہ فرمائی ہے دیکھیے مضمون جناب محمود نیازی صاحب مطبوعہ رسالہ بصائر کراچی۔ جنوری ۱۹۶۳ء ص ۵۸

معنوی یکتائے زمانہ بود۔ طالبان حق را بحق رسانیدے۔ اسپ شوق در میدانِ عشق دوانیدے، بارگاہ وے معدن فیوض ربانی، خانقاہ وے مطلع انوارِ سبحانی بود۔ صدہا مہجوران بوسیلۂ جمیلہ وے بقرب الٰہی، و بے خبراں بمراتب آگاہی رسیدند نام والد بزرگوار وے سید حاجی حکیم شاہ رحمت اللہ سرہندی است۔ و مولد شریف حضرت شاہ نیازؒ ہم شہر سرہند است۔ چوں پدر عالی قدر وے، وفات یافت حضرت شاہ خورد سال بماندلہ

والدۂ ماجدہ اش کہ رابعہ وقت و عفیفہ عہد بود او را در سایہ عاطفت خود پرورش نمود۔ بعد ازاں برائے تربیت ظاہری و باطنی حوالہ مولانا فخر الدینؒ فخر جہاں چشتی دہلوی نمود و حضرت مولاناؒ او را بکمال کوشش تعلیم علم ظاہری کرد۔ و وے در عمر ہفتدہ سال بکمال علوم معقول و منقول و فروع و اصول و حدیث و تفسیر و فقہ رسید و دستار فضیلت بر سر بست۔ بعد ازاں بعمر نوزدہ سال بر دست حق پرست مولانا فخر الدین بیعت کردلہ و در چند سال بکمالِ ولایت باطنی فائز گشتلہ۔ و بعد عطائے خرقۂ خلافت از پیشگاہ پیر روشن ضمیر مامور بخطۂ بانس بریلی شد و در آنجا رسیدہ بہ ہدایتِ خلق مشغول گشت و خلق بے شمار بحلقۂ ارادت وے در آمد۔ و مردمان از اقالیم دور و دراز یعنی از کابل، قندھار و شیراز و بدخشاں بخدمتِ بابرکت وے حاضر آمدہ مستفید و مستفیض شدند و خلفائے آنجناب بہ ہر سمت بہ اقلیم بعید المسافت مامور شدند۔ بعد ازاں آنجناب بمقام رامپورلہ بر دست حضرت شاہ عبد اللہ بغدادیؒ قادری گیلانی کہ از فرزنداں حضرت غوث اعظم بود۔ در خاندان

لہ یہ غلط ہے۔ دیکھو باب ۲۔ حالات والد ماجد علیہ الرحمۃ۔ کتاب ہذا۔

لہ، لہ، لہ جن مصنفین و مولفین کے اقتباسات دیے جا رہے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

عالیہ قادریہ بیعت گرد۔[۱]

حضرت شاہ دل آگاہ بشعر رغبت تمام داشت و اشعار آبدار متضمن حقائق و معارف گفت چنانچہ دیوان نیاز رحمۃ اللہ علیہ کہ از تصانیف آنحضرت است بسیار مرغوب و مطبوع طبع جماعت اصفیاء است"۔ (اس کے بعد غلط تاریخ پیدائش اور صحیح تاریخ وصال کا ذکر نثر میں ہے۔ جسے حذف کر دیا گیا ہے۔ آخر میں حسب ذیل تاریخی قطعات وغیرہ ہیں: مؤلف۔)

۱۔ واقفِ سرِ احمدی احمد — عالم علم دیں و محرم عشق

←— ۱۱۷۳ھ —→

سال تولیدِ اوست "پاک نظر" — رحلتش "بے نیاز رستم عشق"

۱۱۷۳ھ — ←— ۱۲۵۰ھ —→

۲۔ خواجہ دیں "پیرِ پیرانِ چشت" رحمۃ اللہ علیہ — شہ نیاز احمد ولی اہلِ نیاز

۱۱۷۳ھ

"فضل ربانی" بگو تولید او — رحلتش "دیں دار شیخ با نیاز"

۱۱۷۳ھ — ۱۲۵۰ھ

(بقیہ حاشیہ) وہ سب حضرت یگانۂ عصر شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز کے کمالات ظاہری و باطنی کے متعلق نہایت بلیغ الفاظ میں خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔ تاہم انھوں نے بعض امور واقعی (مثلاً تاریخ پیدائش، ہر دو خاندان میں بیعت کا تقدم و تاخر اور تفصیلات وغیرہ) کے متعلق تحقیق کا حق ادا نہیں کیا لہذا غلطیاں رہ گئیں اس ناچیز نے اصل ماخذ یعنی جانشینانِ خانوادۂ نیازیہ رحمۃ اللہ علیہم ان کے خلفاء، اور موجودہ افراد خاندان نیازیہ کی مستند ترین شہادتوں پر مبنی یہ مقالہ تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ پرانی غلطیوں کا ازالہ ہو جاوے اور بعض نئے و اہم واقعات کا اضافہ ہو سکے حضرت شاہ نیاز بے نیاز اور انکے جانشینوں کے صحیح و مفصل حالات شائع کرنے کی اشد ضرورت ہے [۱] ایضاً۔

۲۔ شہ نیاز احمد ولی باصفا — واقف سرِ الٰہی اہلِ راز
جلوہ گر "مشیرِ خدا محبوب" شد — سال تولیدش بصد عجز و نیاز

۱۱۷۲ھ

۴۔ شہ نیاز احمد ولی باصفا — واقف سرِ الٰہی اہلِ راز

←۔۔۔۱۲۵۰ھ۔۔۔→

باز سالِ ارتحالش شد عیاں — باصفا مخدوم شاہ بے نیاز

←۔۔۔۱۲۵۰ھ۔۔۔→

مولانا فخر علیہ الرحمۃ کے ذکر میں صفحہ ۵۰۰ پر ہے۔
"و دیگر جماعت کثیر بخلافت ظاہری و باطنی سرفراز شدند و منجملہ ایشاں حضرت شاہ نیاز احمدؒ بریلوی نہایت محبوب و مرغوب حضرتِ فخرِ جہاںؒ بود۔"

۷۔ یادگار شعراء ۔ مؤلفہ اسپرنگر ۔ مطبوعہ ہندوستان اکاڈمی صفحہ ۲۱۲۔
"نیاز۔ میاں شاہ نیاز احمد سرہند میں پیدا ہوئے، دلّی میں پرورش پائی، نہایت ذی علم اور بڑے بزرگ شخص ہیں۔ بریلی میں رہتے ہیں۔ فارسی اور ریختہ کہتے ہیں سرور نے ان کا تخلص نامیؔ[1] اور نام نثار احمد[2] لکھا ہے۔"

---

[1] غلط ہے [2] یہ بھی غلط ہے، سرور کا اقتباس اوپر ہی درج ہے معلوم نہیں اسپرنگر نے کہاں سے لیا؟ علاوہ ازیں سرور کی کتاب "خزینۃ الاصفیاء" ۱۲۸۵ھ میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد کتابوں اور رسالوں میں حضرت قطب عالم مدارِ اعظم شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز کا ذکر موجود ہے۔ لیکن باب ہذا (ابتدائیہ) کے لحاظ سے منتخبہ اقتباسات بہت کافی ہیں۔ لہذا انھیں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ان کتابوں میں مجموعہ نغز از حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ۔ (۴) اور ریاض الفصحا۔ از مصحفیؔ (۳)۔ اہم ترین ہیں۔ کیونکہ قابلِ حصول شہادتیں ہم عصر اور مشہور مصنفین کی انھیں میں ملتی ہیں۔ ان میں حکیم قدرت اللہؒ حضرت شاہ نیاز احمد علیہ الرحمۃ کے ہم سبق اور مصحفیؔ حضرت کے شاگردوں میں تھے دونوں نے چشم دید حالات تحریر کیے ہیں۔ جن سے حضرت گرامی منزلت شاہ نیاز احمد قدس سرہ کے کمالات علمی و روحانی پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہی اقتباسات اغلاط سے پاک ہیں۔

اب ہم حضرتِ والا علیہ الرحمۃ کے کچھ خاندانی حالات بالخصوص حضرتِ اقدس کے والدین گرامی قدر نور اللہ مرقدہما کے حالات قدرے تفصیل سے، اہلِ خاندانِ نیازیہؒ کے ہی حوالوں کے ساتھ لکھتے ہیں تاکہ ان فضائل و کمالات کی نوعیت، وسعت اور عظمت کا اندازہ ہو سکے۔ جو حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز احمد قدس سرہ کو حاصل تھے۔ اور جن کی تعمیر و تکمیل کا معتدبہ حصہ پشت ہا پشت کے خاندانی فیوض و برکات پر مشتمل آپ تک پہنچا تھا۔

(بقیہ حاشیہ) لکھی گئی تھی۔ نام خود تاریخی ہے۔ لیکن اسپرنگر اس طرح فعل حال استعمال کرتا ہے گویا حضرت قبلہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کی حیات میں لکھ رہا ہے۔ حالانکہ خزینۃ الاصفیاء کا حوالہ ثابت کر رہا ہے کہ اسپرنگر کی کتاب اس کے بعد کی تالیف ہے بہرحال حضرت علیہ الرحمۃ کی فضیلت علمی و اعلیٰ مرتبہ بزرگی کا اعتراف موجود ہے۔

باب ۲

آبا و اجداد، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

فصل - ۱

(ا) نسب نامہ (ب) حالات والد ماجد حضرت شاہ نیاز احمد صاحب علیہ الرحمۃ

مندرجہ ذیل حالات زیادہ تر بیانِ صداقت نشان مسند آرائے فخریہ زیبندۂ سجادۂ نیازیہ صاحب سجادہ و جانشین حضرت تاج الاولیاء قدس سرہ العزیز جناب سراج السالکین شاہ محی الدین احمد قدس سرہ العزیز۔

مطبوعہ کرامات نظامیہ اور دیگر مستند تحریروں سے ماخوذ ہیں۔

حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد (عرف حضرت "ننھے میاں" صاحب)

(یہ نام مبارک مؤلف مقالۂ ہذا نے بغرض تکمیل نامہ شامل کیا ہے)

ابن حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسینؒ، علوی قادری حسینی

ابن حضرت شاہ راز احمد المقلب بہ قطبِ عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علوی قادری حسینی سنامی سرہندی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ابن حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی سرہندیؒ

ابن شاہ عظمت اللہ محقق علوی سرہندیؒ

ابن حضرت شاہ ابراہیم علوی ملتانیؒ

ابن شاہ کلمۃ اللہ علوی ملتانیؒ
ابن شاہ آیۃ اللہ علوی اندیجانی ملتانیؒ (دیکھو ذیلی حاشیہ)
ابن شاہ حکمت اللہ علوی اندیجانی ملتانیؒ
ابن شاہ احمد علوی اندیجانیؒ

یہ سب حضرات اہل کمال گزرے ہیں ۵؎

(ماخوذ از کرامات نظامیہؒ)

سطورِ مابعد ہی سے حسبِ ذیل معلومات و تشریحات حاصل ہوتی ہیں یعنی:۔

حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز منجانب سلسلہ آبائی علوی سید ہیں۔ اور والدہ ماجدہ کی جانب سے بنی فاطمہؓ سید رضوی ہیں آپ کے اجداد شاہانِ بخارا سے تھے۔ جن کا پایہ تخت ایک زمانے میں اندجان یا اندیجان تھا۔ آپ کے اجداد میں حضرت شاہ آیۃ اللہ علوی ترک سلطنت کر کے ملتان تشریف لے آئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے پوتے شاہ عظمت اللہ دہلوی ملتان سے ترک سکونت فرما کر سرہند میں آباد ہو گئے۔ پھر وہاں سے حاجی الحرمین حکیم الٰہی حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علوی (والد ماجد حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی) دہلی تشریف لائے یہ واقعہ غالباً ۱۱۶۰ھ کا ہے۔ یہ تمام حضرات اہل کمال گزرے ہیں

۴۔ حضرت موصوف ترک سلطنت کر کے ملتان جا کر گوشہ نشینی و فقر میں مصروف ہوئے۔

۵؎ بیان صداقت نشان حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد علیہ الرحمۃ مطبوعہ کرامات نظامیہ مولفہ مولوی محمد فائقؒ صاحب۔

فصل ۲

مختصر حالات والد ماجد حضرت شاہ نیاز احمد قدس سرہما

حسب ذیل حالات بھی کراماتِ نظامیہ سے ماخوذ ہیں :۔

حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز کے والد ماجد علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی شاہ محمد رحمت اللہؒ ہے۔ اور ذات سے آپ کو حکیم الٰہی کا خطاب مرحمت ہوا۔ آپ نسب میں سیّد علوی ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ قدیمہ کے آپ صاحب ارشاد تھے جو آبائی و اجدادی تھا۔ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ بھی آپ کو پہنچا ہوا ہے۔

جب آپ دہلی تشریف لائے تو بادشاہ نے آپ کے لیے منصب قضا کا تجویز کیا آپ کو اس سے اسکراہ تھا۔ بعد اصرار بسیار آپ نے قبول کیا۔ نادر شاہ نے قوم پوچھی، آپ نے سیّد علوی بیان کیا۔ بادشاہ نے سند چاہی، فرمایا روپیہ، پیسہ، مکانات، کاغذات سب سرہند میں چھوڑ آیا۔ جو ضائع ہو گئے۔ اگر تحقیق منظور ہے تو ہماری اصل بستی اندیجان کو آدمی بھیج دیا جائے۔ وہاں سے تصدیق ہو جائیگی چنانچہ وہاں آدمی بھیجا گیا۔ اور وہاں سے شجرہ حسبی و نسبی بہ مواہیر عمائد شہر اور بہ مہر بادشاہ وقت مرتب ہو کر آیا۔ اور وہ غدر (جنگ آزادی) ۱۸۵۷ء تک موجود تھا غدر میں کتب خانہ کے ساتھ وہ بھی تلف ہو گیا۔ آپ چند روز قاضی القضات رہے جس وقت آپ کے صاحبزادہ حضرت شاہ نیاز احمد قدس سرہ مولانا فخر الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے بہ منصب سجادگی و مسند نشینی مع دستار و مسند و تبرکات بریلی شریف تشریف لائے۔ آپ نے بھی منصب قضا ترک فرمایا اور بریلی تشریف

لے آئے اور آپ کے مبلغ چھ روپے روزانہ سرہند سے واسطے خرچ (علاج) مخلوق کے قدیم سے مقرر تھے[۱] جو زمانہ شاہی تک بدستور مقرر رہے۔ اس کے بعد بزمانہ سلطنت لکھنؤ مبلغ تین روپے روزانہ ہو گئے جو آپ کے وصال کے بعد بھی گورنمنٹ کے ہاں سے وصول ہوتے رہے۔ اور حضرت شاہ نیاز احمدؒ کے زمانے میں حکام انگریزی نے اس میں قید حسین حیات لگا دی جو بعد وصال حضرت نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ بند ہو گئے۔"

---

[۱] نقل فرمان بنام حاجی محمد رحمت اللہ حکیم الٰہی۔ برائے خرچ دوائے بیماراں و محتاجاں۔ گول بڑی مُہر۔ وَلِلّٰہ، مہر میں حاکم متعلقہ کا نام اس مہر میں نہیں پڑھا گیا البتہ مہر کے بالائی حصّہ کی عبارت یہ ہے "فدوی احمد شاہ درانی"

رفعت و عوالی مرتبت راجہ راجگان امر سنگھ بہادر مورد مراحم باشند۔

بوضوح پیوست کہ مبلغ ہے (شش) روپیہ یومیہ برائے خرچ دوائے بیماراں و محتاجاں باسم حکمت دستگاہ حاجی محمد حکیم الٰہی . . . . (صاف پڑھا نہیں گیا) مال چکلہ سہرند از سابق مقرر است۔ دریں ولا تعلیقچہ رفیعہ نواب صاف اشرف انوار بہادر۔ بناء آں نگارش می رود کہ از عمل فعلہ اینجا تحقیق نمودہ موجب معمول قدیم از تاریخ ورود پروانہ روزینہ مشارٌ الیہ از آمدنی اینجا می رسانیدہ باشند و قبض الوصول بگیرند۔ ثانی الحال در حساب آنجا مجرائی و محسوب خواہد شد۔

دستخط پڑھے نہیں گئے۔

مرقوم ہفدہم محرم ۱۱۸۵ ہجری — مقام مصطفیٰ آباد

اصل فرمان خانقاہ نیازیہ میں موجود ہے۔

(مؤلف)

بعض تذکرہ نگاروں نے حضرت شاہ نیاز احمد قدس سرہ کی تاریخ پیدائش کی طرح یہ بھی غلط لکھا ہے ۔ کہ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ کا سایہ بچپن ہی میں آپکے سر سے اٹھ گیا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ "حضرت کے والدین بہت زمانے تک حیات رہے اور آپ کے ہمراہ بریلی تشریف لائے۔ اور مدت تک یہاں (یعنی بریلی میں) اپنے مطب میں مفت علاج کرتے رہے۔ ان کے نسخہ جات اب تک مشہور زمانہ ہیں۔ حکیم صاحب موصوفؒ بعد وفات یہیں (یعنی بریلی میں) دفن ہوئے۔ والدین کے مزارات اب تک "مسجد بی بی غریب نواز" میں متصل خانقاہ نیازیہؒ موجود ہیں۔" [۱]

افسوس کہ حضرت شاہ نیاز احمد علیہ الرحمۃ کے والد ماجد حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علوی نور اللہ مرقدہ کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ تاہم اہلِ نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ عہدہ قاضی القضاۃ (یعنی چیف جسٹس کے عہدے پر) وہی شخص مامور ہو سکتا ہے۔ جو:

۱۔ کسی بادشاہ کی قلمرو میں علم و فضل، عدل و انصاف کرنے کی اہلیت، تقویٰ پرہیزگاری اور سیرت و کردار میں یکتائے زمانہ ہو۔

۲۔ بادشاہ تک اس کے اوصافِ حمیدہ و کمالات پسندیدہ کا شہرہ پہنچا ہو اور

۳۔ بادشاہ نے شخص مذکور کا انتخاب بھی کر لیا ہو۔

---

[۱] مکتوب گرامی حضرت قبلہ محمود میاں صاحب نظامی نیازی مدظلہ العالی۔ راقم الحروف کو ان مزارات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ احاطہ مسجد میں کئی مزارات ایک لائن سے پختہ بنے ہوئے ہیں اور احاطے سے ملحق بجانب شمال مولوی عبید اللہ صاحب بدخشانی کا مزار ہے۔ یہ حضرت تاج الاولیا قدس سرہ العزیز کے خلیفہ تھے۔ اور ترک وطن کر کے خانقاہ شریف کے ہو رہے۔ بڑے صاحب کمال تھے۔ مزید حالات ضمیمہ میں دیکھیے۔

حضرت شاہ نیاز احمد علیہ الرحمتہ کے والد ماجد کا چیف جسٹس کے عہدہ جلیلہ پر مامور کیا جانا اس حقیقت کو اچھی طرح ثابت کر رہا ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کے معیار پر وہی پورے اترے اور ان کا ثانی اس وقت وہاں کوئی دوسرا نہ تھا۔

۴۔ چیف جسٹس کے عہدہ جلیلہ پر چند سال مامور رہنا اس امر کی پختہ دلیل ہے۔ کہ ان میں علمی و دماغی اور انتظامی امور کما حقہٗ انجام دینے کی عملی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ اور وہ اسلامی قانونِ شہادت، دیگر اسلامی قوانین، اور فقہ اسلامی پر ماہرانہ عبور رکھتے تھے۔

۵۔ آپ کے نام نامی کے ساتھ الفاظ "حکیم الٰہی" کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ایک کامل بزرگ اور ولی اللہ بھی تھے۔ اور یہ الفاظ بطور خطاب آپ کو ذات سے عطا ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اکثر علماء و فقراء طب و حکمت کا علم و فن بطور پیشہ سیکھتے اور کسبِ معاش یا محض خدمت خلق کے لیے استعمال کرتے تھے۔ لیکن وہ صرف "حکیم" کہلاتے تھے۔ "حکیم الٰہی" نہیں۔

۶۔ دہلی کے چیف جسٹس ہونے کے باعث وہ سخت عدیم الفرصت رہتے ہوں گے۔ اسی لیے اپنے فرزند عزیز حضرت شاہ نیاز احمد علیہ الرحمۃ کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کرنا

والدہ ماجدہ کی ذمہ ضروری ہو گیا ہو گا۔ جیسا کہ آئندہ مذکور ہو گا[۵] اور زمانے کے عام دستور کے مطابق کسی مدرسہ کی تعلیم بھی ضروری تھی۔ چنانچہ آپ کو مشہور و معروف بزرگ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز کے سپرد

---

[۵] حضرت قبلہ الحاج شاہ محمد تقی صاحب عرف محبوب میاں صاحب نظامی نیازی مدظلہ العالی نے مسودہ میں یہ نوٹ درج فرمایا کہ نسبتِ فاطمی رضی اللہ عنہا کی وجہ سے والدہ ماجدہ کی جانب غلبہ تھا (مؤلف)

کیا گیا۔ آپ کا مدرسہ اس زمانے میں دہلی کے تین مشہور و معروف مدرسوں میں سے ایک تھا۔ تفصیل ذکرِ والدہ ماجدہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمہ اور آپکی "تعلیم ظاہری" کے تحت درج ہے۔

فصل ۳

حالات والدۂ ماجدہ شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہما

مندرجہ ذیل حالات، بیانِ صداقت نشان زیبندۂ مسندِ نیازیہ جانشین حضرت "تاج الاولیاء" قدس سرہ العزیز، جناب سراج السالکین شاہ محی الدین احمد عرف حضرت نھنے میاں صاحب قدس سرہٗ۔ مطبوعہ کرامات نیازیہ سے ماخوذ ہیں۔ ان حالات کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ یا ماخذ ہمیں نہ مل سکا اور دوسرا ماخذ اتنا معتبر و مستند ہو بھی نہیں سکتا جتنا مذکورۂ بالا مطبوعہ بیان ہے۔ کیونکہ وہ خود حضرت سراج السالکین علیہ الرحمۃ کا بیان ان کے اپنے خاندان سے متعلق ہے۔ اور انھی کی حیاتِ مبارکہ میں، وصال سے بہت پہلے شائع بھی ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ طبع ہونے کے بعد بھی نہ صرف حضرت نے بلکہ ان کے تمام بزرگ اعزاء و معاصرین نے بھی مطالعہ فرمایا ہوگا۔ اگر کہیں تصحیح و ترمیم کی گنجائش ہوتی تو یقیناً کسی نہ کسی شکل میں کہیں نہ کہیں اس کے اظہار و اعلان کا ثبوت موجود ہوتا۔ لیکن بیان مذکور کی تردید کہیں نہیں ملتی، بلکہ اس کے برعکس مرزا اختر دہلوی اپنی کتاب "تذکرہ اولیاء" میں شہادت دیتے ہیں کہ "آپ کی (یعنی حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ کی) والدۂ ماجدہ عفیفۂ روزگار تھیں"

دیکھو اقتباس نمبر ۲۔ باب ۱۔ تذکرہ ہذا۔

اور مزید تائید خود حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز کے ہم مکتب ایک مشہور عالم فاضل بزرگ حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ اپنی مشہور کتاب ''مجموعۂ نغز'' (۱۲۲۱ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''بہر کیف سرانجام کام جذبہ حق ویرا در ربودہ کہ خود را مشغول عبادات شاقہ ساخت و مردانہ اسپ ہمت در مضمار طلبِ مولیٰ تاخت۔ در بدوام دعویٰ استفادہ ایں کار استوار از خدمت بابرکت والدہ ماجدہ خود کہ اولیہ جناب طہارت انتساب حضرت بتول زہرا علیہا السلام می گفت می کرد......''

یعنی بالآخر جذبہ حق آپ پر غالب آیا۔ اور آپ راہ طلبِ مولیٰ میں کمر ہمت باندھ کر سخت سے سخت عبادات میں منہمک رہنے لگے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو جناب طہارت انتساب سیدۃ النساء حضرت بتول زہرا علیہا السلام سے زبردست روحانی و خاندانی تعلق تھا۔ (حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز منجانب سلسلۂ آبائی علوی سید اور والدہ ماجدہ کی جانب سے بنی فاطمہ سید رضوی ہیں) اور آپ کا دعویٰ تھا کہ انھیں جو فیض پہنچا اور جن مراتب بزرگ پر وہ فائز ہوئے۔ وہ والدہ ماجدہ کی خاص تربیت اور ان کی توجہ فرمانے کا نتیجہ تھا۔''

دیکھو اقتباس نمبر ۴۔ باب ۱۔ تذکرہ ہذا۔

اور خزینۃ الاصفیاء (۱۲۸۵ ہجری) میں غلام سرور لاہوری تحریر فرماتے ہیں:۔

'' والدہ ماجدہ اش کہ رابعۂ وقت و عفیفۂ عہد بود اورا در سایۂ عاطفت خود پرورش نمود۔ بعد ازاں برائے تربیت ظاہری و باطنی

حوالہ مولانا فخر الدین فخر جہاں چشتی دہلوی نمود . . . .!"

غرضیکہ آپ کی والدہ ماجدہ کے "رابعۂ وقت" اور "عفیفۂ عہد" ہونے کا ذکر غیروں کی زبان پر بھی موجود ہے جس کا ذکر انھوں نے برملا اپنی تصانیف میں کیا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم آپ کو مفصل بیان مطبوعہ کراماتِ نظامیہ کی سیر کراتے ہیں۔

مفصّل حالات بی بی شاہ غریب نوازؒ

(م ۶، ربیع الاوّل ۱۲۱۷ھ)

"آپ کا اسم مبارک بوجہ پاسِ ادب مخفی رکھا جاتا ہے۔ ذات کی طرف سے "بی بی غریب نواز" کا خطاب عطا ہوا۔ آپ صاحبزادی سید مولانا سعید الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھیں۔ جن کا شجرۂ نسبی حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو پہنچتا ہے۔ اور مولانا سعید الدین رضویؒ، حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۲ھ، ۱۷۲۹ء) کے خلیفہ تھے۔ اور حضرت بی بی غریب نوازؒ، سلسلہ عالیہ قادریہ میں مرید حضرت شیخ محی الدین دیاسنامی کی تھیں۔ (م ۱۱۵۴ھ)۔ (مفصّل حالات حضرت دیاسنامیؒ کے لیے دیکھو ضمیمہ اتذکرۂ ہذا)

آپ کے شیخ نے دو مرتبہ آپ کی بیعت کی۔ آپ نے دوبارہ بیعت کرنے کی وجہ دریافت کی تو شیخ نے فرمایا تمھارے بطن سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوں گے اور میں اس وقت نہ ہوں گا۔ لہٰذا میں ان کی روح کو بیعت کرتا ہوں۔

عالم روحانیت کے واقعات عجیب و غریب ہوتے ہیں حضرت بایزید بسطامیؒ نے حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کو ان کی ولادت سے سو سال پہلے خرقان

کی طرف رخ کرکے پکارا اور اپنی تمام باطنی نعمتیں اور امانتیں ان کے سپرد کیں اسی لیے سیدی ابوالحسن خرقانی نے اپنا سلسلہ روحانی حضرت بایزید بسطامیؒ سے بتایا۔ متعدد انبیائے کرام اور اولیاء اللہ سے قبل ولادت معجزات وکرامات کا صادر ہونا وانفعالات سے ثابت ہے۔ روح کو بیعت کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جن کے ایمان کمزور ہوتے ہیں وہی ان باتوں پر یقین نہیں کرتے ہیں[1]

بعض روایات میں حضور خواجہ غریب نواز اجمیری کی صاحبزادی بی بی حافظہ جمال کا شمار بھی انھیں میں کیا جاتا ہے۔

مولف ناز ونیاز کا بیان ہے کہ۔۔۔۔"دوران حمل والدہ ماجدہ نیاز بے نیازؒ نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ

جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنی چھپر کھٹ کی جھالر کا ایک موتی توڑ کر انھیں مرحمت فرمایا۔ جس کا رنگ ریشم کی طرح سرخ تھا گھر آ کر انھوں نے سرخی کو موتی سے نکالنے کی کوشش کی۔ تو دالان اور صحن سرخی سے بھر گئے۔ پھر بھی موتی کی سرخی کم نہیں ہوئی۔ آپ نے اپنا خواب اپنے مرشد حضرت محی الدین دیاسنامی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا۔ آپ خود تشریف لائے۔ اور خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ آپ کے بطن سے ایک حسین اور صاحب باطن لڑکا تولد ہوگا۔ جس سے بے شمار آدمی مستفیض ہونگے بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ یہ حمل بائیس ماہ (خاندانی روایات کے بموجب ۱۰ ماہ) رہا۔ طبیبوں نے مرض تشخیص کرکے دوا تجویز کی۔ مجھے بشارت یاد آئی۔ اور میں نے دوا پھینک دی۔ دوسرے دن نماز فجر کی دوسری رکعت میں درد شروع ہوا اور آپ تولد ہوئے۔"

---

[1] دیکھیے غوث الاعظم نمبر خاتون پاکستان کراچی حصہ اول صفحہ ۴۵۔

اسی لیے حضرت نیاز بے نیاز کبھی کبھی خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ میں تو جناب سیدہ کی جھبر کھٹ کا موتی ہوں۔

حضرت شاہ بی بی غریب نواز بہت بڑی کاملہ تھیں چنانچہ اس عرفان اور کمال کی تین بیبیاں بعد حضرت خاتونِ جنت علیہا السلام کے گذری ہیں۔ پہلی حضرت بی بی رابعہ بصری رح، دوسری فاطمہ ثانی رض والدہ حضرت پیرانِ پیر قدس اسرارہما تیسری حضرت بی بی غریب نواز قدس سرہٗ۔

خرق عادت کے بہت سے واقعات آپ سے ظہور میں آئے۔ آپ اپنے صاحبزادہ یعنی حضرت نیاز بے نیاز پر زمانہ شیر خواری ہی سے عرفان کا اثر ڈالتی رہیں جس کی نسبت خود جناب قبلہ اپنے دیوان شریف میں فرماتے ہیں۔

ے شیرِ مادر تھا یا شرابِ کہن
جس کا ہے یہ خمار آنکھوں میں

ایک مرتبہ حضرت بی بی غریب نواز صاحبہؒ نے حضرت قطب عالم مدار اعظم حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کو طلب فرمایا جب آپ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کیا لکھا ہے۔ آپ نے عرض کیا

ے بخاشاک وجودم زد نگاہ گرم او آتش
بروں از آسماں شد شعلۂ مشت پر کاہے

بیان اس کا یہ ہے کہ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے ایک شعر کے متعلق فرمایا۔ کہ میں نے ایک مرتبہ عالمِ مثال میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ آپ نے میری جانب گرم نگاہ سے دیکھا میں نے جو اپنے وجود کو دیکھا تو مثل گھاس کے ایک گٹھے کے دیکھا اور حضرت کی نگاہ نے اس میں آگ لگا دی۔ اور میں جلنے لگا۔ اور شعلہ میرا آسمان کو پہنچا۔ اول آسمان تک مجھے

علم رہا۔ پھر مجھے علم نہیں رہا۔ دو چار روز کے بعد پھر حضرت بی بی غریب نوازؒ نے طلب فرمایا جب حضرت حاضر ہوئے تو فرمایا کہ دیکھو اور اپنا دستِ مبارک میرے سامنے کیا اور فرمایا یہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور کا ہاتھ ہے۔ دوبارہ پھر فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے پھر عرض کیا۔ حضور کا ہاتھ ہے۔ سہ بارہ بہ نظرِ عتاب فرمایا، غور سے دیکھو یہ ید بیضا ہے۔ حضرت نے فرمایا میں نے جو دیکھا تو حضرت غریب نوازؒ کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں مثل مشعل کے روشن ہیں۔ اور اپنے وجود کو جو خیال کیا تو مثل روئی کے دیکھا اور آگ نے اس کو آگ لگا دی۔ اس حال کے طاری ہونے پر آپ نے فرمایا۔

لاگ کی آگ لگتے ہی پنبہ نمط میں جل گیا
رختِ وجود جان و تن کچھ نہ بچا جو ہو سو ہو

ایک مرتبہ بمقام دہلی جب حضرت نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ تحصیل علم ظاہری فرما رہے تھے حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہا مستغرق تھیں اور حضرت بالاخانہ پر کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ اور اس وقت حضرت غریب نوازؒ ذرہ ذرہ کائنات میں سما رہی تھیں۔ محلہ میں ایک ہندو نے دتون کے واسطے نیم کی ٹہنی کاٹی چاقو لگانا تھا کہ حضرت غریب نواز نے شور کیا کہ اس کو منع کرو چنانچہ اس کو منع کر دیا گیا۔ جس قدر وہاں چاقو نیم کی لکڑی میں بیٹھا تھا یہاں اسی قدر آپ کی چھنگلیا کٹ گئی۔ اور اس سے خون جاری تھا اور حضرت قبلہ کی انگلی میں بھی اسی قدر نشان یعنی کھرونچ آ گئی تھی۔ جس کا نشان مدت العمر باقی رہا۔

ایک مرتبہ عالم مثال میں حضرت غریب نواز رحمہا اللہ نے حضرت نیاز بے نیازؒ کو

جب کہ آپ کی عمر ساڑھے چار ماہ کی تھی حضرت سیدہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک حضرت نیاز کے سر پر پھیر کر فرمایا کہ "یہ اپنا بچہ ہے"۔ یہی وجہ ہے غلامان سلسلۂ نیازیہ ہمیشہ ہر جگہ ممتاز رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ بسبب نہ ہونے بارش کے مخلوق کو سخت پریشانی ہوئی۔ اور وجہ نہ برسنے کی یہ تھی کہ ایک مجذوب دریا کے کنارے ایک جھونپڑی میں رہا کرتے تھے اور وہ شکستہ ہو گئی تھی۔ جب ابر اٹھتا وہ ڈنڈا لے کر اٹھتے اور وہ ابر ہٹ جاتا۔ مخلوق کا یہ حال کہ نمازِ استسقاء پڑھتے دعائیں مانگتے کچھ اثر نہ ہوتا۔ بادشاہِ وقت نے بزرگوں کی طرف رجوع کیا۔ توبت بنوبت بزرگوں نے اس مجذوب کو سمجھایا کہ مخلوق پریشان ہو رہی ہے۔ پانی مت روکئے۔ ہر ایک کو یہی جواب دیتے کہ ہماری جھونپڑی بہہ جائے گی۔ ہم ہرگز برسنے نہ دیں گے۔ جب کسی کے کہنے کا اثر نہ ہوا۔ تو آخر کو حضرت بی بی غریب نوازؒ سے درخواست کی گئی کہ آپ سمجھائیے آپ نے فرمایا کہ جب اس نے مردوں کا کہنا نہیں مانا تو مجھ ایک عورت کے کہنے کا کیا اثر ہوگا۔ جب بادشاہ کی طرف سے اصرار ہوا تو آپ کی ایک خادمہ جن کا بی بی نورن نام تھا۔ ان سے فرمایا کہ بی بی نورن تم مجذوب کے پاس جاؤ اور بالحاح و خوشامد ان سے عرض کرو کہ مخلوقِ خدا پریشان ہو رہی ہے۔ آپ پانی کی بندش نہ کریں۔ حسب الحکم وہ چند قدم جا کر لوٹ آئیں۔ اور یہ عرض کیا کہ اگر اس نے میری اس الحاح اور خوشامد پر بھی میری اس عرض کو قبول نہ کیا تو پھر میں کیا کروں گی۔ فرمایا کہ اپنے بالوں کو کھول کر ان کے پیروں پر سر رکھ کر التجا کرنا اور جا۔ یہ سن کر وہ چند قدم گئیں اور پھر واپس آئیں۔ اور یہ عرض کیا کہ اگر وہ اس عاجزی پر بھی نہ مانیں۔ تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ تو ان سے کہہ دینا کہ اگر کسی دوسرے نے برسا دیا تو آپ کی کیا بات رہے گی؟ اس نے عرض کیا کہ اگر اس پر بھی نہ مانیں تو آپ نے حالت جذب میں ہو کر یہ فرمایا کہ پھر تو

برسا دیجیو۔ حسب ارشاد بی بی نورن ڈولی میں سوار ہو کر دریا کے کنارے مجذوب کی خدمت میں پہنچیں۔ علاوہ بریں جو آداب مراتب تعظیم ہوتے تھے وہ سب بجا لائیں مگر وہ اپنی ہٹ میں ایسے جمے تھے کہ کسی بات سے راضی نہ ہوئے۔ آخر کو بی بی نورن نے کہا کہ اگر کسی دوسرے نے برسا دیا تو آپ کی کیا بات رہے گی۔ وہ جوش میں آکر کہنے لگے کہ کس کی طاقت ہے جو برسائے اگر کوئی برسا دے گا تو ہم اپنی ناک کاٹ دیں گے۔ مجبوراً بی بی نورن ڈولی میں سوار ہو کر دریائے جمنا پر آئیں۔ اور ہر جانب پردہ ہو گیا آپ نے اپنی چادر دی کہ سامنے ڈولی کے مثل شامیانہ تان دو۔ پھر خود ڈولی سے نکل کر اس کے نیچے بیٹھیں۔ بعد نصف گھنٹے کے حبس بہت سخت پیدا ہوئی اس واسطے کہ آسمان پر ٹکڑہ ابر برابر چادر مبارک کے پیدا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر مجذوب مذکور نے ڈنڈا لیا اس کوشش میں جانبین سے خوف و ہیبت سخت طاری تھی۔ مختصر جتنا مجذوب خفا ہوتے تھے اور ڈنڈا گھماتے تھے اتنا ہی ابر ترقی کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ابر محیط آسمان ہو گیا۔ اور پانی برسنا شروع ہو گیا۔ اور اتنا برسا کہ جمنا کو طغیانی ہوئی۔ اور مخلوق کو اندیشہ غرق ہونے لگا۔ تو بادشاہ نے جو حاضر تھا قریب ڈولی جا کر عرض کیا بس کیجیے بی بی نورن صاحبہ ڈولی میں چلی گئیں۔ اور پھر فرمایا کہ ہماری ڈولی پھر مجذوب کے یہاں لے چلو۔ چنانچہ پہنچیں، مجذوب صاحب کی جھونپڑی کے گرد چالیس چالیس قدم تک کوئی قطرہ آب نہیں گرا تھا۔ مجذوب صاحب اٹھے اور چاقو کھول کر بی بی نورن کے سامنے رکھ دیا۔ اور منہ سامنے کرکے بیٹھ گئے۔ بی بی نورن نے چاقو علیحدہ کر دیا۔ اور مجذوب کے قدم پکڑے اور کہا کہ میں جیسے پہلے خادمہ تھی ویسے ہی اب بھی خادمہ ہوں مگر آپ کو مخلوق خدا پر رحم چاہیئے۔ پھر وہاں سے اپنے مکان کو تشریف لے آئیں۔

ایک مرتبہ حضرت بی بی غریب نواز صاحبہؒ نے بحالت قیام دہلی جب کہ بہت سخت قحط ہوا اور مخلوق خدا بسبب بھوک کے مرنے لگی تو اپنا زیور طلائی مرصع

بجواہرات کو فروخت فرماکر چنے خرید فرمائے۔ اور دو مکان چھت تک بھر دیے اور ایک پیالہ لکڑی کا منوایا جس میں نیم نار پختہ خوراک ایک شخص کی آجائے۔ اور آدمی مقرر فرمائے صبح سے رات کے نو بجے تک وہ تقسیم کیے جاتے تھے۔ چنانچہ جب تک زمانہ قحط رہا چنے تقسیم ہوتے رہے۔

ایک روز ایک کالا سانپ حضرت بی بی غریب نوازؒ کو کاٹنے کے لیے دوڑا آپ چشم بند مستغرق تھیں۔ جو بی بیاں خادمہ خدمت میں حاضر تھیں انھوں نے غل مچایا کہ حضور سانپ ہے۔ آپ نے آنکھ کھول کر دیکھا تو سانپ بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ بمجرد نگاہ برجا ماندہ رہ گیا۔ حضرت نے اُس سانپ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اس نے آپ کی انگلی کے ساتھ سر اٹھایا۔ اور زمین پر مار دیا۔ آپ نے اتنی ضربیں لگوائیں کہ اس میں طاقت سر کی جنبش کی باقی نہ رہی پھر فرمایا کہ اس کو کوئی باہر چھوڑ آؤ۔ ایک خادمہ نے اپنی گود میں رکھ لیا اور دروازہ کے باہر چھوڑ آئیں۔ اور یہ کہا کہ اب خبردار مت آنا۔

آپ کی حالت پردہ نشینی یہ تھی کہ ہمیشہ اپنے شیخ حضرت محی الدین دیاسناؒمی سے بھی سب حالات تعلیم کی عرض و معروض معرفت حضرت بی بی عصمت شاہ ان کی صاحبزادی کے ہوا کرتے تھے اور کوئی عورت باہر نکلنے والی مثل دھوبن و بھنگن وغیرہ بھی آپ کے سامنے نہیں آتی تھیں۔ اور مدت العمر کپڑے آپ کے دھوبی کے گھر دھلنے نہیں گئے۔

آپ کا ارشاد ہے چونکہ میں نے تعلیم بواسطہ سیدہ عصمت شاہ بی بی کے پائی ہے لہذا ضمناً میری مرشدہ ہوئیں۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے شجرہ میں تبرکاً حضرت محی الدین دیاسنامیؒ کے نام کے بعد بی بی عصمت شاہ کا نام لکھا۔ اگرچہ عورت سے سلسلہ جاری نہیں ہوتا ہے مگر بالواسطہ محض تعلیم

ارشاد میں ہرج نہیں۔

قدن خان صاحب۔ شاہ جہان پوری کا صوبہ دار کر دینا۔ قدن خان صاحب رئیس و تعلقہ دار شاہ جہاں پور پر روپیہ سرکاری ٹوٹا۔ صوبہ دار صاحب بلائے گئے۔ طلبی روپیہ کی ہوئی قدن خان صاحب نے کہا کہ روپیہ واجبی اور میں دیندار، مگر مجھ کو مہلت دی جائے۔ اور توقف کیا جائے۔ روپیہ دوں گا۔ طلبی روپیہ میں سختی ہوئی نوبت سخت کلامی کی پہنچی۔ صوبہ دار صاحب نے فرمایا یہ خیال مت کرنا کہ میں پٹھان ہوں میں تمھارے مکان کی جڑ تک اکھیڑوا پھینک دوں گا۔ غصہ میں قدن خان کے منہ سے نکلا آپ میری کیا جڑ اکھیڑیں گے

میں نے ہی آپ کی جڑ اکھیڑ دی۔ پھر قدن خان مکان پر آئے۔ جب غصہ کچھ فرو ہوا تو فکر ہوئی کہ میں نے یہ کیا لفظ کہا نہ میں فقیر نہ صاحب کرامت نہ صاحب زور و طاقت، مجبوراً گھوڑے پر سوار ہو کر شاہ جہان پور سے بریلی شریف خدمت میں حضرت شاہ غریب نواز کی حاضر ہوئے۔ اپنی حاضری کی اطلاع کرائی حضرت قبلہ نیازؒ بے نیاز برآمد ہوئے اور تمام تقریر قدن خان کی جا کر خدمت میں عرض کی۔ شاہ غریب نوازؒ نے فرمایا ایک ٹھیکری اور ایک کوئلہ لاؤ۔ گھڑے کا ٹوٹا ٹکڑا حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس پر ایک نقشہ کھینچا۔ اور اس کے حدود کھینچے، شاہ جہان پور اور کھوٹا اور پوایاں وغیرہ وغیرہ اور فرمایا کہ یہ قدن خان کو دیدو اور کہو کہ جو تمھارے منہ سے نکلا تھا وہ تو ہو گیا اور موافق اسی نقشہ کے ہم نے تم کو صوبہ دار کیا۔ قدن خان وہ ٹھیکری اپنے سر پر باندھ کر شاہ جہانپور پہنچے معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے طلبی ہوئی ہے۔ مختصر یہ کہ لکھنؤ پہنچے، صوبیدار قدیم برخاست ہوئے اور فرمان صوبہ داری ان کو مرحمت ہوا۔ اور وہاں سے نقارہ اور ڈنکا اور خلعت کے ساتھ برآمد ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے مکان پہنچے اور نقشہ عطیۂ سرکار لکھنؤ کو جو اس

ٹھیکری کے مطابق کیا تو مطلق تفاوت نہیں پایا۔

بی بی نورن حضرت غریب نوازؒ کی خادمہ تھیں آپ نے دہلی میں ان کی شادی کر دی تھی۔ اور وہ اپنے گھر میں رہا کرتی تھیں۔ ایک روز بی بی نورنؒ نے حضرت نیاز بے نیازؒ کی دعوت کی آپ نے قبول فرمایا۔ منجملہ مطعومات کے جس کوٹھری میں سامان دعوت کے تھے۔ بی بی نورن نے اپنے تصرف سے اس مکان کو نعمتِ باطنی سے بھر دیا تھا جب دعوت کا وقت ہوا اور حضرت نیاز بے نیاز اچانک اس مکان میں تشریف لے گئے۔ تو اس تصرف سے جس سے بی بی نورن نے اس مکان کو بھر دیا تھا محویت غالب ہوئی۔ اور آپ عرصہ تک بے ہوش رہے اور بی بی نورنؒ پنکھا جھلتی رہیں۔ بعد دو گھنٹے کے جب حضرتؒ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بی بی نورن کیوں نہ ہو آخر بڑے کی دیکھنے والی ہو۔

بعد چند روز کے جناب قبلہ نے بی بی نورن کی دعوت کی۔ آپ نے بھی اپنے تصرف سے دعوت کے مکان کو نعمت باطنی سے پر کر دیا۔ جب بی بی نورن اس مکان میں داخل ہوئیں تو ان کی بھی وہی حالت بے ہوشی کی ظہور میں آئی۔ جو حضرت نیاز بے نیازؒ کی ہوئی تھی۔ سبحان اللہ اہلِ کمال کی اس قسم کی ظاہری اور باطنی دعوتیں ہوا کرتی تھیں جو ہمارے وہم و خیال سے باہر ہے۔

مولوی فضل کریم صاحب مرحوم جو حضرت تاج الاولیاء کے خلیفہ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت نیاز بے نیاز کی خدمت میں ایک شخص ذی استعداد حاضر ہو کر غلامی میں داخل ہوا اس کی استعداد اور صلاحیت کو دیکھ کر جناب قبلہ نے بہت تعریف فرمائی۔ شدہ شدہ اس کی استعداد کی خبر حضرت غریب نوازؒ کو پہنچی۔ آپ نے حضرت نیاز بے نیازؒ سے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمھارے پاس ایک طالب آیا ہے۔ اس کی استعداد و غایت درجہ کی بڑھی ہوئی ہے۔ ہم اس کی دعوت کرنا چاہتے ہیں

آپ نے فرمایا کہ وہ حاضر ہے۔ غرض کہ آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ کھچڑی دھو دھا کر دیگچی میں لے آ۔ موافق حکم کے اس نے حاضر کیا۔ اپنی نظر کی حرارت سے اس کھچڑی کو پکایا۔ اور ایک رکابی میں اس کھچڑی کے تین لقمہ رکھ کر حضرت نیاز بے نیازؒ کو دیے کہ اس کو کھلا آؤ۔ جس وقت آپ اس کے پاس لے گئے وہ دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگا کہ ان تین لقموں میں میرا کیا بھلا ہو گا؟ غرض کہ جب اس میں سے اس نے لقمہ کھایا تو ایسا سیر اور مست ہو گیا کہ دوسرے لقمہ کی نوبت نہ آئی۔ آخر کار حضرت نیاز بے نیازؒ اس کو واپس لے گئے۔ حضرت غریب نوازؒ نے فرمایا کہ اس کی استعداد کی تعریف کرتے تھے۔ یہ تو ایک لقمہ کا بھی متحمل نہ ہوا۔ خیر ان باقی لقموں کو تم کھالو۔ آپ نے دونوں لقموں کو نوش فرمایا اور کچھ اثر ظاہر نہ ہوا۔ کسی قسم کا اثر ظاہر نہ ہونا یہ آپ کی عالی ظرفی کی دلیل ہے۔

منشی ارشاد علی صاحب خوشنویس بریلی کے رہنے والے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ سوائے میرے ہمارے سب آباؤ اجداد خاندان نیازیہؒ کے غلام ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے شب کو خواب میں دیکھا کہ ہمارے گھر میں کسی قسم کی تقریب ہے اور میں محافہ لے کر جناب غریبؒ نواز کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ آپ محافہ میں بیٹھ کر میرے گھر کو آرہی تھیں۔ اور میں محافہ کے ساتھ تھا۔ راستہ میں ایک شخص کے چیخنے چلانے کی آواز حضرت غریب نوازؒ نے سنی فرمایا یہ کیوں چیختا چلاتا ہے۔ میں نے جا کر دریافت کیا اس نے کہا میرے آدھے سر میں نہایت شدت کا درد ہو رہا ہے۔ کسی طرح اچھا نہیں ہوتا۔ میں نے حضرت غریب نواز سے اس کی حالت بیان کی آپ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ اپنے سر میں فلاں دوا گھس کر لگائے میں نے اس سے جا کر کہا اور پھر محافہ کے ساتھ ہو کر حضرت غریب نواز کو مکان میں لایا۔ چند روز کے بعد ہی درد کی شدت میرے سر میں ہوئی۔ ہر چند حکیموں کا علاج کیا کچھ فائدہ نہ ہوا، مجھ کو

اپنا خواب یاد آیا۔ اور حضرت غریب نوازؒ نے جو دوا اس دردرسیدہ کو بتلائی تھی وہی دوا میں نے منگوا کر استعمال کی فوراً وہ درد جاتا رہا۔ ایسا جب کسی کو درد نیم سر ہوتا ہے میں وہی بتلا دیتا ہوں۔ اس کو شفا ہو جاتی ہے۔ جو حکیم صاحب میرے معالج تھے جب ان سے ذکر آیا انہوں نے فرمایا یہ طبی دوا تو ہے نہیں۔ یہ تو حضرت غریب نوازؒ کا محض تصرّف ہے۔

حضرت غریب نوازؒ کے تصرفات اور کرامات اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سب کو بیان کیا جائے۔ تو مستقل ایک بڑی کتاب ہو جائے چونکہ اس رسالہ میں حضرت تاج الاولیاء قدس سرہٗ العزیز کے واقعات بیان کرنا مقصود ہیں۔ اس لیے تبرکاً چند واقعات حضرت بی بی غریب نوازؒ کے قلم بند ہوئے۔

آخر عمر میں آپ نے غذا از قسم اناج ترک کر دی تھی۔ صرف دو تولہ بالائی پر بسر ہوتی تھی۔ اس وقت کے حکیموں نے کہا کہ بغیر اناج کے آدمی کی زندگی ممکن نہیں آپ کو کچھ غذا دینی چاہیئے۔ چنانچہ اوّل روز ایک دانہ جوش کردہ گیہوں کا گھس کر اس بالائی میں ملا کر آپ کو دیا گیا۔ اس روز آپ نے حضرت نیاز بے نیازؒ کو بلا کر فرمایا کہ کوئی چیز ہم کو ایسی دی گئی ہے جس سے ہمارے کوٹھے (شکم) میں تاریکی پیدا ہوئی ہے۔ ایسا فعل مناسب نہیں۔ حکیموں نے کہا کہ بعد تین سال کے ایک دانہ جو گیہوں کا دیا گیا ہے اس لیے حضور کو گرانی ہوئی ہے۔ دو چار روز کے بعد عادت ہو جائے گی۔ پھر یہ بات محسوس نہ ہوگی۔ اس لیئے اس کہنے سے دوسرے روز دو دانہ اور تیسرے روز تین دانہ استعمال کرائے گئے۔ آپ نے حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ باوجود مخالفت کے کچھ خیال نہ کیا گیا۔ شاید ہمارا رہنا تم لوگوں کو پسند نہیں۔ اچھا ہمارے لیے بندوبست کرو۔ ہم جاتے ہیں۔ ہر چند حضرت قبلہؒ نے بہت منت اور سماجت کی

قبول نہ ہوئی اور چھ ربیع الاول سنہ کو انتقال فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مزار مبارک آپ کا بریلی شریف محلہ خواجہ قطب متصل مسجد زیارت گاہ خلائق ہے۔

⁘ ⁘ ⁘

باب ۳

ابتدائی حالات حضرت قبلہ شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہٗ العزیز

فصل ۱

مقام اور تاریخ ولادت

اس امر پر سب متفق ہیں کہ حضرت قطبِ عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہٗ العزیز بمقام سرہند پیدا ہوئے آپ کی تاریخ ولادت ۶ رجمادی الثانی بعد نماز فجر جمعہ ۱۱۵۵ھ ہے۔

البتہ قدیم تذکروں میں غلطی سے سال ولادت ۱۱۷۳ھ لکھا جاتا رہا ہے جبکہ حقیقتاً آپ کا صحیح سال ولادت[1] ۱۱۵۵ھ ہے۔

یہ غلطی سب سے پہلے مطبع منشی نولکشور سے سرزد ہوئی جس نے حضرت علیہ الرحمۃ کے مختصر بلکہ نہایت سرسری حالات کے ساتھ (جیسا کہ اس زمانے کے ناشروں کا عام دستور تھا) آپ کا مجموعہ کلام اردو و فارسی پہلی بار دیوان نیاز کے نام سے شائع کیا۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ مطبع کی اس غلطی کا ماخذ کیا تھا بہرحال غلطی مذکور سہواً ہوئی۔ اور وہی نقل در نقل کے طور پر دہرائی جاتی رہی۔ اس سے بھی بڑی غلطی یہ ہوتی رہی کہ کسی نے اس کی تصحیح کی جانب توجہ نہیں کی، تصحیح کی جانب توجہ کی

---

[1] تاریخ پیدائش ۶ رجمادی الثانی بعد نماز صبح روز جمعہ ۱۱۵۵ھ

ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب یہ غلطی بہت عام ہو چکی تھی۔ بہرحال ایسی غلطیاں اکثر تذکروں اور تاریخی کتابوں میں مذکور ہیں۔ این ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر۔ ممکن ہے زمانہ گذشتہ میں کسی وقت غلط سال پیدائش کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہو۔ جیسا کہ ناچیز مؤلف تذکرۂ ہٰذا کا گمان ہے۔ لیکن اس کی نظر قاصر سے کوئی ایسی تحریر نہیں گذری جو حضرت قبلہ شاہ نیاز بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے دور میں یا اس سے پیوستہ قریب کے کسی دور میں اس غلطی کی تصحیح کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی گئی ہو۔ بہرحال اب اس فروگذاشت کے اسباب معلوم کرنا بیکار ہے۔ بلکہ حسب ذیل دلائل پر غور کیجیے جن سے حضرت اقدس کا سن پیدائش ۱۱۷۳ھ ہونا غلط اور ۱۱۵۵ھ ہونا صحیح ثابت ہوتا ہے۔

دلائل:۔

۱۔ داخلی دلائل:۔ سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ خود حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اہلِ خاندان ۱۱۷۳ھ کے غلط اور ۱۱۵۵ھ کے صحیح سال پیدائش ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام السالکین قبلہ شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب علیہ الرحمۃ (سوم جانشین حضرت شاہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ) کے بھائی، حاجی الحرمین الشریفین جناب شاہ محمد نقی صاحب مدظلہم عرف محبوب میاں صاحب قبلہ نے اس ناچیز کو متعدد بار اپنے گرامی ناموں کے ذریعہ مذکورۂ بالا امور سے آگاہی بخشی ہے۔ اور انھیں کے فرزند اکبر جناب محمود میاں صاحب نظامی نیازی کا ایک مضمون جنوری ۱۹۶۳ء میں رسالہ "بصائر" کراچی میں شائع ہو چکا ہے۔ موصوف نے اس میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"آپ کے (یعنی حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز کے)

سنہ پیدائش میں اختلاف ہے ۔ آپ کے خاندان کی معتبر روایتوں، مخطوطات اور فرامین شاہی سے ۱۱۵۵ھ برآمد ہوتا ہے ۔ اور عمر ۹۵ سال بتائی جاتی ہے ۔ لیکن مختلف تذکرہ نگاروں مثلاً عبدالغفور نساخ، مفتی غلام سرور، اور مرزا محمد اختر دہلوی نے عمر ۷۸ سال اور سنہ پیدائش ۱۱۷۲ھ لکھا ہے ۔ بظاہر اس اختلاف کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے دیوان کی پہلی اشاعت میں سنہ پیدائش ۱۱۷۲ھ غلطی سے تحریر ہوگیا ہے ۔ اور ان حضرات کے سامنے یہی دیوان رہا ۔ وصال ۱۲۵۰ھ میں ہوا اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے .... الخ"

۲۔ مذکورۂ بالا خاندانی ثبوتوں سے ثابت ہے کہ آپ کا مولد سرہند ہے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے والدین ۱۱۶۰ھ میں دہلی تشریف لائے ۔ اس وقت حضرت شاہ نیاز احمد علیہ الرحمۃ تقریباً ۵ - ۶ سال کے تھے ۔ دہلی پہنچ کر ان کی تعلیم ظاہری و باطنی پر خاص توجہ کا سلسلہ شروع ہوا ۔ ان تمام امور سے صحیح سال پیدائش ۱۱۵۵ھ ہی ثابت ہوتا ہے ۔

لہٰذا جب حضرت اقدس کے خاندان کی معتبر روایتوں، مخطوطات، فرامین شاہی اور ایسے ہی واقعات سے سال پیدائش ۱۱۵۵ھ ہی برآمد ہوتا ہے ۔ تو کسی کو اس کی تردید کا کوئی حق نہیں پہنچتا ۔ اور ہر شخص کو کسی حیلے یا حجت کے بغیر سالِ پیدائش ۱۱۵۵ھ ہی تسلیم کر لینا چاہیئے ۔

خارجی دلائل :-

ہر چند کہ مزید ثبوت دینے کی ضرورت نہیں تاہم مندرجہ ذیل واقعات بھی بطور خارجی شواہد کے پیش کیے جاتے ہیں ۔

۱۔ مصحفیؔ نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بمقام دہلی شاہ نیاز احمد علیہ الرحمۃ سے میزان پڑھی تھی۔ جیسا کہ خود مصحفی نے ریاض الفصحاء میں اعتراف کیا ہے۔[1]

مصحفیؔ سنہ ۱۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور آغاز جوانی میں (بعمر ۲۶ سال) وطن امروہہ سے سنہ ۱۱۹۰ھ میں دلّی آئے۔ اور تکمیلِ علوم کی۔[2] اس زمانے میں مدرسہ فخریہ بہت مشہور تھا اور اس میں علومِ ظاہری کی تکمیل کے لیئے دور دور سے لوگ آتے اور علمی پیاس بجھاتے تھے۔ حضرت شاہ نیاز احمد علیہ الرحمۃ نے بعد دستار بندی وحصولِ شہرت کافی عرصہ تک حضرت مولانا فخر علیہ الرحمہ اور ان کے مدرسہ کی خدمت کی تھی۔ اسی زمانے میں مصحفیؔ نے حضرتؒ سے میزان پڑھی ہو گی۔

اب اگر حضرت شاہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کا سالِ پیدائش عام غلطی کے بموجب سنہ ۱۱۷۳ھ مانا جائے تو آپ مصحفیؔ سے عمر میں ۹۔۱۰ سال چھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں مصحفیؔ کو بہ لحاظ عمر شاگرد کی بجائے استاد ماننا پڑے گا۔

۲۔ ناز و نیاز اور کراماتِ نظامیہ دونوں اس امر کی شاہد ہیں کہ:۔

حضرت بی بی شاہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہا (والدۂ ماجدۂ حضرت قبلہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کو) ان کے مرشد حضرت محی الدین دیاسنامی قدس سرہ العزیز نے دوبار بیعت کیا تھا۔ اور دریافت کرنے پر فرمایا تھا کہ تمھارے بطن سے ایک فرزند پیدا ہو گا۔ جس کا رتبہ ولایت عظیم ہو گا۔ اس وقت میں نہ ہوں گا لہذا اس کی روح

---

[1] دیکھو اقتباس ۲۲ باب ۱۔ کتاب ہذا

[2] دیکھو تاریخ ادب اردو از سکسینہ۔ مترجمہ مرزا محمد عسکری صفحہ ۲۲۹

کو بھی بیعت کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس قول کے وقت روح نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ بطنِ مادری میں موجود ہوگی اور روشن ضمیر مرشد پر کل حقیقت واضح ہوگی جبھی تو والدہ کے توسّل سے "روحِ فرزند" کو بیعت کیا گیا۔

یہ واقعہ ذلیقعدہ ۱۱۵۴ھ سے پہلے کا ہونا چاہیئے کیونکہ ۷، ذی قعدہ ۱۱۵۴ھ کو حضرت قبلہ دیا سنامی علیہ الرحمۃ کا وصال ہوگیا۔

حضرت بی بی شاہ غریب نواز کے مطبوعہ (بیلن ہر دو کتب مذکورۂ بالا) کے بموجب حمل بائیس ماہ (ایک روایت کے بموجب اٹھارہ ماہ) رہا یہاں تک کہ حکیموں نے مرض تشخیص کیا اور علاج پر آمادہ ہوئے۔ دوا بھی آگئی لیکن بی بی شاہ غریب نوازؒ کو اپنے مرشد کی بشارت یاد آئی۔ آپ نے دوائیں پھینک دیں۔ اور غالباً اسی روز حضرت قبلہ نیاز بے نیاز بعد نماز فجر مصلّے پر ہی تولّد ہوئے۔

مذکورہ بشارت و بیعت بائیس ماہ کی مدّت حمل اور تاریخ وصال حضرت دیا سنامی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر آپ کا سال پیدائش ۱۱۵۵ھ ہی قرار پاتا ہے۔

۳۔ مؤلف نازو نیاز (جن کا تعلق شاخ سلسلہ نیازیہؒ بدایوں سے تھا) اور مؤلف کتاب کراماتِ نظامیہ (جن کا تعلق خاص سلسلۂ نیازیہ بریلی سے تھا) دونوں ان امور پر متفق ہیں کہ حضرت نیاز بے نیازؒ سرہند میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والدین کے ہمراہ سنہ ۱۱۶۰ھ میں دہلی تشریف لائے۔ نیز یہ کہ اس وقت ان کی عمر تقریباً ساڑھے چار سال یا پانچ سال کی تھی۔ یہ تمام امور ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱۵۵ھ ہی صحیح ہے

آپ کا اسمِ گرامی

آپ کا اسم مبارک راز احمد المعروف بہ نیاز احمد[1] ہے

---

[1] کرامات نظامیہ۔ ....

اس کی وضاحت، حضرت محترم مولانا محمد فائق صاحب نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے حملۂ صفدری میں یوں کی ہے کہ "جناب قبلہ کا عَلَم نیاز احمد ہے اور راز احمد کلمہ وصفی ہے جس کا مفہوم اسرار محمدی ہے۔ چونکہ جناب قبلہ سراپا اسرار محمدی کے نمونہ تھے۔ اس لیے "راز احمد" کا اطلاق آپ پر بطور حقیقت کے تھا۔ اور بروقت اطلاق آپ اس صفت کے ساتھ متصف تھے .... لہٰذا توضیح یہ ہوئی کہ کون راز احمد۔ وہ جو ملقب بہ نیاز احمد ہیں"۔

حضور قبلہ (نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز) کے ایک چھوٹے بھائی صاحب کا نام غلام محی الدین احمد تھا۔ انھیں بھی کہیں شاہ راز احمد اور کہیں راز احمد عرف غلام محی الدین احمد لکھا گیا ہے۔ دونوں حضرات کے اسماء گرامی کے ساتھ لفظ "راز احمد" کلمہ وصفی ہے۔ عَلَم یعنی اصل نام نہیں جس سے شخص متعلقہ کی ذات پہچانی جاتی ہو۔ عَلَم کو حذف کر کے صرف کلمہ وصفی کا استعمال بعض اوقات غلط فہمی کا باعث ہوتا ہے جیسے مخدوم علی احمد صابر اور مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی میں لفظ "مخدوم" کلمہ وصفی مشترک ہے۔ ایک کا عَلَم علی احمد اور دوسرے کا نصیر الدین ہے۔ اسی طرح "راز احمد نیاز احمد" اور "راز احمد غلام محی الدین احمد" میں نیاز احمد اور غلام محی الدین احمد اصل نام ہیں اور لفظ "راز احمد" مشترک کلمہ وصفی ہے اس توضیح کو ذہن میں رکھنے سے کوئی الجھن یا غلط فہمی نہیں پیدا ہو سکتی۔

کثرت استعمال سے حضور قبلہ کو بعد کی تحریروں میں صرف شاہ نیاز احمدؒ لکھا جانے لگا۔ وہ بھی رفتہ رفتہ "نیاز بے نیاز" یا "شاہ نیاز بے نیاز" رہ گیا۔ اس میں لفظ "بے نیاز" آپ کی دنیا سے شدید بے نیازی واضح کرنے کے لیے بطور وصف بھی ہے۔ اور بحیثیت ترکیبِ اضافی بھی مستعمل ہے۔ نیز "نیاز" کے ساتھ "بے نیاز" کا استعمال صوتی ہم آہنگی اور ایک لطیف ادبی حسن بھی پیدا کر رہا ہے۔ انما الاعمال بالنیات

فصل ۲

ابتدائی تعلیم

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ آپ بمقتضائے مشیت ایزدی اپنے والدین کے ہمراہ چار سال چند ماہ کی عمر میں سرہند سے دہلی تشریف لے آئے تھے۔ کرامات نظامیہ میں حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز کے بیان صداقت نشان میں مذکور ہے۔ کہ" آپ کے خاندان عالیہ میں یہ معمول رہا ہے کہ جب کسی بچہ کا مکتب ہوتا تو جو شیخ وقت یا بزرگ خاندان ہوتا وہ اس بچہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتا جب حضرت نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کا مکتب ہوا تو حسب معمول آپ کے نانا مولانا سعید الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نیاز بے نیاز کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگرچہ یہ امر کسی وجہ سے آپ کی صاحبزادی حضرت شاہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہا کو جو حضرت نیاز بے نیاز کی والدہ تھیں۔ گونہ ناپسند ہوا مگر خاموش رہیں۔ اور تعلیم جاری رہی۔ (ایک روایت کے بموجب ۱۷ برس) اور آپ نے ۱۵ برس کی عمر میں (ایک روایت کے بموجب ۱۷ برس کی عمر میں) تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہو کر دستار فضیلت حاصل کی۔ ملا جلال وغیرہ میں جو آپ کے حواشی ہیں وہ آپ کے فاضل ہونے کی دلیل ہیں۔

فصل ۳

باطنی تعلیم وتربیّت

(قبل تکمیل علوم ظاہری)

(حضرت شاہ نیازؔ بے نیازؒ بہ لحاظ بیعت وکمالات پہلے قادری ہیں پھر چشتی

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت شاہ نیازؔ بے نیاز قدس سرہ کی والدہ ماجدہؒ ولیۂ کاملہ حضرت بی بی "غریب نواز" رحمۃ اللہ علیہا سلسلہ قادریہ میں مُریدہ حضرت شیخ محی الدین دیاسنامی قدس سرہ العزیز کی تھیں۔ آپ کے شیخ نے دو مرتبہ آپ سے بیعت لی۔ آپ نے دو مرتبہ بیعت لینے کی وجہ دریافت کی تو شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا "تمھارے بطن سے ایک بزرگ مرتبہ صاجزادہ پیدا ہوں گے۔ اور میں اس وقت نہ ہوں گا۔ لہٰذا میں ان کی روح کو بیعت کرتا ہوں۔" چنانچہ حضرت نیازؔ بے نیاز کے پہلے قادری پھر چشتی ہونے کا یہ پہلا ثبوت ہے۔

حضرت سیدہ بی بی غریب نوازؒ زمانہ شیر خوارگی ہی سے حضرت نیازؔ بے نیاز علیہ الرحمہ پر توجہ القائی فرمایا کرتی تھیں۔ اور باطنی طور پر فیضانِ قادریہ سے مستفیض کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ حضرت نیازؔ بے نیاز علیہ الرحمہ کا یہ شعر اسی معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ ؎

شیرِ مادر تھا یا شرابِ کہن — جس کا ہے یہ خمار آنکھوں میں

لہٰذا حضرت شاہ نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز کے پہلے قادری پھر

چشتی ہونے کا یہ دوسرا ثبوت ہے۔

کرامات نظامیہ میں جو نسب نامہ حسب بیان صداقت نشان جانشین حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ العزیز یعنی سراج السالکین شاہ محی الدین احمد عرف حضور ننھے میاں صاحب علیہ الرحمۃ درج ہے۔ اس میں بھی حضرت شاہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کے نام کے ساتھ علوی، قادری کے علاوہ سنامی بھی درج ہے۔ جو حضرت شیخ محی الدین دیاسنامی علیہ الرحمۃ کے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کا ثبوت واعتراف ہے۔

چنانچہ یہ تیسرا ثبوت ہے کہ آپ پہلے قادری ہیں اس کے بعد اور کچھ۔

نسب نامہ میں صرف قادری اور تائید مزید کے طور پر سنامی لکھنا یہ واضح کر رہا ہے کہ اہلِ خاندان کی نظر میں قادری الاصل ہونے کی خاص اہمیت ہے۔ شاید اسی لیے وہاں چشتی نہیں لکھا۔ ورنہ آپ چشتی بھی تھے۔ اور اس سلسلۂ عالیہ سے لامتناہی فیوض وبرکات پہنچے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ چشتیہ نیازیہ کا پورا شجرہ ہی (علاوہ شجرۂ قادریہ نیازیہ کے) مریدین کو دیا جاتا ہے۔

مذکورہ ثبوتوں کے بعد مندرجہ ذیل واقعات بھی ملحوظ رکھیے جو آپ کو حضرت مولانا فخر علیہ الرحمۃ کے سپرد کیے جانے اور دستار بندی سے قبل رونما ہوئے۔ مثلاً۔

جب عمر شریف آپ کی ساڑھے چار ماہ کی ہوئی تو ایک روز حضرت بی بی شاہ غریب نواز (والدۂ ماجدۂ حضرت نیاز بے نیاز) نے آپ کو عالم مثال میں حضرت سیدہ خاتونِ جنت علیہا السلام کے قدموں میں ڈال دیا جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنا دستِ مبارک جناب نیاز بے نیاز کے سر پر پھیرا اور زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ "یہ ہمارا بچہ ہے"۔

چنانچہ اس کی تصدیق واقعہ غوثی شاہ سے ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ مخدوم

عبدالشہید نے جو حضرت نیاز بے نیازؒ کے خلفائے بزرگ میں سے تھے ۔ جب تحصیل علم باطنی سے فراغت پائی ۔ تو حضرت نیاز بے نیاز نے مخدوم جی کو ولایت پارتنہ کو روانہ کیا ۔ مخدوم جی جب ملتان پہنچے تو گھوڑے پر سوار تھے اور دو تین آدمی ہمراہ تھے ۔ گرمی کی شدت اور آفتاب کی تپش سے بچنے کی غرض سے ایک درخت کے سائے میں ذرا ٹھہر گئے ۔ مخدوم جی پر پیاس کا غلبہ تھا ۔ قریب ہی اس درخت کے ایک جھونپڑی ایک ٹیکری پر خس پوش نظر پڑی ۔ اس میں ایک صاحب چشم بند مستغرق بیٹھے تھے ۔ اور پاس ہی ایک کورا گھڑا ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا ۔ مٹی کے ایک پیالے سے ڈھنکا ہوا تھا ۔ مخدوم جی ٹیکری پر گئے اور ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہے ۔ جب شاہ صاحب نے آنکھ کھولی ، مخدوم جی نے کہا کہ میں بہت پیاسا ہوں اگر اجازت ہو تو پانی پی لوں ۔ شاہ صاحب نے اجازت دی ۔ مخدوم جی نے پانی پیا اور پیالے کو دھو کر گھڑے پر رکھ دیا ۔

شاہ صاحب کو یہ ادب اور قرینہ مخدوم جی کا بہت پسند آیا بہ نگاہِ باطن دیکھا مادہ کامل تیار پایا ۔ اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ ہم نے تجھے اپنا بیٹا کیا ۔

مخدوم جی نے کہا میں ایک صاحب کا غلام ہو چکا ہوں مجبور ہوں ۔ اپنے اختیار میں نہیں ۔

شاہ صاحب نے پھر کہا " نہیں ہم نے اپنا بیٹا بنایا "

پھر مخدوم جی نے یہی کہا کہ " میں تو ایک صاحب کا غلام ہو چکا ہوں اب اختیار بیٹا ہونے کا نہیں رکھتا "

شاہ صاحب نے غصہ ہو کر ایک نگاہ تیز ڈالی جس کے اثر سے مخدوم جی کے ہر بن مُو سے شرارہ آتش نکلنے لگا بہت سخت تکلیف ہوئی ۔

مخدوم جی نے عرض کیا کہ اس سے کیا ہوتا ہے ۔ جس کا غلام ہو چکا ہوں اس پر

ایسی ہزار جانیں قربان ہیں۔

شاہ صاحب نے ڈنڈا اٹھایا اور فرمایا "لے جن کو کہتا ہے میں انہی کو تمام کیئے دیتا ہوں۔

مخدوم جی پر غفلت طاری ہوئی دیکھا کہ حضرت نیاز بے نیازؒ پلنگ پر لیٹے ہیں اور مردہ ہیں اور بی بی صاحبہ حضرتؒ کے سرہانے کھڑی رو رہی ہیں اس کے بعد مخدوم جی کو ہوش آگیا۔ فوراً ٹیکری سے نیچے اتر آئے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ ان کی واپسی تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ اور بریلی شریف کی جانب روانہ ہوگئے شبانہ روز ایک سا چلے تا آنکہ بریلی پہنچ گئے۔ دوپہر کا وقت تھا اور حضرت نیاز بے نیازؒ واسطے استراحت کے مکان کے اندر تشریف لے جا چکے تھے۔ مخدوم جی کو چین کہاں تھا؟ اطلاع کرائی اور خیریت دریافت کی۔

حضور نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز بذاتِ خود باہر تشریف لے آئے تبسم فرمایا اور کہا کہ خانقاہ میں ٹھہرو۔

بوقت ظہر حسبِ معمول حضرت نیاز بے نیاز برآمد ہوئے۔ فرمایا کہ دوپہر کو میں پلنگ پر اس نیند میں سو رہا تھا۔ جسے بہ اصطلاحِ عرفا سونا کہتے ہیں۔ کچھ آواز کھٹکے کی معلوم ہوئی۔ اس تخت پر جو برابر بچھا تھا میں نے دیکھا کہ صورت مثالی حضرت غریب نواز کی موجود ہے ہاتھ میں جوتا ہے فرمایا، میاں تم آرام کرو۔ غوثی شاہ بدتمیز تھا میں نے اسے مار کر بھگا دیا۔

پھر حضرت قبلہ نیاز بے نیازؒ نے مخدوم جی پر توجہ فرمائی اور وہ سوزش جسم نصف کم ہوگئی۔ مخدوم جی نے عرض کیا کہ حضور چین کے قابل ابھی آرام نہیں۔ آپ نے ایک عمل تعلیم فرمایا اور کہا کہ باقی سوزش وہیں پر بعد اس عمل کے جاتی رہے گی۔

اس کے بعد مخدوم جی کو رخصت کر دیا۔ جب مخدوم جی ملتان اس ٹیکری کے سامنے

پہنچے اور غوثی شاہ کو دیکھا تو سوزش جسم مثل سابق زیادہ ہوگئی۔ مخدوم جی نے ایک صورت سامنے ٹیکری کی کے زمین پر کھینچی اور غوثی شاہ سے فرمایا کہ دیکھو یہ تمھاری صورت ہے پھر اس کے اوپر جوتا لگانا شروع کیا۔ غوثی شاہ صاحب کو غصہ آیا اور انھوں نے ڈنڈا سنبھالا جتنی نگاہ تیز ڈالتے تھے اور ڈنڈا زمین پر مارتے تھے مخدوم جی کی سوزش کم ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بالکل جاتی رہی۔ اور مخدوم جی کو ربودگی پیدا ہوئی، اور غافل ہو گئے۔

دیکھا کہ ایک میدان وسیع ہے ایک جانب کو تخت بچھے ہیں اور ایک جانب کہیں چٹائی کا ٹکڑا کہیں مرگ چھالا بچھا ہے پھر مخلوق خدا آنا شروع ہوئی۔ جو لوگ صاحب جُبّہ و دستار و تشرع تھے وہ ان تختوں پر اپنے اپنے مرتبے سے بیٹھنا شروع ہوئے۔ بعض لوگ ننگے اور بعض کچھ پہنے ہوئے تھے۔ یہ مجاذیب تھے وہ فرش زیریں پر بیٹھتے گئے۔ یہاں تک کہ جنگل بھر گیا۔

پھر دیکھا کہ آسمان سے ایک روشنی سفید نمودار ہوئی۔ اور وہ آکر تخت پر ٹھہری دیکھا کہ ایک تخت پر جناب مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ بیٹھے ہیں۔ اور اسی تخت کے ایک گوشہ پر جو جانب ان کے تھا۔ نیازؔ بے نیاز کھڑے ہیں۔ مورچھل ہاتھ میں ہے اور حضرت مولیٰ علی علیہ السلام کی مگس رانی کر رہے ہیں۔

اس حالت میں دو صاحب آئے۔ مخدوم جی کو دست گرفتہ وہاں لے گئے اور ان کا سر تخت جناب مولا پر لگا دیا۔ حضرت مولاؑ نے ارشاد فرمایا کہاں ہے غوثی شاہ؟ اس کو بلاؤ۔ غوثی شاہ حاضر کیے گئے۔ انھیں تخت کے سامنے دست بستہ کھڑا کیا گیا۔ حضور نے بہ نگاہِ ترش فرمایا۔ "کیوں بدتمیز یہ کیا حرکت تھی۔ تجھے نہیں معلوم کہ ہم نے ان کو (حضرت نیازؔ بے نیازؒ کی طرف اشارہ کرکے) اپنا بیٹا کیا ہے"۔ (یہ تصدیق اس قول کی ہے کہ عالم مثال میں چار ماہ کی عمر میں حضرت نیازؔ بے نیازؒ کی

نسبت حضرت سیدہ علیہا السلام نے فرمایا تھا کہ "یہ ہمارا بچہ ہے")۔

غوثی شاہ کانپ رہے تھے اور کچھ جواب نہ دے سکتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ "اگر آئندہ ایسی حرکت کی تو سخت سزا دی جائے گی"۔ اور دست مبارک بڑھا کر مخدوم جی کا ہاتھ پکڑا۔ اور نیاز بے نیازؒ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور تمام مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "کہ ان کو ہم نے اپنا بیٹا کہا ہے اگر کسی سے آئندہ کوئی حرکت ہوئی تو سخت سزا دی جائے گی"۔ تمام مجمع دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ تخت بلند ہو کر آسمان کو چلا گیا۔ اور ہمراہ تخت نیاز بے نیازؒ بھی چلے گئے۔

مخدوم جی ہوشیار ہوئے تو انھوں نے پھر جوتا لگایا۔

اس پر غوثی شاہ چلائے اور کہا کہ "اب تو فیصلہ ہو گیا پھر یہ حرکت کیسی"؟ مخدوم جی نے کہا کہ شیخ نے حکم دیا ہے ممانعت نہیں ہوئی ہے۔ مجبور ہوں غوثی شاہ چپ ہو رہے۔ اس کے بعد صورتِ مثالی حضرت نیاز بے نیازؒ مرئی ہوئی۔ مخدوم جی کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور فرمایا بس کرو اپنے ملک کو جاؤ۔

مخدوم جی پھر ٹیکری پہ گئے۔ غوثی شاہ کی دست بوسی کی۔ اور عرض کیا کہ میں فقراء کا جیسے پہلے غلام تھا ویسا ہی اب بھی ہوں۔ مگر مجبور ہوں کہ پہلے غلام ہو چکا پھر اپنے ملک کو روانہ ہو گئے۔ کابل کے دروازے پر ایک مجذوب ملا اس نے کہا شاباش! خوب بیٹے کا ہاتھ باپ کے ہاتھ میں دیا۔

پھر جب بخارا پہنچے تو ایک مجذوب شہر کے دروازے پر ملا۔ اس نے بھی کہا شاباش! ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ خوب بیٹے کا ہاتھ باپ کے ہاتھ میں دیا۔

(ماخوذ از کراماتِ نظامیہ)

نوٹ :۔ غوثی شاہ کا واقعہ اس واقعہ کی تصدیق کے لیے مذکور ہوا جو ساڑھے چار ماہ کی عمر میں حضرت نیاز بے نیازؒ کو عالمِ مثال میں ان کی والدہ ماجدہ نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ (یہ واقعہ پہلے مذکور ہو چکا ہے) اس واقعہ کی تصدیق کے بعد راقم الحروف ناظرین کی توجہ مندرجہ ذیل امور کی جانب مبذول کرانے کی اجازت چاہتا ہے وہ یہ کہ:۔

حضرت قبلہ عالم و عالمیان شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز حسب و نسب کے اعتبار سے علوی سید تھے۔ تو پھر آپ کو جگر گوشہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈالنے، انھیں آپ کو اپنا بیٹا بنانے اور کئی سال بعد جناب مولا علی کرم اللہ وجہہ کی زبان مبارک سے، بر سرِ جلسہ اولیائے کرام (بسلسلہ واقعہ غوثی شاہ صاحب) اپنا فرزند قرار دینے کی تصدیق وغیرہ کے کوئی خاص معنے ہونے چاہئیں۔ مانا کہ یہ امور عالمِ مثال میں رونما ہوئے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عالمِ مثال ارواحِ مجردہ اور اجسام کثیفہ کے درمیان عالمِ وسطیٰ ہے۔ عالمِ ناسوت (محل اجسامِ مادی) میں وہی رونما ہوتا ہے جو پہلے عالمِ مثال میں واقع ہو چکا ہو۔ اور کبھی اس کے آثار و عواقب یہاں عالم ناسوت میں ظاہر ہوا کرتے ہیں مختصر یہ کہ عالم مثال میں کسی واقعہ کا ہونا، عالم ناسوت کے مقابلے میں زیادہ مستند و مستحکم ہوتا ہے۔ اور اس کا مشاہدہ عالمِ مثال میں اللہ کے مقربانِ خاص ہی کر سکتے ہیں جیسا کہ حضرت قطب عالم، نیاز بے نیازؒ کے معاملہ میں ہوا۔ اور جس کے آثار یعنی مادی ثبوت کچھ عرصہ بعد عالمِ ناسوت میں ہر خاص و عام کے مشاہدے میں آئے کہ حضرت قطب عالم مدار اعظم حضرت نیاز بے نیاز بریلوی قدس سرہ العزیز کی تمام زندگی الف سے یے تک اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ نہ صرف ایک مادر زاد عظیم المرتبت ولی اللہ تھے بلکہ درجہ قطبیت و غوثیت پر

من جانب حق تعالیٰ فائز کیئے گئے تھے۔ جیسا کہ آئندہ بالتفصیل مذکور ہوگا۔ نیز یہ کہ آپ عالم ارواح میں بحیثیت فرزند آغوش شہنشاہِ ولایت مولا مشکل کشا حضرت علی رضؓ و جناب سیدہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہا میں تربیت روحانی وراست فیوض و برکات ولایت سے مستفیض کیئے گئے۔ بچپن ہی سے مقرب خاص بارگاہِ ایزدی بن کر عالم ناسوت میں جلوہ افروز رہے۔

عالم ناسوت میں جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے قدموں میں ڈالے جانے اور بر سر جلسہ اولیائے کرام حضرت مولائے کائنات شہنشاہ ولایت جناب علی علیہ السلام کی تصدیق کر "ہم نے انھیں (حضرت نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کو) اپنا بیٹا کیا ہے" کے یہی خاص معنے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

حضرت قبلہ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

اے شاہِ نجفؓ ہوں میں نیاز آپ کے گھر کا
بگڑے مرے سب کام تھیں آن سنوارو

یہ حالات عہد طفلی کے اس حصہ سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ آپ کو ابھی حضرت مولانا فخر دہلوی قدس سرہٗ العزیز کے سپرد بغرض تعلیم و تربیت نہیں کیا گیا تھا صرف آپ کی روح کو شکم مادر میں حضرت محی الدین دیاسنامی علیہ الرحمۃ نے بیعت کیا تھا۔ اور بعد ولایت بہ زمانہ شیر خوارگی آپ کی والدۂ ماجدہ آپ پر توجہ القائی فرماتی تھیں اسی زمانے میں آپ سے بعض اوقات کرامات کا ظہور بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ آگے مذکور ہے۔

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ ابھی تک سلوک چشتیہ کا کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا من جملہ دیگر امور کے یہ بھی ایک ثبوت اس امر کا ہے کہ آپ پہلے قادری ہیں پھر چشتی وغیرہ۔

والدۂ ماجدہ کی ذات میں فنائیت

حضرت بی بی غریب نواز زوالدہ ماجدہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ) کے ذکر میں ایک جگہ یہ واقعہ ملے گا۔ کہ بہ زمانہ صغر سنی دہلی میں ایک دن بالاخانہ پر حضرت نیاز بے نیاز بہ سلسلہ تحصیل علم ظاہری کسی کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ مستغرق تھیں اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں سما رہی تھیں۔

محلہ کے کسی ہندو نے مسواک حاصل کرنے کے لیے پاس ہی ایک نیم کے درخت کی شاخ کاٹنا چاہی۔ اس نے اس غرض سے ٹہنی میں چاقو لگایا ہی تھا کہ آپ نے چیخ کر کہا اسے روکو۔ چنانچہ اسے فوراً روک دیا گیا۔ لیکن جس قدر وہاں چاقو نیم کی لکڑی میں بیٹھا تھا یہاں اسی قدر آپ کی چھنگلی کٹ گئی۔ اور اس سے خون جاری تھا۔ اسی جگہ حضرت قبلہ کی ایک انگلی میں بھی خراش آگئی۔ جس کا نشان تمام عمر باقی رہا۔ یہ والدہ ماجدہ کی ذاتِ اقدس میں حضرت نیاز بے نیاز کی فنائیت تھی یا اس امر کا ثبوت تھا کہ والدہ ماجدہ کی توجہ خاص سے حضرت قبلہ کمسنی ہی میں والدہ ماجدہ کا عین بن چکے تھے۔

چنانچہ من جملہ دیگر امور کے یہ فیضانِ قادریہ کی اولیت کا پانچواں ثبوت ہے۔

حضرات پنج تن پاک سے نسبت عینیت کا شرف

حضرت قبلہ عالم سرکار نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو صرف "مادرزاد ولی" یا قطب و غوثِ وقت کہنے سے آپ کی بزرگی حقیقی اور جلالتِ شان کماحقہ واضح نہیں ہوتی آپ کے سوانح حیات کا بغور مطالعہ اس حقیقت کو اچھی طرح ثابت کر دیتا ہے کہ آپ حضرات پنجتن پاک علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات و صفات و کمالات کی تجلی خصوصی تھے۔ بہ الفاظ دیگر آپ کو پنجتن پاک علیہم السلام کی ذوات عالیہ میں فنائیت اور نسبت عینیت کا شرف حاصل تھا۔ اسی لیے آپ اپنے

دور میں علم وفضل اور حقیقت ومعرفت کے آسمان پر آفتاب عالم تاب کی طرح جلوہ گر رہے۔ اور اس دنیا میں آنے والی "مومن ارواح" ہمیشہ آپ ہی کی برکاتِ روحانی وکمالات ایمانی وعرفانی سے اکتسابِ فیض کرتی رہیں گی۔ بعض کے لیے یہ بالواسطہ ہوگا بعض کے لیے بالراست۔

اس فصل کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

۱۔ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی روح کو، بہ زمانہ حمل والدہ ماجدہ حضرت کی والدہ کے پیر ومرشد حضرت قبلہ سید محی الدین قادری دیاسنامی علیہ الرحمۃ نے قادریہ سلسلہ میں بیعت فرمالیا تھا۔

۲۔ یہ آپ کی پیدائشی ولایتِ خاصّہ کے سلسلے کی پہلی کڑی یا زینۂ اوّل تھا۔ بعد ازاں آں جناب کی والدۂ ماجدہ (حور العبہ وقت تھیں) برابر آپ پر توجہ ڈالتی رہیں۔ ساڑھے چار ماہ کی عمر میں حضرت مولا وجناب سیدہ خاتونِ جنت علیہم السلام نے آپ کو اپنا فرزند کیا۔ اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور عالمِ باطن میں برابر سرپرستی فرماتے رہے۔ ان تمام امور کے نتیجے میں آپ بھی برابر راہِ ولایت کی منازلِ عروج طے فرماتے رہے۔ جیسا کہ مسواک والے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ کہ روحانی ترقی کے لیے اکتسابی علم سے زیادہ "بزرگانہ توجہ" ضروری ہے۔ بشرطیکہ طبیعت وفطرت میں اثر پذیری کی صلاحیت بھی بطور بنیاد موجود ہو اور کسی مشہور سلسلے کے بزرگ سے بیعت کی نسبت بھی حاصل ہو۔

جہاں تک حضرت قبلہ شاہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کا تعلق ہے وہ مادر زاد ولی تھے بلکہ حضرات پنجتن پاک کی ذوات عالیہ میں فنائیت کی نسبت کا شرف حاصل تھا، اور ابتداء ہی سے ان کے چشمہ ولایت وقطبیت میں پانچ زبردست دھاروں سے

آبِ حیات بھر اگیا ۔

(اول) حضرت محی الدین دیاسنامی قادری علیہ الرحمۃ جیسے بزرگ کامل کی عنایت خصوصی ۔

(دوم) رابعہ عہد حضرت بی بی شاہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہا کی تربیت و توجہ القائی ۔

(سوم وچہارم) جناب مولائے کائنات کرم اللہ وجہہٗ اور جناب سیدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کی ذواتِ عالیہ کی سرپرستی کا فیضانِ خصوصی ۔

(پنجم) اصل سرچشمہ فیض و کرم، حقیقی منبع غوثیت و قطبیت، واقعی مخزن فیضانِ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بارگاہِ نورٌ من نور اللہ ۔ سے ۔ نور ولایت و قطبیت کی رسد بلا انقطاع براہِ راست بھی اور بالواسطہ بھی کیونکہ حضرت مولا علیہ السلام اور جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی سرپرستی کا یہ لازمی نتیجہ ہے ۔ پھر کیوں نہ ولایت نیاز بے نیاز کے چشمہ کرم سے آبِ حیات چھلک چھلک کر باہر رواں ہونے کے آثار کمسنی ہی سے نمودار ہوتے ۔ چنانچہ یہ آثار اس وقت سے نظر آتے رہے جبکہ ابھی آپ بغرض تعلیم ظاہری حضرت مولانا شاہ فخر رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد بھی نہیں کیئے گئے تھے ۔

(۲) خلاصہ نامکمل رہے گا ۔ اگر ہم اس امر کا اعادہ نہ کریں ۔ کہ بلحاظ حقائق آپ کو سلسلۂ قادریہ میں پہلے بیعت وحصول فیضان کا شرف حاصل ہے ۔

ہر چند کہ اس امر سے کہ آپ پہلے قادری ہیں یا چشتی آپ کی اصل منزلت میں

کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم سوانح حیات میں واقعاتی پہلو کا ذکر ضروری ہے۔ لہٰذا اس امر کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ نہ کہ کوئی ناگوار صورت بحث میں نکالی جائے اور خواہ مخواہ ایک سلسلے کی برتری اور دوسرے کی کمتری کا پہلو پیدا کیا جائے اس ناگوار صورت حال سے بہرحال پرہیز لازم ہے۔ قادریہ سلوک ہو یا چشتیہ دونوں کا مقصد "خدارسی" ہے۔ اور "مقامِ وصل" کے اسرار سربستہ ہوتے ہیں بقول شخصے

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اس سلسلے میں ایک بات اور واضح کرتا چلوں کہ سلسلۂ نیازیہؒ میں اکثر اشغال و اذکار سلسلۂ قادریہؒ کے رائج ہیں۔ بیعت بھی اسی میں لی جاتی ہے اور چشتیہ نیازیہؒ میں "طلب" ہے۔

میری حقیر رائے میں "بیعت" اور "طلب" میں بھی کوئی خاص فرق نہیں ہے حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز نے ایک خاص مجبوری کے تحت (جس کا ذکر آگے ملے گا) حضرت قبلہ شاہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کو "بیعت طالبی" اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ چنانچہ اسی سنت کی پیروی میں خانوادۂ نیازیہؒ میں غالباً "بیعت" و "طلب" کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور دونوں سلسلوں کے شجرے دیئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا فخر دہلوی علیہ الرحمۃ نے خود "طلب" کو "بیعت طالبی" فرمایا ہے۔ یہی اس حقیقت کا شافی و کافی ثبوت ہے کہ "بیعت" اور "طلب" میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلسلۂ نیازیہؒ میں قادریہ چشتیہ دونوں میں بیعت لی جاتی ہے۔ اور دونوں کے سلوک عجیب مخصوص طریقوں سے طے کرائے جاتے ہیں۔

باب ۴

قطب عالم نیاز بے نیازؒ حضرت مولانا شاہ فخر دہلویؒ کی تحویل میں

فصل ۔ ۱

مکان پر ابتدائی تعلیم ظاہری کے بعد حضرت قبلہ نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کو بغرض تکمیل تعلیم ظاہری و باطنی، قبلۂ عالم و عالمیان حضرت مولانا شاہ فخر الدین فخر جہاں، قدس سرہ العزیز کے سپرد کیا گیا۔

اس سلسلے میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ وہ یہ کہ
حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی دہلوی۔ قدس سرہ العزیز کے متعدد خلفا تھے۔ ان میں ایک خلیفہ شاہ شاہاں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہٗ تھے۔ جو والد ماجد اور پیر و مرشد حضرت مولانا فخر الدین محمد قدس سرہٗ کے تھے۔ اور دوسرے خلیفہ مولانا سعید الدین رضوی سرہندی علیہ الرحمۃ تھے جو کہ حضرت بی بی غریب نوازؒ کے والد ماجد اور حضرت نیاز بے نیازؒ کے نانا تھے۔

جب مولانا فخرالدین محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد اور پیر و مرشد سے فقر و عرفان کی تکمیل کر چکے تو آپ کے والد ماجد نے فرمایا کہ میاں تمھاری کچھ نعمت بھائی سعید الدین رضوی، والد ماجد حضرت بی بی شاہ غریب نواز کے پاس امانت ہے۔ دہلی جا کر ان سے لے لو۔

چنانچہ حسب ارشاد اپنے والد ماجد کے آپ نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ اثنائے راہ میں آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ بعد ازاں دہلی پہنچے اور حضرت مولانا سعید الدین کی خدمتِ بابرکت میں دو تین سال رہ کر اپنی امانت حاصل کی۔ خدا جانے وہ کیا تھی۔ حضرت مولانا سعید الدین صاحب نے کیا دیا اور حضرت مولانا فخر علیہ الرحمۃ نے کیا لیا۔

چونکہ مولانا فخرالدین قدس سرہ العزیز نے حضرت بی بی شاہ غریب نواز کے والد ماجد سے فیض حاصل کیا تھا اس لیے آپ حضرت بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ کو مرشد زادی سمجھتے تھے، ہر پنج شنبہ کو دروازے پر حاضر ہوتے اور دہلیز کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرتے تھے۔ بر وقت ہاتھ پھیرنے کے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اس کے بعد حضرت بی بی شاہ غریب نواز کو سلام کہلا بھیجتے۔

حسبِ عادت ایک روز مولانا فخر صاحب جب حضرت غریب نواز کے درِ دولت پر تشریف لائے تو بی بی صاحبہ نے مولانا سے فرمایا کہ آپ میرے اس بچہ کو اپنی تعلیم میں لیجیے اور اس کو تعلیم فرمائیے[1]

---

[1] دہلی میں اس وقت مدرسۂ فخریہ قائم ہو چکا تھا اور اس کی شہرت بھی تھی۔

چنانچہ حسب الحکم حضرت مولانا فخر علیہ الرحمۃ نے حضرت نیازؒ بے نیاز کو اپنی تربیت میں لے لیا مگر آپ نے بیعت نہیں فرمایا۔ حضرت نیازؒ بے نیاز نے درخواست بیعت کی، کی۔ اس پر حضرت مولانا قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ بروقت تمہارے مکتب ہونے کے، تمہارے نانا حضرت مولانا سعید الدین رضوی علیہ الرحمۃ نے تمہارے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ میرے مرشد ہیں۔ میں اپنے مرشد کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا۔ حضرت نیازؒ بے نیاز نے فرمایا۔ کہ وہ ہاتھ رکھنا میری صغر سنی میں تھا اس کی کچھ سند نہیں۔ اس پر حضرت مولانا فخرؒ نے فرمایا کہ جب شیخ نے قبول کر لیا تو یہی سند ہے۔

حضرت نیازؒ بے نیاز نے عرض کیا کہ بغیر بیعت کے فیض نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو میں رخصت ہوتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ میرے لیے آپ سے فیض پہنچنا مقدر نہیں ہے۔

جب حضرت مولانا فخر علیہ الرحمۃ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا "میاں۔ بیعت طالبی اختیار کرو" چنانچہ بہ پاس ادب اپنے مرشدؒ کے آپ نے ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھا اور اپنا دامن پکڑا کر بیعت فرمائی۔ اور اس کا نام "بیعت طالبی" رکھا۔ اس کے بعد تعلیم کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ مولانا سعید الدین رضویؒ، حضرت نیازؒ بے نیاز کے نانا اور مولانا فخر علیہ الرحمۃ کے مرشد تھے اس لیے بپاس ادب اپنے مرشد کے حضرت مولاناؒ نے کبھی نیازؒ بے نیاز کو اپنا مرید و خلیفہ نہیں سمجھا۔ اور نہ کبھی آپ کا نام لیا۔ "صاحبزادہ" سمجھ کر ہمیشہ آپ کو میاں کہتے۔ اور علم باطنی کے ایسے اہم اسرار تعلیم فرماتے رہے۔ جن سے دوسرے خلفاء

یقیناً محروم رہے ہوں گے کیونکہ حضرت نیازؒ بے نیاز کا معاملہ خاص الخاص تھا۔ وہ اس طرح کہ حضرت مولانا فخر علیہ الرحمتہ نے حضرت نیازؒ بے نیاز کے نانا سے اکتساب فیض کیا تھا۔ لہٰذا انھیں بموجب حکم ھَلْ جزآءُ الاحسان الا الاحسان، احسان کا بدلہ بصورت احسان ادا کرنا تھا۔ اور مقدس ہستیوں کی سنت کے بموجب نیازؒ بے نیاز کے خاندان سے ملی ہوئی نعمت کو زیادہ نہیں تو برابر ہی واپس کرنا تھا۔ علاوہ بریں حضرت مولاناؒ کو اپنی مرشد زادی بی بی شاہ غریب نوازؒ کے کمالات باطنی کا بھی علم تھا! ور جب ایسی ولیۂ کاملہ "رابعۂ عہد" نے درخواست کر کے اپنے بچہ کو تربیت باطنی کے لیئے مولاناؒ کے سپرد کیا ہو، تو یقیناً مولاناؒ کی عظمت ان کے ہم عصروں کی نگاہ میں زیادہ ہو گئی ہو گی اور مولاناؒ نے خود اپنی عزت اور اعتماد کو برقرار رکھنے کی خاطر، تمام دیگر خلفاء سے زیادہ توجہ حضرت نیازؒ بے نیاز علیہ الرحمتہ کو زیادہ سے زیادہ صاحب کمال بنانے پر صرف کی ہو گی تاکہ ایک طرف حضرت مولاناؒ کے پیر و مرشد حضرت سعید الدین علیہ الرحمتہ کی روح خوش ہو، اور مرشد زادی کی نظر میں قدر و منزلت اور اعتماد برقرار رہے۔ تو دوسری طرف دیگر ہم عصر اکابرین صاحب کمال شاگرد کو دیکھ کر استاد گرامی قدر کا لوہا پہلے سے زیادہ ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے ان تمام باتوں کو صحیح ثابت کر دکھایا۔

حضرت مولانا فخر قدس سرہ العزیز کا کوئی دوسرا خلیفہ ایسا نہیں تھا جس کے ساتھ مندرجۂ بالا خاندانی خصوصیات وابستہ ہوں۔ اور جس کے خاندان کے احسان دینی و عرفانی کا بدلہ حضرت مولانا فخر علیہ الرحمتہ کو

دینا ہو۔

علوئے حسب و نسب، غلبۂ نسبت علویؒ و فاطمیؒ، اور شرف عینیت پنجتنی وغیرہ یہ سب ایسے امتیازات خصوصی ہیں جن کا جواب نہیں۔ ان کے علاوہ تحصیل علوم ظاہری کے لیئے بھی جیسی فہم و فراست اور ذکاوت و ذہانت حضرت نیازؒ بے نیاز میں تھی۔ ویسی حضرت مولاناؒ کے کسی شاگرد یا خلیفہ میں نہیں تھی۔ جیسا کہ متعلقہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ۱۵ یا سترہ[۱] سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو جانا۔ تمام علمائے شہر کا تین دن تک امتحان لینا۔ پھر سب کے ہاتھوں سے دستار بندی ہونا۔ مدرسۂ فخریہؒ کا دو بار پرنسپل بنایا جانا۔ مولانا فخر علیہ الرحمۃ کا اپنی مسند تکیہ اور دستار عطاء فرما کر اپنا جانشین بنانا اور روہیل کھنڈ روانہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

---

[۱] خاندانی روایات میں پندرہ سال اور بیرونی تذکروں میں سترہ سال ہے۔ مثلاً مفتی غلام سرور کتاب خزینۃ الاصفیاء کی جلد اوّل میں صفحہ ۵۱۲ پر فرماتے ہیں۔۔۔ "حضرت مولانا فخر جہاںؒ در انکمال کوشش تعلیم علم ظاہری کردہ و وے در عمر ہفتدہ سالگی بکمال علوم معقول و منقول و فروع و اصول و حدیث، تفسیر و فقہ رسید و دستار فضیلت بر سر بست۔"

اور حضرت شاہ نیازؒ بے نیاز قدس سرہ العزیز کے علم و فضل۔ ذہانت استعداد اور سعی پیہم سے جس طرح حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز متاثر تھے۔ اس کے متعلق یہی مفتی غلام سرور صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۰۰۵ پر فرماتے ہیں۔

"جماعت کثیر بخلاف ظاہری و باطنی سرفراز شدند و منجملہ ایشاں

حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ نہایت محبوب و مرغوب حضرت فخر جہاںؒ بود"

ناچیز مؤلف کا ساٹھ سترہ سالہ تعلیمی تجربہ بھی یہی ہے کہ جب کوئی ذہین شاگرد یا ذی استعداد مرید ملتا ہے تو کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ عطا کرنے کو خواہ مخواہ دل چاہتا ہے۔ اور ایسا ہی شاگرد یا مرید زیادہ سے زیادہ نعمتیں استاد یا مرشد سے لے جاتا ہے۔

یہی صورت حال حضرت مولانا فخرؒ اور حضرت نیازؒ بے نیاز کے مابین تھی جو بعض حضرات کے لیئے قابل رشک اور بعض کے لیئے قابل حسد بن گئی۔) (وضاحت از ناچیز مؤلف)

مدرسۂ فخریہؒ میں آپ کی محنت و قابلیت کی تعریفیں ہر شخص کی زبان پر تھیں۔ مفتی غلام سرور اور مرزا اختر دہلوی متفق ہیں کہ "به کمال علوم معقول و منقول و فروع و اصول، حدیث و تفسیر و فقہ رسیده۔ دستار فضیلت بر سر بست" (خزینۃ الاصفیا۔ و تذکرۂ اولیائے ہند)

"مختصر یہ کہ آپ نے پندرہ[1] برس کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کر کے دستارِ فضیلت حاصل کر لی۔ ملا جلال وغیرہ ہیں جو آپ کے حواشی ہیں وہ آپ کے فاضل ہونے کی دلیل ہیں۔

جب آپ کے استاد نے دستارِ فضیلت باندھنی چاہی تو آپ نے تمام شہر کے علماء کی تین روز تک دعوت فرمائی اور جلسۂ عام میں سب علماء سے عرض کیا کہ ہر علم اور فن میں مجھ سے سوال کیا جائے۔ اگر میں جواب کافی دوں تو مستحق دستار بندی کا ہوں اور اگر جواب نہ دے سکوں تو میں مستحق

---

[1] بعض روایات میں ۱۷ سال ہے۔

دستار کا نہیں۔ یہ بات سُن کر کئی علماء کو ناگوار ہوا اور اکثروں نے پسند فرمایا۔ چنانچہ تین روز تک ہر فن میں علماء سوال کرتے رہے اور آپ شافی جواب دیتے رہے۔ جب آپ امتحان میں پورے اترے تو سب علماء نے بالاتفاق یہ فرمایا۔

"ایسے وجود باجود، جن کی ایسی لیاقت اور قابلیّت ہو، اور جس کو ہر علم میں مہارتِ تام ہو، کم دیکھے ہیں۔ یہ مستحق دستار بندی کے ہیں"۔ چنانچہ سب علماء نے دستار کو پھیلا کر اپنے اپنے ہاتھوں میں لیا اور استاد کے ہاتھ سے وہ دستار فضیلت آپ کے سر پر باندھی گئی۔ پھر سب کی طرف سے مبارکباد ہوئی اور اس کی خوشی میں شیرینی تقسیم ہوئی"۔

بیانِ صداقت نشاں حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد قدس سرہ العزیز، مطبوعہ کرامات نظامیہ سے ثابت ہے کہ آپ سات برس کی عمر میں اپنے خادم کے ہمراہ روزانہ مدرسہ جایا کرتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں (بموجب روایت دیگر ۱۷ سال کی عمر میں) بعد تکمیل علوم ظاہری، آپ کی دستار بندی ہوئی۔ اس حساب سے آپ کا زمانۂ طالب علمی (مدرسۂ فخریہ میں) تقریباً نو۔ دس سال ہوتا ہے۔

اس عرصہ میں گھر پر آپ والدین کی تربیت ظاہری وباطنی سے مستفیض ہوتے (جس میں والدۂ ماجدہؒ کا حِصّہ زیادہ تھا) اور مدرسہ میں علاوہ دیگر اساتذہ کے خود حضرت مولانا شاہ فخر علیہ الرحمۃ کا حِصّہ آپ کی تربیت ظاہری وباطنی میں سب سے زیادہ رہا۔ قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۵-۱۶ سال آپ کا تعلق مدرسہ اور مولانا فخر علیہ الرحمتہ سے باقی رہا۔ کیونکہ ۱۵ یا ۱۷ سال کی عمر میں دستار بندی ہوئی پہلی شادی ۲۵-۲۶ سال کی عمر میں اور دوسری شادی کئی سال بعد دہلی کے سادات رضویہ میں غالباً دہلی ہی میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ بریلی تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تیس تینتیس سال کی قرار پاتی ہے۔

اس دوران میں حضرت سید عبداللہ بغدادی قادریؒ (اولاد حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز) کا دہلی تشریف لانا اور حضرت قبلہ شاہ نیازؒ بے نیاز علیہ الرحمتہ کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا عقد کر دینا، (جس کی تفصیل آگے آ

رہی ہے کرامات نظامیہ میں مذکور ہے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی یہ شادی، دستار بندی سے کئی سال بعد غالباً ۳۰ سال کی عمر میں دہلی ہی میں ہوئی کیونکہ حضرت سیّد عبداللہ بغدادی قدس سرہ العزیز ۱۱۸۵ھ میں دوبارہ دہلی تشریف لائے تھے اسی سنہ میں یہ شادی اور خلافت کا قصہ پیش آیا ہوگا۔ اس سال حضرت قبلہ نیازؒ بے نیاز تیس سال کے تھے۔

فصل۔ ۲

حضرت مولانا فخر پاک قدس سرہٗ العزیز کے خاص انعامات جو موصوف نے قبلہ شاہ نیاز بے نیازؒ کو عطا فرمائے

حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز کے تعلقات حضرت

شاہ نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے ساتھ کس نوعیت کے تھے اس کا مختصر ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ ان حالات کے بیش نظر عقل

کتی ہے کہ "بیعت طالبی" کے بعد مولانا فخر علیہ الرحمتہ نے حضرت نیاز بے نیاز رح کو ایسے ایسے اسرار باطنی تعلیم فرمائے ہوں گے جن کی ہوا بھی دیگر حضرات کو نہ مل سکی ہو گی۔ "تعلیم" یعنی درس و تدریس کے علاوہ کوچۂ فقر میں "نگاہ مرشد" یعنی اُس کی "باطنی توجہ" سے مرید کو حقیقی عروج حاصل ہوتا ہے اور ایسے عروج کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔

یہ "لین دین" یک طرفہ نہیں ہوتا۔ جب تک مرید کی استعداد باطنی، اس کا خلوص طلب۔ اس کے عشق کی آگ۔ اس کے خاندانی اثرات۔ بالخصوص تربیت والدین اور خانگی ماحول وغیرہ بھی مرید کے ممد و معاون نہ ہوں، نہ مرشد کا دل مرید کی طرف جھکتا ہے نہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ نعمتیں عطا کرنے کی طرف راغب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے شوق کو تیز کرنے والا، اسے سخاوت پر مجبور کر دینے والا۔ اس کی ساری توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لینے والا خود مرید ہوتا ہے۔ مرید کے قلب و دماغ کی روشنی مرشد کے دل کو موہ لیتی ہے۔ پہلے وہ مرشد کا "محبوب شاگرد" بنتا ہے۔ اس کے بعد ہی اسے عروج حاصل ہوتا ہے۔ بقول خود:

؎ گاہک جو ملا اچھا دوکان لٹا ڈالی

یہی حال دیگر اساتذہ کا ہے۔ شاگرد تو ہزاروں ہوتے ہیں لیکن سب میں نمایاں و نامور ایک آدھ ہی ہوتا ہے۔ ایک باپ کے تمام فرزند ایک سے

اور ایک مرشد کے تمام خلفاء ایک سے نہیں ہوتے کیونکہ ان میں مذکورہ بالا خصوصیات (خاندانی فضائل، اور ذہنی وقلبی صفات وغیرہ) ایک سی نہیں ہوتیں حضرت مولانا فخر پاکؒ نے حضور شاہ نیاز بے نیازؒ کو اپنی جانشینی عطا فرمائی جو درحقیقت حضور خواجہ بزرگ اجمیری قدس سرہ العزیز کی جانشینی ہے۔

جہاں تک حضرت قبلۂ عالم وعالمیان حضرت شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز کا تعلق ہے، ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان میں اور صرف ان میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود تھیں جو حضرت فخر جہاں مولانا شاہ فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز کے کسی دوسرے مرید وخلیفہ میں نہ تھیں۔ نہ علم ظاہری کے لحاظ سے نہ درجۂ عرفان کے معیار سے، نہ حسب ونسب کی بلندی وبزرگی کے اعتبار سے۔ علم اکتسابی اور حسب و نسب کی بزرگی تو ظاہر رہتی ہیں۔ البتہ درجۂ ولایت میں موازنہ ومقابلہ دشوار ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک حضرت نیاز بے نیازؒ قدس سرہ العزیز کی برتری کا تعلق ہے اس کا ایک یہی بدیہی ثبوت کافی ہے کہ حضرت مولانا فخر قدس سرہ العزیز نے آپ کو خود اپنا جانشین بنا کر مع تبرکات خصوصی بریلی روانہ فرمایا۔ آپ کے کسی دوسرے خلیفہ کو نہ مسند وعمامہ عطا ہوا نہ اسے آپ کی جانشینی کی نعمت نصیب ہوئی۔ پھر آپ کی ہمسری کا دعویٰ کس طرح اسے زیب دے سکتا ہے۔

ع نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب ؎ ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

مذکورہ "صفات نیازیہ" نے اپنے مرشد گرامی سے وہ سب کچھ لے لیا جو دوسروں کو نہیں مل سکا۔ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت

شاہ نیازؔ بے نیازؒ اپنی والدہ ماجدہؒ، ان کے مرشد علیہ الرحمہ اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ وجناب سیدہؓ بنت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم وتوجہات خصوصی کی بدولت، ولی کامل بننے کے بعد، حضرت مولانا فخر علیہ الرحمۃ کے سپرد تکمیل علوم ظاہری کے لیئے کیے گئے تھے۔ لیکن خود حضرت قبلہؒ کے دل کی تڑپ اور جذبۂ طلب سے مجبور ہو کر (جیساکہ پہلے بالتفصیل مذکور ہو چکا ہے) حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے آپ کو "ربیعت طالبی" کا مشورہ دیا اور حضرت نیازؔ بے نیازؒ نے قبول فرماکر اپنے توسن ہمت کو چشتیہ میدان فقر وعرفان میں بھی خوب جولاں کیا۔

اور چونکہ حضرت مولانا فخر علیہ الرحمۃ کو حضرت نیازؔ بے نیازؒ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے فیض پہنچا تھا انھوں نے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے پیش نظر احسان کے صلہ کے طور پر، حضرت شاہ نیازؔ بے نیازؒ کو سب کچھ عطا فرما دیا۔ اور اپنا جانشین بنا کر بلکہ حضرت خواجہؒ کا سجادہ نشین بنا[1] کر روہیل کھنڈ[2] بریلی شریف روانہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ نعمت بھی کسی دوسرے خلیفہ کو نصیب نہیں ہوئی۔

کرامات نظامیہ میں ہے کہ حضرت مولانا نے "اپنی مسند اور تکیہ جو کھجور کی چھال کے ریشوں سے مملو ہے، مرحمت کیا۔ اور اپنے سر مبارک سے دستار اتار کر حضرت نیازؔ بے نیازؒ کے سر پر رکھی اور آپ کو صاحب سجادہ اور اپنا مسند نشین فرمایا[2]۔"

---

[1] کیونکہ حضرت مولانا فخر پاک رحمۃ اللہ علیہ ہی حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ العزیز کے جائز جانشین تھے [2] مذکورہ تبرکات کے علاوہ تسبیح، عصا، اور نیمچہ بھی عطا فرمایا۔

"چنانچہ وہ مسند اور تکیہ، اور وہ دستار جس پیچ کے ساتھ مولاناؒ کے سر پر تھی بدستور اسی پیچ کے ساتھ اس وقت تک خانقاہ شریف میں موجود ہے عرس میں کبھی کبھی غلاموں کو اس کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ اور تبرکاً دو روپے روزانہ خرچ کے لیے مرحمت کیئے تاکہ کم سے کم ساٹھ روپے ماہوار کی ہمیشہ آپ کو فتوحات رہے۔"

"باوجود اس پاس ادب کے حضور نیاز بے نیازؒ نے اپنی خواہش سے مولاناؒ کے حقہ بھرنے کی خدمت اپنے ذمہ لی تھی۔ کسی دوسرے کو نہیں بھرنے دیتے تھے۔ اور مولاناؒ کا اس خدمت سے نہ روکنا اس میں بھی کچھ بھید تھا۔"[1]

"یوں تو حضرت مولانا فخر پاکؒ کے خلفاء سب ہی آسمان ولایت کے شمس و قمر تھے۔ لیکن حضرت نیاز بے نیازؒ جیسی شخصیت کوئی نظر نہیں آتی ایسی کہ جو علوم ظاہر و باطن میں بیک وقت یگانہ اور رموز صوری و معنوی میں یکتائے زمانہ ہو۔" (خزینہ ص ۵۱۲)

"حقیقت میں آپ سپہر روحانیت کے شمس الشموس تھے۔ مشائخین متاخرین میں آپ جیسا شیخ کامل خاندانِ چشت میں کم ہوا ہے۔"

"برکات الاولیا" ص ۱۹۱ مطبوعہ ۱۳۲۲

مؤلفہ سیّد امام الدین احمد

---

[1] واوین کے اندر محصور عبارت حرف بحرف، بیان صداقت نشان حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد قدس سرہ العزیز، مطبوعہ کرامات نظامیہ سے ماخوذ ہے۔

فصل ۳

بریلی تشریف لیجانے سے قبل چند قابل ذکر واقعات

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز رسم دستار بندی کے بعد بھی عرصۂ دراز تک (کم از کم پہلی شادی تک جو حسبِ قرائن تقریباً تیس سال کی عمر میں ۱۱۸۰ھ میں ہوئی[1]) دہلی ہی میں سکونت پذیر رہے[2] اور اس اثناء میں وہ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز اور ان کے مدرسہ سے بطور خاص بحیثیت استاذ وابستہ رہے۔ چنانچہ واقعات ذیل ان امور کا ثبوت ہیں۔

---

[1] اس سنہ میں سیدنا حضرت عبداللہ بغدادی قادریؓ کا دوبارہ ہندوستان آنا ثابت ہے قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی سال یہ شادی ہوئی۔

[2] ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ آپ اس کے بعد بھی (کم از کم دوسرے عقد تک یا اس سے کچھ عرصہ بعد تک) دہلی ہی میں قیام پذیر رہے اور ۱۱۹۰ھ و ۱۱۹۳ھ کے درمیان کسی وقت بریلی تشریف لے گئے

۴۔ دہلی والا مکان:۔ بریلی تشریف لانے سے قبل آپ محلہ کھاری باؤلی میں ایک دو منزلہ مکان میں رہتے تھے جس کی بالائی منزل پر کتب بینی فرماتے تھے اور زیریں منزل میں زنانخانہ تھا۔ اس کے قریب نیم کا ایک درخت تھا۔ (بحوالہ پیام مشرق دہلی ۲۱ نومبر ۶۶ء حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی مؤلفہ مسعود حسین نظامی عمدۂ منتخبہ ص ۷۸ و کرامات نظامیہ ص ۵۔)

نیاز بے نیاز[۵] کی نسبت "مرزا جانِ جاناں" رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں سے یہ بیان کیا کہ ایک صاحبزادہ ایسے ہوئے ہیں کہ اکثر لوگ ان کی نگاہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ یہ سن کر مرزا صاحب نے فرمایا کہ برسات میں ایسے پودے بہت سے ہوتے ہیں کہ جن کے پتے چکنے ہوتے ہیں۔ اور وہ لائق معلوم ہوتے ہیں۔ مگر آخر کو درخت ایک ہی دو ہوتے ہیں اور باقی سب جاتے رہتے ہیں۔

اس کا ذکر کسی نے حضرت مولانا سے کر دیا۔ آپ کو ناگوار ہوا۔ فرمایا یہ وہ پودا نہیں ہے جو جاتا رہے۔ اور حکم دیا کہ:۔

"میاں کے شجرہ کے شروع میں یہ آیت شامل کی جائے":

"اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ"

یہ شیخ کی طرف سے نیاز بے نیاز کے لیے خاص عطیہ ہے کہ سوائے خاندان نیاز یہؒ کے شجروں کے حضرت مولاناؒ اپنے دیگر خلفاء کے شجروں میں بھی اس آیت کے لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ جب خود مولاناؒ کے خلفاء کے شجروں میں اس آیت کے لکھنے کا حکم نہیں ہوا۔ تو دوسرے خاندان کے لوگ اگر اپنے اپنے شجروں کے شروع میں اس آیت کو بطور عنوان کے لکھیں تو حقیقتاً یہ سرقہ ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا

(یعنی چور مرد اور چور عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ قرآن پاک)

"ایک روز حضرت نیاز بے نیازؒ (قدس سرہٗ) پر ایک حالت طاری ہوئی

---

[۵] بقول نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں بہادر سرور (م ۱۲۵۰ھ) صاحب عمدۂ منتخبہ۔ نیاز، نیاز تخلص، شاہ نیاز علی (لاحقہ علی کے بجائے احمد ہونا تھا) دردلشی است ساکن محلہ کھاری باولی بحوالہ شاہ نیاز احمد بریلوی اور عمدۂ منتخبہ مسعود حسین نظامی نیا دور جولائی ۶۷ء۔

بعد افاقہ آپ کی زبان سے یہ غزل سرزد ہوئی جس کا مطلع یہ ہے ؎

امشب آنست کہ زد حلقہ جہاں بر درِ ما
نیّرِ نور خدا کرد طلوع از برِ ما

شہر دہلی میں کسی جگہ عرس تھا۔ اتفاقاً مولانا فخر پاک رحمۃ اللہ علیہ اور جناب مرزا جان جاناںؒ دونوں عرس میں شریک تھے۔ بعد ختم عرس حضرت نیازؔ بے نیازؒ نے مولانا سے عرض کیا کہ اگر مناسب اور حکم ہو تو کل کی غزل مرزا صاحبؒ کو دکھا دی جائے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بہت مناسب ہے مگر "میاں اپنی زبان سے ان کو سنا آنا"۔ حضرت نیازؔ بے نیاز اٹھے اور جناب مرزا صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئے اور السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے۔ مرزا صاحب بہت اخلاق سے پیش آئے۔ حضرت نیازؔ بے نیازؒ نے عرض کیا کہ کل میری زبان سے کچھ اشعار نکلے ہیں اگر حکم ہو تو بہ نظر اصلاح آپ کو سنانا چاہتا ہوں مرزا صاحبؒ نے فرمایا بہت مناسب ہے۔

جس وقت نیازؔ بے نیازؒ نے اپنی زبان سے فرمایا۔

؎ امشب آنست کہ زد حلقہ جہاں بر درِ ما

اس پر دوبارہ مرزا صاحبؒ کا سر وجد سے زمین تک پہنچ گیا۔ جب سنبھلے تو نیازؔ بے نیاز کی زبان سے یہ دوسرا مصرعہ نکلا۔ ؎

نیّرِ نور خدا کرد طلوع از برِ ما

اس پر دوبارہ مرزا صاحبؒ کا سر وجد سے زمین تک پہنچ گیا۔ غرضیکہ ہر ہر مصرعہ پر مرزا صاحبؒ کو بیخودی طاری ہوتی تھی۔ جب غزل ختم ہو گئی تو مرزا صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کر کے فرمایا کہ میاں صاحبزادے کیا کہنے بہت خوب۔ تمہاری نسبت جو میرا خیال تھا اور میری زبان سے جو الفاظ نکلے

محض غلط تھے آپ معاف کریں اور فرمایا کہ غزل کا یہ پرچہ مجھ کو دے دیجیے میں مکان پر لے جاکر بغور اس کو دیکھوں گا۔ حضرت نیاز بے نیاز نے غزل کا وہ پرچہ ان کے حوالہ کیا اور وہاں سے رخصت ہوکر مولانا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آئے یہاں مولاناؒ نے بہت شاباشی دی اور بہت خوش ہوئے دوسرے روز مرزا صاحبؒ نے وہ غزل کا پرچہ واپس بھیجا۔ جب اس کو دیکھا تو ہر شعر، ہر مصرعہ بلکہ ہر لفظ پر صاد بنا ہوا تھا۔"

(نوٹ از مؤلف) یہ حضرت نیاز بے نیازؒ کی "پختہ کلامی" کا نہایت پختہ ثبوت ہے۔ اور غزل کے ہر مصرعہ پر جناب مرزا صاحبؒ کی بے خودی اس امر کا ثبوت ہے کہ شاہ نیاز بے نیازؒ کو اسرار "خودی" (بمعنی اَنا۔ انیت) کے "جاننے میں بلکہ اسے شعر کے ذریعہ دوسروں کو سمجھانے" میں ایسا کمال حاصل تھا کہ جناب مرزا صاحبؒ جیسا سن رسیدہ اہل دل درویش بھی عالم وجد و بے خودی میں سربسجود ہونے پر مجبور ہو گیا۔

واقعۂ مذکور سے جہاں ایک طرف حضرت نیاز بے نیاز کی بے پناہ قوی توجہ کا ثبوت ملتا ہے وہیں دوسری طرف حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ کی وسیع القلبی اور منصف المزاجی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ورنہ شاعری کے میدان میں نہ شعرائے کرام اعتراف حق اور تحسین کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نہ کوئی بزرگ اپنے سے کم عمر شخص سے معافی مانگتا ہے۔

واقعۂ مذکورہ اس امر کا بھی بیّن ثبوت ہے کہ حضرت نیاز بے نیاز کی شاعری اور توجہ میں کم سنی کے باوجود عینِ شباب اور پختہ مشقی کا رنگ ہے۔ واضح رہے کہ ابھی حضرت موصوف (شاہ نیاز بے نیاز) کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا ان کی عمر اس وقت بگمانِ غالب پچیس تیس سال کے قریب ہونا چاہیے۔

اولیاء اللہ کی شاعری اور ان کے اشعار کی روح کا صحیح ادراک

مناسب ہوگا کہ یہیں ایک اہم نکتہ اور واضح کر دیا جائے ورنہ یہ کہ اکثر اولیائے کرام نے شاعری کی ہے۔ لیکن اس لیئے نہیں کہ دنیا ان کا اصل مقام (ولایت) تو بھول جائے اور انھیں محض ایک شاعر کی حیثیت سے یاد رکھے۔ یا انھوں نے اشعار کے ذریعہ جو دینی، روحانی، معنوی یا اخلاقی دولت ہم تک پہنچائی ہے۔ اس کی قدر و منزلت کو نہ تو پہچانیں نہ اس سے اکتساب فیض کریں۔ بلکہ صرف شاعری کی (جس کے ذریعہ دولتِ مذکور ہم تک پہنچائی گئی ہے) ظاہری خوبیوں میں محو ہو کر رہ جائیں۔ ایسا کرنا نہ صرف دولت مذکور کی ناقدری ہے بلکہ متعلقہ بزرگ کی بھی سخت توہین ہے۔

لہٰذا کسی ولی اللہ کے اشعار کی صحیح قدردانی یہ ہے کہ ان اشعار کی روح تک پہنچا جائے۔ ان اشعار میں جن وارداتِ قلبی کا ذکر اور جس حال یا مقام یا تعلیمات کا اظہار کیا گیا ہے۔ انھیں سمجھا جائے۔ اور اسی رنگ میں ڈوبنے کی کوشش کیجلئے ایک مبتدی کے لیے "یہی" "استفادۂ روحانی" اور "اکتساب فیض" کا طریقہ ہے۔ اور منتہی کے لیے یہی کیف و سرور اور محویت و استغراق کا موجب ہے۔ سامع جس منزل و مقام پر ہوتا ہے۔ اسے اسی منزل و مقام پر اور زیادہ عروج حاصل ہوتا ہے۔ اسی عروج کے اثرات سامع سے نمایاں ہوتے ہیں۔ البتہ صورت اظہار مختلف ہوتی ہے۔ اسی صورت حال کے لیے "از دل خیزد، بر دل ریزد" کہا جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ فریقین جس قدر اونچے مقام پر ہوں گے اسی قدر کلام بھی بلند ہوگا اور اسی قدر اثرات بھی گہرے ہوں گے۔

اور یہ جو حضرت مولانا شاہ فخر علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا کہ "میاں اپنی زبان سے پڑھ کر سنا دینا"، یہ بے معنی نہ تھا۔ مرشد کا فرمان اس پر زبان حضرت نیاز بےنیازؒ

کی تاثیر۔ سونے پر سہاگا اور نورٌ علی نور والا معاملہ ہو گیا۔

بہرحال اولیاء اللہ اور مشائخ کرامؒ کے ارشادات کے صحیح فہم و ادراک کے لیے ضروری ہے کہ انسان منزل رسیدہ اور باذوق ہو۔ معمولی آدمی کے لئے جسے تصوف و روحانیت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اولیائے کرامؒ یا پیران عظام کے کلام کی روح تک پہنچنا دشوار ہے۔

حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ پر حضرت قبلہ نیازؔ بے نیازؒ قدس سرہ کے کلام معجز نظام نے (اور ان کی زبان کی تاثیر و توجہ شیخ نے) کن کن جہتوں سے اثر کیا۔ یہ بڑوں کی باتیں ہیں وہی جانیں۔ ہم اس کے اندازہ و بیان سے قاصر ہیں۔ البتہ قبلۂ عالم و عالمیاں شاہ نیازؔ بے نیازؒ قدس سرہ العزیز کی وہ غزل نیچے درج کی جاتی ہے۔ تاکہ وہ قارئین جن کے پاس حضرت موصوف کا دیوان نہیں ہے۔ لطف اندوز ہو سکیں۔

غزلِ مذکور

امشب آنست کہ زد حلقۂ جہاں بر درِ ما
نیرِ نورِ خدا کرد طلوع از برِ ما

در شبستانِ جہاں بر نمطِ شمعِ سحر
بے فروغ است مہِ چار دہ با اخترِ ما

چکد از ابرِ مجازم رشحاتِ تحقیق
قلزمِ دیدِ حقیقت شدہ چشمِ ترِ ما

زاہدا جامِ طہور از پئے فردا بردار
جرعۂ نوش کن ایندم ز مئے ساغرِ ما

نظرِ حضرتِ عشق ست بسوئے فقرا
کہ نہاد افسرِ شاہیِ جہاں بر سرِ ما

اوجِ گیرائیِ ما بیں کہ فضائے ملکوت
جملہ در سایہ شد اندر تہہِ بال و پرِ ما

فکرِ ہر کس نہ رسد مغزِ سخن را اے دل
نگہِ شیشہ گراں کو دکجا گوہرِ ما

تا نیازؔ از خودیِ خود نرہی سوزاں باش
ہمچو اسپند بہ آتش کدۂ مجمرِ ما

عجیب اتفاق

حضرتِ اقدسؒ کی روح مبارک کو گواہ کر کے ناچیز مؤلف عرض کرتا ہے کہ وہ جو کچھ لکھ رہا ہے نہایت عجلت میں قلم برداشتہ لکھ رہا ہے۔ کیونکہ اسے بہت جلد بریلی شریف جا کر عرس حضرت قبلہ میں شرکت کا شرف حاصل کرنا اور یہ اوراق پیش کرنے ہیں۔ اس خدمت کے آغاز کے وقت میں نے حضرت علیہ الرحمۃ کی جانب متوجہ ہو کر یہ التجا کی تھی کہ اگر مجھے اس خدمت کے لائق سمجھا جائے تو ازراہِ بندہ پروری مجھ "مجبور" کی روحانی تائید فرمائی جائے۔ الحمد للہ میری اس التجا کو شرف قبولیت حاصل ہوا۔ جس کا ثبوت مجھے قدم قدم پر مل رہا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے کلام کی روح تک پہنچنے سے متعلق میرے ذہن میں جو خیالات آئے میں قلم برداشتہ لکھتا گیا۔ اور ذرہ برابر بھی پہلے غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میرا موقف جیسا کہ گذشتہ سطور سے ظاہر ہے یہی تھا کہ عام آدمی جسے کوچۂ فقر کی ہوا نہ لگی ہو۔ اولیائے کرام کے کلام کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔

اس کے بعد میں نے غزل نقل کرنے کے لیے دیوان نیازؒ کی جانب رجوع کیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میری نظر اس شعر پر پڑی ؎

فکر ہر کس نہ رسد مغز سخن را اے دل
تگِ شیشہ گراں کو و کجا گوہرِ ما

میرے اندر خوشی اور فخر کا ایک عجیب سا مخلوط جذبہ بیدار ہوا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میرے قلم کو حضرت اقدسؒ کی روحانی تائید حاصل ہے۔ ورنہ یا تو میں اس موضوع پر کچھ نہ لکھتا یا حضرت اقدس کی غزل میں یہ شعر نہ ہوتا۔ شعرِ مذکور کا علم ہونے سے پہلے ہی اس کا مفہوم واضح کر دینا حضرتِ والاؒ کی روحانی تائید نہیں تو کیا ہے یہ بھی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں نے یہ بیان "نورٌ علیٰ نور" والا معاملہ

ہو گیا"۔ کے بعد ختم کر دیا گیا اور نماز عشاء سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹ گیا اچانک ایک خیال آیا۔ جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ حضرت کی پوری غزل بھی لکھ دے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت اٹھ کر پہلے چند جملے (شعر فہمی سے متعلق) لکھے اور پھر پوری غزل نقل کر دی۔ اسے بھی میں حضرت قبلہ عالم علیہ الرحمۃ والغفران کی تائید روحانی سے تعبیر کرتا ہوں۔

جب دہلی میں حضرت نیاز بے نیازؒ کے کمال کی شہرت ہوئی۔ تو حاسدوں نے یہ مشہور کیا کہ ان کو کسی سے بیعت ہی نہیں۔ کمال کیا ہو گا۔ یہ سن کر حضرت نیاز بے نیازؒ کو سخت ملال ہوا۔ کئی روز کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ صبح کے وقت مکان سے برآمد ہوئے۔ سب خدام سلام کے لیے حاضر تھے۔ مولانا نے نیازؒ بے نیاز کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میاں "آج شب میں حضرت پیران پیر قدس سرہ العزیز نے تمھاری بیعت اپنے دستِ مبارک پر قبول فرمائی۔ اور مجھ کو ایک صورت دکھلائی ہے اور فرمایا کہ اپنی خاص اولاد میں سے ان کو بھیجتا ہوں۔ بظاہر ان کے ہاتھ پر تکمیل کرا دینا۔ یہ سن کر نیازؒ بے نیاز نے حضرت مولانا کے قدم چومے"۔

(کراماتِ نظامیہ)

نوٹ از کمترین مؤلف :-

قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ حضرت محی الدین دیاسنامی قادری علیہ الرحمۃ والغفران نے حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قدس سرہٗ کی روح کو سلسلۂ قادریہ عالیہ میں بیعت فرمایا تھا۔ جب کہ آپ بطنِ مادر میں تھے۔ کسی کو اس حقیقت کا علم نہ تھا۔ کہ حضرت اقدسؒ قبل ولادت ہی سے حضور غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی حسنیؓ و حسینیؓ قدس سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی کے ساتھ نسبتِ

بیعت کا شرف رکھتے ہیں۔ کیونکہ عوام الناس تو صرف ظاہر کو دیکھا کرتے ہیں لہٰذا حضور پیران پیر قدس سرہ العزیز نے حضرت مولانا کے ذریعہ اپنی قبولیت و رضا مندی کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی خاص اولاد میں سے ایک صورت دکھائی۔ اور فرمایا "میں انھیں بھیج رہا ہوں بظاہر ان کے ہاتھ پر تکمیل کرا دینا" تاکہ عوام الناس کا یہ گمان دور ہو جائے کہ "حضرت نیازؒ بے نیاز کو کسی سے بیعت ہی نہیں ہے کمال کیا ہوگا!" وغیرہ وغیرہ۔

حضرات سید عبد اللہ بغدادی قادری، عمدۃ الاولاد غوث الاعظم سے شاہ نیازؒ بے نیاز کی ملاقات، بیعت کی ظاہری تکمیل اور صاحبزادی صاحبہ سے آپ کا عقد

اس بات کو چھ ماہ گذرے ہوں گے کہ ایکدن مولانا صبح کو برآمدے میں آئے اور فرمایا کہ حضرت پیران پیر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ہمارے فرزند مرسلہ کو آج تین روز دہلی پہنچے ہوئے گذرے اور تم ان سے غافل ہو یہ فرما کر لوگوں کو تلاش کے لیے بھیجا۔ ان میں سے ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ ایک صاحب بغداد شریف کے رہنے والے جامع مسجد دہلی میں مقیم ہیں۔ آپ نے (یعنی حضرت مولاناؒ نے) ان کا حلیہ اور ان کی وضع قطع دریافت فرمائی۔ جیسا مولاناؒ نے عالم رویا میں دیکھا تھا۔ وہی وضع قطع اس نے بیان فرمائی۔

یہ سن کر مولاناؒ نے مٹھائی لانے کا حکم دیا۔ جب مٹھائی آگئی تو اسے خوان میں رکھ کر اس خوان کو اپنے سر پہ اٹھایا۔ ہر چند خادموں اور خلفاء نے عرض کیا کہ یہ

ہمارا کام ہے۔ حضور ہم کو دیں۔ لیکن مولانا نے قبول نہیں فرمایا۔ اور اس ہیئت کذائی سے کہ مٹھائی کا خوان سر پر اور داہنے ہاتھ سے ہاتھ حضرت نیاز بے نیازؒ کا پکڑے ہوئے، دہلی کی جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ مسجد کے بیچ کے در میں جو صاحب بیٹھے ہوئے ہیں وہی صاحب ہیں جن کی صورت (عالم رویا میں) دکھلائی گئی تھی۔ اور ان بزرگ نے جن کا اسم مبارک سید عبد اللہ بغدادی ہے۔ حضرت نیازؔ بے نیاز کو دیکھ کر فرمایا کہ انھی کی صورت مجھے دکھلائی گئی تھی جن کے لیئے میں بھیجا گیا ہوں۔

غرضیکہ خوان مٹھائی کا حضرت مولاناؒ نے سر سے اتار کر حضرت سید عبداللہ بغدادی قدس سرہ العزیز کے سامنے رکھا اور آپ نے وہیں محراب مسجد میں بعد ادائے دوگانہ تحیتہ المسجد دعائے ماثورۂ خاندانی کے بعیت فرمائی اور ہر قسم کی تعلیم و تلقین سے آپ کو مالا مال کر دیا۔ علاوہ اشتغال کے باون طریقوں سے ذکر نفی و اثبات تعلیم ہوا۔ جو خدام حقیقی میں موجود ہے۔ اور عربی میں خلافت نامہ لکھ کر جو مزین باپنچ مہروں سے ہے، مع اپنی دستار کے مرحمت فرمایا۔ جو تبرکاً اس وقت تک خانقاہ میں موجود ہے۔ نیز اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے ساتھ کر دیا۔ جو چند سال کے بعد لاولد اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو روانہ ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[1]

یہ تمام بیان چونکہ قطب الارشاد فرد الافراد، قدوۃ العارفین سراج السالکین حضرت قبلہ شاہ محی الدین احمد، قادری چشتی قدس سرہ العزیز سجادہ نشین دوم

---

[1] ماخوذ از بیان صداقت نشان قدوۃ العارفین ملقب بہ سراج السالکین حضرت شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز سجادہ نشین دوم خانقاہ نیازیہ بریلی شریف

خانقاہ نیازیہ، بریلی شریف دنبیرہ حضور قبلہ قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیازؒ بے نیاز قدس سرہ العزیز کے اسم گرامی سے منسوب ہے۔ اور کرامات نظامیہ مؤلفہ مولوی محمد فائق صاحب خلیفۂ اجل حضرت سراج السالکین قدس سرہ العزیز میں طبع ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہم خدامان سلسلۂ نیازیہ نظامیہ کے لیے اس کا ہر لفظ روایتاً و درایتاً مستند اور صحیح ہے۔ ہماری نظر میں اس کے خلاف ہر بیان غلط اور گمراہ کن یا غلط روایات پر مبنی ہے۔ خواہ وہ کسی کتاب، رسالہ یا مجلہ میں شائع ہو چکا ہو یا آئندہ ہو۔

تبرکات جو حضرت سیّد عبداللہ بغدادی قادری قدس سرہ العزیز سے حاصل ہوئے

مذکورۂ بالا بیان میں اشغال و اذکار کی تفصیل نہیں ہے یہ تفصیل حضور قبلہ شاہ نیازؒ بے نیاز قدس سرہ العزیز کی تصانیف بالخصوص شمس العین شریف میں (اور کچھ حصہ کرامات نظامیہ میں بھی) مذکور ہے جو آگے بیان ہو گا۔

اسی طرح تبرکات کے سلسلے میں صرف دستار مبارک کا ذکر ہے باقی تبرکات کا ذکر غالباً بہ نیت اجمال، بیان حضرت سراج السالکین قدس سرہ العزیز میں نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن راقم الحروف[1] کو موجودہ سجادہ نشین حضرت قبلہ محمد حسن سجاد صاحب مدظلہ العالی نے ازراہ شفقتِ کریمانہ علاوہ دیگر بے شمار تبرکات مختلفہ کے حسبِ ذیل تبرکات قادریہ کی زیارت کرائی اور انھیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگانے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ راقم الحروف ہمیشہ ممنون کرم رہے گا۔

مسند مبارک حضور غوث الاعظم قدس سرہ العزیز مع تکیہ	دونوں میں کھجور کی چھال اور کھجور کے پتے بھرے

---

[1] اہلیہ راقم الحروف کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔

ہوئے ہیں ساخت نہ بہت بڑا نہ بہت چھوٹا ہے۔ مسند شریف چوکور بشکل مربع تقریباً چھ سات انگل دبیز ہے۔ غلاف کا کپڑا (یا چمڑہ) اب کافی بوسیدہ ہو چکا ہے۔

تکیہ شریف چمڑے کا ہے۔ اندر کھجور کی چھال ہے۔ وہ چپٹا ہے۔ گول نہیں ہے۔

عصائے مبارک حضور کا ایک عصائے مبارک ایک غلاف کے اندر رکھا تھا۔ راقم الحروف کو حضرت سجادہ نشین صاحب نے غلاف سے نکال کر زیارت کرائی اور بوسہ دے کر آنکھوں سے لگانے کا شرف عطا فرمایا۔

سیّدنا حضور غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کی سجادگی مذکورہ بالا تبرکات جانشین کو عطا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو اپنے مرشد علیہ الرحمۃ کے ذریعہ محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الصمدانی پیران پیر حضرت غوث الاعظم سید محی الدین محمد عبد القادر جیلانی حسنی و حسینیؓ قدس سرہ العزیز کی جانشینی و سجادگی بھی حاصل تھی۔ اور تبرکات مذکورہ مع خرقہ شریف حضور سیدنا غوث پاک قدس سرہ العزیز خود حضور سیدنا غوث الاعظم کے حکم سے حضور غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کے صاحب سجادۂ خاص نے بغداد شریف سے لاکر حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو عطا فرمائے۔ اور اپنی صاحبزادی کا عقد بھی آپ سے کر دیا۔

مؤلف "ناز و نیاز" کا بیان ہے کہ:-

> "ادھر بغداد شریف میں حضرت غوث پاک نے اپنے صاحب سجادہ حضرت سیدۃ العرب والعجم عمدۃ الاولاد غوث الاعظم سید عبد اللہ قادریؒ کو بشارت دی کہ وہ حضرت غوث پاکؒ کا خرقہ مبارک خود لے جاکر بمقام دہلی اس

شخص کو پہنائیں جن کی صورت مبارک ان کو مشاہدہ کرائی گئی تھی۔ جب یہ حکم حضرت غوث پاکؒ کا حضرت کے صاحب سجّادۂ خاص نے پایا تو انھوں نے فوراً قصد روانگی ہندوستان کا کیا۔

ان کی ایک دخترِ نوجوان تھیں جن کا اس وقت تک نکاح نہیں ہوا تھا۔ سید صاحب نے خیال فرمایا کہ اس شخص سے بہتر دنیا میں اور کون شخص ہو سکتا ہے کہ جس کو حضرت غوث پاکؒ بغداد سے خاص اپنے صاحب سجادہ کے ہاتھ ہندوستان میں اپنا خرقہ خاص بھیجیں۔ پس اس دختر کا نکاح ان سے ہو تو زہے خوش نصیبی[۱]"

مرزا محمد اختر دہلوی خلف اکبر محمد دارا بخت میراں شاہ نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے:

"حضرت سید شاہ عبداللہ بغدادی گیلانیؒ کہ اولاد سے حضرت غوث الاعظم کے تھے۔ دہلی تشریف لائے اور بمقام جامع مسجد مجمع عام میں حضرت مولانا فخر الدین سے کہا کہ چندے نیاز احمدؒ کو مجھ کو دے دیجیے، کہ ہندوستان میں اسی[۲] کے واسطے آیا ہوں جو امانت اس کی ہے اس کو دے دوں۔ اور حسب الحکم غوث[۳] پاک رحمۃ اللہ علیہ اپنی لڑکی کی شادی اس سے

---

[۱] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۹

کردوں۔ دوسرا کام نہیں ہے۔ حضرت مولانا نے
فرمان قبول کیا"[1]

غرضیکہ تمام شہادتیں ان امور پر متفق ہیں کہ سید العرب والعجم عمدة الاولاد غوث الاعظم (یعنی سجادہ نشین خاص حضرت غوث الاعظمؒ) حضرت شاہ عبداللہ بغدادی قادری گیلانی قدس سرہ العزیز حسب[1] الحکم جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ خاص حضرت قبلہ شاہ نیاز احمدؒ علوی بریلوی قدس سرہ العزیز کے لیے دہلی تشریف لائے اور آپ[2] کی امانت آپ کے سپرد فرمائی۔ نیز حسب الحکم حضور غوث پاک کے اپنی[3] صاحبزادی کی شادی حضرت نیازؒ بے نیاز سے کردی۔

وہ امانت کیا تھی

امانت کے سلسلے میں کہیں صرف دستار مبارک کا ذکر ہے کہیں خرقہ شریف کا اور خانقاہ شریف میں مذکورہ بالا تبرکات کے علاوہ مسند شریف اور تکیہ خاص وعصائے مبارک بھی موجود ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری قدس سرہ العزیز کی مراد "امانت" سے یہ تھی کہ موصوف بحیثیت سجادہ نشین حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ، آپ ہی کے حکم سے آپ ہی کی سجادہ نشینی سے متعلق تبرکات خصوصی خلافت ونیابت معہ ضروری اذکار واشغال حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو سپرد فرمانے تشریف لائے ہیں "امانت" سے مراد صاحبزادی کی شادی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس کا ذکر "امانت سپرد کرنے" کے علاوہ ہے۔ دونوں الفاظ حرف عطف سے مربوط ہیں حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری الجیلانیؒ دہلی سے رامپور تشریف لے

---

[1] تذکرہ اولیائے ہند، جلد دوم صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۲۸ء مطبوعہ میور پریس دہلی۔

گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوا وہیں مزار مبارک ہے۔

حضور قبلہ نیاز بے نیاز ہی برصغیر پاک و ہند میں حضرت غوث پاک کے سجادہ نشین ہیں

بہرحال خانقاہ عالیہ نیازیہ بریلی شریف میں مذکورہ تبرکات کی موجودگی اور مجمع عام میں دستار مبارک اور خرقہ شریف کا۔ حضور غوث الاعظم کے حکم سے خود حضور کے سجادہ نشین کے ہاتھوں، حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو عطا کیا جانا اس امر واقعی کے ناقابل تردید ثبوت ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں حضور غوث پاک رضی کا سجادہ نشین، خود غوث پاک کے خاص سجادہ نشین، فرزند خاص کے توسل سے حضور نیاز بے نیاز کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آپ کے عطا کردہ خلافت نامہ میں بھی جانشینی کا ذکر موجود ہے۔ جو آپ کے عطا کردہ کسی دوسرے شخص کے خلافت نامہ میں نہیں ہے۔ (دیکھو وہ عبارت جو باب میں نمبر ۴ کے ذیلی حاشیہ میں دی گئی ہے)

قادریہ جانشینی خاندانِ نیازیہ میں

اور برصغیر پاک و ہند میں حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری قدس سرہ العزیز کی نسبت سے حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے جانشینوں کو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا حق پہنچتا ہے۔ اور از روئے طریقت وہی حضور والا کے صحیح جانشین ہیں۔

باب ۵

حضور قبلہ نیاز بے نیاز سرہٗ کو کن کن طریقوں اور سلسلوں سے فیض پہنچا

حضرت نیاز بے نیازؒ قدس سرہ العزیز کو خاندان قادریہ[1]، خاندان سہروردیہ[2]، خاندان چشتیہ نظامیہ[3]، خاندان چشتیہ صابریہ[4] خاندان نقشبندیہ[5] (قدیمہ) سب سے فیض پہنچا ہے تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ خاندان قادریہ میں آپ کو پانچ طریقوں سے فیض پہنچا ہے۔

(اوّل) قادریہ۔ حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رحمۃ اللہ علیہ سے جس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضرت غوث پاکؒ تک ۱۴ (چودہ) واسطے ہیں

(دوم) قادریہ۔ حضرت سید محی الدین دیاسنامی رحمۃ اللہ علیہ سے بالواسطہ حضرت بی بی غریب نوازؒ (والدہ ماجدہ حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ) کے جس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لیکر حضرت غوث پاک تک سترہ واسطے ہیں۔

(سوم) قادریہ حضرت سید محی الدین دیاسنامی رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطہ حضرت بی بی غریب نوازؒ، جس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضرت غوث پاک تک صرف آٹھ واسطے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عنایت اللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی عمر چار سو برس کی ہوئی ہے۔

(چہارم) قادریہ۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بواسطہ حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری علیہ الرحمۃ اس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضرت

غوث پاک تک ۱۴ (چودہ) واسطے ہیں۔

(پنجم) قادریہ سہروردیہ۔ بواسطہ حضرت مولانا فخرالدین دہلوی قدس سرہ العزیز جس میں حضرت قبلہ نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضور غوث پاک قدس سرہ العزیز تک ۲۱ (اکیس) واسطے ہیں۔

یہ سلسلہ قادریہ سہروردیہ حضرت شیخ ضیاءالدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا ہے۔

۲۔ خاندان چشتیہ میں آپ کو تین طریقوں سے فیض پہنچا ہے۔

(اول) چشتیہ نظامیہ۔ بواسطہ حضرت مولانا فخرالدین محمد دہلوی قدس سرہ العزیز جس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز تک ۱۳ (تیرہ) واسطے ہیں۔

(دوم) چشتیہ نظامیہ۔ بواسطہ مولانا سعیدالدین رضوی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز تک ۱۷ (سترہ) واسطے ہیں۔

(سوم) چشتیہ صابریہ۔ بواسطہ حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ قدس سرہ العزیز سے جس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر قدس سرہ العزیز تک ۱۶ (سولہ) واسطے ہیں

۳۔ خاندان نقشبندیہ (قدیمہ) میں اپنے والد ماجد حضرت حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ قدس سرہ العزیز سے جس میں حضرت نیاز بے نیازؒ سے لے کر حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند قدس سرہ العزیز تک ۱۴ (چودہ) واسطے ہیں۔

باب ٦

اشغال خاندانِ قادریہ رضی

حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو علاوہ اذکار و اشغال مروجہ اور جو اذکار و اشغال ان کے مشائخ سے پہنچے ہیں ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ یہاں صرف خاندانِ قادریہ رضی کے اشغال و اذکار دیئے جاتے ہیں۔ باقی آئندہ صفحات میں مناسب مقام پر دیئے جائیں گے۔

ذکر نفی و اثبات ٥ طریقوں سے	ذکر اثبات ایک طریقہ سے	ذکر اسم ذات ایک طریقہ سے	ذکر سہ پایہ ایک طریقہ سے	پاس انفاس چند طریقوں سے	ذکر چار ضرب ایک طریقہ سے
ذکر ارّہ ایک طریقہ سے	ذکر حدادی ایک طریقہ سے	ذکر فشاری ایک طریقہ سے	محو الجہات ایک طریقہ سے	ذکر کلیت ایک طریقہ سے	ذکر قربیت ایک طریقہ سے
ذکر روح ایک طریقہ سے	ذکر محیط ایک طریقہ سے	سلطان الاذکار ٤ طریقوں سے	ذکر جہر ایک طریقہ سے	ذکر آورد و برد ایک طریقہ سے	ذکر صنوبری ایک طریقہ سے
ذکر صفات ایک طریقہ سے	ذکر اقرب محیط ایک طریقہ سے	ذکر ہو ایک طریقہ سے	شغل آفتابی ٤ طریقوں سے	ذکر صرہ ایک طریقہ سے	ذکر ضمائر ایک طریقہ سے
ذکر سرمدی ایک طریقہ سے	شغل خورشید ایک طریقہ سے	شغل عینیت ایک طریقہ سے	شغل کشف القبور والقرآن ایک طریقہ سے	شغل انا انت ایک طریقہ سے	شغل غوطہ ایک طریقہ سے

شغل فوارہ	شغل طاقچہ	شغل نقطہ مدوری	شغل سرگوشی	شغل مبدا ومعاد	شغل کاسہ سر
ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	چند طریقوں سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے
شغل سفر در وطن	شغل ادراک	شغل بحر	شغل جامع	شغل بارش	شغل عکس
ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے
شغل آئینہ	شغل نصیرا	شغل محمودا	شغل مطلق	شغل ہستی	شغل دید
ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے
شغل دریا	شغل تحیر	شغل سہ پایا	ذکر احاطہ	شغل خفی	شغل حاضر
ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	چند طریقوں سے	دو طریقوں سے
شغل واصل	شغل حقیقت مطلقہ	شغل اسراری	شغل مدہوشی[1]		
ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ سے		

۱؎ کرامات نظامیہ

باب ۷

دہلی والا مکان

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز بعد دستار بندی کے بعد عرصۂ دراز تک، کم از کم دوسری شادی تک جو حسب قرائن تقریباً بتیس سال کی عمر میں ——— غالباً ۱۱۸۰ھ میں ——— ہوئی ہو دہلی ہی میں سکونت پذیر رہے۔ اور اس عرصہ میں وہ مدرسہ فخریہ میں کچھ عرصہ بحیثیت استاذ (پروفیسر) اور کچھ عرصہ شیخ الاساتذہ (پرنسپل) کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اور آسمانِ ولایت پر آفتابِ عالم تاب بن کر ساری دنیا کو منور بھی فرماتے رہے۔

دورانِ قیامِ دہلی حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کا قیام والدین کے ہمراہ ——— محلہ کھاری باؤلی میں رہا۔ یہ مکان دو منزلہ تھا۔ بالائی منزل پر آپ کتب بینی فرماتے تھے اور زیریں منزل میں زنان خانہ تھا۔ اس کے قریب نیم کا ایک درخت تھا۔[۱] (شاید یہی درخت تھا جس کی ایک شاخ کاٹنے پر والد ماجد

---

[۱] ا۔ بحوالہ پیامِ مشرق۔ دہلی۔ ۲۱ر نومبر ۱۹۶۶ء۔ "حضرت شاہ نیاز بے نیاز نیاز احمد بریلوی" از مسعود حسین نظامی۔ (۲) عمدۂ منتخبہ صفحہ ۲۸۰ (۳) کمالات نظامیہ صفحہ ۵۔ بقول نواب اعظم الدولہ میر محمد خان بہادر۔ مرقوم۔ (م ——— ۱۲۵۰ھ) صاحب عمدۂ منتخبہ۔ نیاز۔ نیاز تخلص۔ شاہ نیاز علی (لاحقہ علی غلط ہے۔ اس کی جگہ احمد ہونا چاہیے۔) وہ دیشے است محلہ کھاری باؤلی ——— بحوالہ شاہ نیاز احمد بریلوی اور عمدۂ منتخبہ" از مسعود نظامی۔ نیا دور جولائی ۱۹۶۷ء

حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیازؒ کی چھنگلی پر بھی (بحالتِ مشغولیت) چاقو کا زخم آیا تھا اور خون بہنے لگا تھا اور خود حضور قبلہؒ کی چھنگلی پر خراش آگئی تھی۔ فوراً ہی حضرت بی بی شاہ غریب نوازؒ نے آواز دی کہ شاخ کاٹنے والے کو روکو اور اسے روک دیا گیا تھا)

یہاں کے قیام کے دوران ہر ماہ کی ۱۲ تاریخ کو حضرتؒ اپنے مکان پر مشائخ کرام کی مجلس منعقد فرمایا کرتے تھے [۱]

---

[۱] عمدۂ منتخبہ ص ۴۶۸

باب ۸

مدرسۂ فخر پاک میں آپ کے اساتذہ

اب تک حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے اساتذہ میں آپ کے نانا حضرت مولانا سعید الدین رضوی، آپ کے والد بزرگوار اور آپ کی والدۂ ماجدہ مابعم وقت حضرت بی بی شاہ غریب نواز کے علاوہ حسب ذیل بزرگوں کے اسمائے گرامی معلوم ہو سکے ہیں۔

(۱) سید العاشقین سند المعشوقین حضرت مولانا فخر الدین محمد قدس سرہ العزیز

(۲) جر محقق، فحل مدقق، مرجع طلاب جہاں مولوی خواجہ احمد خاں (دہلوی) غفر اللہ المنان و اسکنہ بجبوبۃ الجنان (استاد ریاضی)[1] میرزا خیر اللہ منجم (برادر عم زاد شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی) کے شاگرد علوم عقلی میں قاضی مبارک سے شرف تلمذ تھا۔ انھیں میر زاہد روی سے۔[2]

(۳) حکیم عبد القاسم میر قدرت اللہ المتخلص بہ قاسم۔ ان سے بعض کتابوں کی تکرار کی تھی۔[3]

میر قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں:۔

" در بدو امر دعوای استفادہ ایں کار استوار از خدمت بابرکت

---

[1] مجموعہ نغز جلد دوم ص ۲۸۸

[2] منتخب تنقیح الاخبار ص ۱۴۲-۱۴۳

[3] ایضاً جلد دوم ص ۲۸۸

والدۂ ماجدۂ خود. کہ ویرا اویسیۂ جناب طہارت انتساب حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا می کرد می گفت. بہرکیف سرانجام کام جذبۂ حق وَے را درربود کہ خود را مشغول بہ عبادت شاقہ ساخت و مردانہ اسپ ہمت در مضار طلب مولیٰ تاخت،، [1]

---

[1] مجموعۂ نظم جلد دوم ص ۲۸۸

باب ۹

مدرسۂ فخریہؒ میں آپ کی خدمات

اس زمانے میں "مدرسے" آج کل کے کالجوں سے مشابہ تھے ان میں بالعموم طب، فلسفہ، منطق، ہیئت و نجوم، ریاضی، حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ کی تعلیم نہایت مبسوط، مدلل اور ٹھوس قسم کی دی جاتی تھی۔ اساتذہ معیاری، مستند، باکمال، محنتی، متقی، محقق اور مدقق ہوتے تھے۔ اسی طرح شاگردوں کا حال تھا۔ وہ اپنے استادوں کا انتہائی ادب و احترام کرتے تھے اور بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ علم حاصل کرتے تھے۔ مشہور مدارس کے فارغ التحصیل طلبا، محقق اور باکمال ہوتے تھے۔ اور اساتذہ کے نام سے ان کی بھی شہرت ہوتی تھی۔

رفتہ رفتہ سیاسی حالات کی ابتری اور ملک کی عام بدنظمی کا اثر مدرسوں اور خانقاہوں پر بھی برا پڑتا تھا۔ اور اکثر مدارس بند ہو گئے۔ اور خانقاہیں بند ہو گئیں جو باقی رہ گئے ان میں کسی کے اساتذہ معمولی رہ گئے کسی کا انتظام ناقص رہا لیکن اس وقت بھی دہلی کے دو مدرسے بہت مشہور تھے (۱) مدرسہ فخریہؒ (۲) مدرسۂ رحیمیہ، جو بعد میں شاہ ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔

مدرسہ فخریہؒ کی کئی نمایاں خصوصیات تھیں جن میں سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہاں علوم درسی پر معارفِ روحانی کا اور اصلاح باطنی کا رنگ غالب رہتا تھا۔ وہ دور سے لوگ اس مدرسے میں آکر علم ظاہری اور ہدایتِ باطنی کی روشنی حاصل کرتے تھے زیادہ تر یہی لوگ حضرت مولانا فخر پاک علیہ الرحمۃ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو جاتے تھے ان میں جو ہونہار ہوتے انھیں آپ اپنی خلافت و اجازت بھی

عطا فرماتے تھے۔ جو دور دراز علاقوں میں پہنچ کر ایمان و عرفان کی مشعلیں روشن کرتے تھے[۱]۔ اس طرح مدرسہ فخریہ کا فارغ التحصیل طالب علم علوم عقلی و نقلی میں ماہر ہونے کے علاوہ مایۂ ناز فقیر و درویش قابل فخر استاذ معرفت و حقیقت اور عارفِ کامل ہو کر بھی نکلتا تھا۔ اسی لئے حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو انکی روشن ضمیر والدہ ماجدہ نے حضرت مولانا فخر پاک علیہ الرحمۃ کے سپرد کیا تھا۔ کیونکہ انھیں حالات کا پورا علم تھا۔ بالخصوص عقائد کا جوان ہی کے خاندان سے حضرت مولانا تک پہنچے تھے۔

حضور قبلہ نیاز بے نیاز نے بھی "حق شاگردی" ایسا ادا کیا کہ ان پر نہ صرف مدرسۂ فخریہ کو بلکہ اس کے روح رواں خود حضرت مولانا فخر پاک قدس سرہ العزیز کو بھی ہمیشہ فخر رہا۔" چونکہ حضرت مولانا نے حضرت نیاز بے نیاز کے نانا بزرگوار سے فیض یاب ہو کر دولتِ فقر کی تکمیل کی تھی اس وجہ سے جب نیاز بے نیاز تشریف لاتے تو حضرت مولانا لب فرش تک استقبال فرما کر ان کو اپنی مسند پر بٹھلایا کرتے تھے۔ اور آپ کو ہمیشہ "صاحبزادہ صاحب" کہتے تھے[۲]۔ کسی دوسرے خلیفہ کے متعلق ایسی شہادت نہیں ملتی۔

دستار بندی کی تفصیل ناظرین پڑھ چکے ہیں۔ مؤلف کرامات نظامیہ کا بیان ہے کہ فاتحۂ فراغ کے بعد حضرت مولانا فخر پاک قدس سرہ العزیز نے اپنے مدرسہ کی خدمات آپ کے سپرد کر دیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض علوم کی درس و تدریس آپکے

---

[۱] دوسرے مشہور مدرسہ میں علوم ظاہری پر خاص زور تھا۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک زبردست تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

[۲] ناز و نیاز جلد اول ص ۶

سپرد ہوئی اور بعض انتظامی امور بھی آپ کے سپرد کر دیے گئے۔

اس کے علاوہ مؤلف نازونیاز لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا صاحبؒ نے دستارِ فضیلت کے ساتھ ہی ساتھ خرقۂ خلافت بھی مرحمت فرما دیا تھا" [۱]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی ذاتِ گرامی سے دونوں نوعیت کے چشمہ ہائے فیض جاری ہو گئے۔ ایک طرف علوم عقلی کے متلاشی معقولات و منقولات کے جواہرات سے اپنے دامنِ مقصود کو پُر کرنے لگے۔ تو دوسری طرف تشنہ کامانِ حقیقت اس بحرِ بے کرانِ معرفت سے اپنی پیاس بجھانے لگے۔ جو جیسا ظرف لے کر آتا مطمئن ہو کر جاتا۔ جتنا مانگتا اس سے سوا پاتا۔ ان معنیٰ میں حضور قبلہ نیازؒ بے نیاز مہتمم و استاذ مدرسہ کی حیثیت میں بھی اپنے مرشد گرامی منزلت حضرت مولانا فخرِ پاک دہلوی قدس سرہ العزیز کے صحیح معنوں میں دست راست بن گئے اور حقیقی مفہوم میں ان کے قدم بہ قدم چلنے والے نائب جانشین ثابت ہوئے۔ ہر دو حیثیت میں آپ دہلی اور اطراف دہلی میں دور دور مشہور ہو گئے۔ اسی لیے مصحفی جیسے نہ جانے کتنے اشخاص نے آپ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا ہوا تھا۔ اور تذکرہ نویس یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:۔

> "حضرت فخرِ پاکؒ کے خلفاء سب ہی آسمانِ ولایت کے شمس و قمر تھے۔ لیکن حضرت نیازؒ بے نیاز جیسی شخصیت کوئی نظر نہیں آتی تھی۔ ایسی کہ جو علومِ ظاہر و باطن میں بیک وقت یگانہ اور رموزِ صوری و معنوی میں یکتائے زمانہ ہو" [۲]

---

[۱] نازونیاز حصہ اول صفحہ ۸ [۲] خزینہ ص ۵۱۲

(۲) حقیقت میں آپ سپہر روحانیت کے شمس الشموس تھے
مشائخین و متاخرین میں آپ جیسا شیخ کامل خاندانِ
چشت میں کم ہوا ہے[۱]

حضرت مولانا فخر پاکؒ اور خاندان چشتیہ کی تعریف حضرت نیاز بے نیاز کی زبانی

کیوں نہ ہو جس کی سرشت میں ازل سے "شرابِ صافی چشت" کا خمیر تھا اور ایسی ماں کے پیٹ میں پاؤں پھیلائے تھے جسے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا سے نسبت اویسیؒ حاصل تھی۔ والد ماجد "حکیم الٰہی" کے خطاب سے سرفراز اور تعلیم و تربیت "محب النبیؐ" کی۔ بقول خود

کمال فقر شدہ از ظہور فخر الدین[۲]

جس مدرسہ و خانقاہ میں رہ کر پروان چڑھے اس کی آب و ہوا ہی کچھ اور تھی
خود حضور قبلہؒ کی زبانی سنیئے، فرماتے ہیں :-

سرزمین چشت کی آب و ہوا کچھ اور ہے — دین و دنیا سے نرالا اور ہی کچھ طور ہے
پھر رہے ہیں ہر گلی کوچے میں از خود رفتگاں — عشق کی واں سلطنت ہے بیخودی کا دور ہے
کوئی سبحانی کہے کوئی انا الحق بلبلائے — بل بلے تیرا بلبلانا، یہ مقام غور ہے
کوئی ہے شغل نیستی میں نیست اور نابود ہے — کوئی نظارے میں حق کے اک تماشا طور ہے
ہے حضور حق تعالیٰ ان کی گاہ بود و باش — دیکھنے میں خلق کے گو دہلی و لاہور ہے
خندہ و گریہ بہم ہمدم ہیں ان یاروں کے بیچ — جو کوئی روتا ہے پھر ہنستا وہیں فی الفور ہے
کیا ہی تیزی اور تندی رکھتی ہے انکی نگاہ — جا پڑے جس پر نظر رہتا وہیں وہ ٹھور ہے

---

[۱] برکات الاولیاء مؤلفہ سید امام الدین احمد مطبوعہ ۱۳۲۲ھ
[۲] ماخوذ از بیاض مسعودی (مسعود نظامی صاحب)

وہ جو اک عرصہ میں ہوتا ہے تغیر اور جائے ۔۔۔ یا وہی سے عشق کی حاصل یہاں فی الفور ہے
یہ تو سب سچ ہے مگر ان میں سے گنتا آپ کو ۔۔۔ ہرزہ گوئی ہے نیاز از الطاف نا خوش طور ہے

وہ تو الماس نگین ہیں یا کہ ہیں دُرِ ثمین
کانچ کی تو پوت ہے یا ریزۂ بلّور ہے

اپنے بزرگوں کے مقابلہ میں یہی انکسار چاہیے جس کا اظہار دونوں مقطعوں میں کیا گیا ہے۔ یوں بھی عاجزی و انکساری اسلامی فقر و درویشی کا اہم جزو ہے اس سے نفس پامال اور شعور ذات کو غلبہ و کمال حاصل ہوتا ہے۔

حضور قبلہ نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز نے سہ کمال فقر شدہ از ظہورِ فخر الدینؒ کہہ کر جس بلیغ الفاظ میں اپنے باکمال مرشد کی مدح فرمائی ہے۔ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ گویا کوزہ میں بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اہلِ نظر ہی اس کی داد دے سکتے ہیں۔ اسی "کمال فقر" کی بنا پر تو حضرت فخر الدینؒ "فخر پاک" کہلائے اور "فخر جہاں" کے موزوں خطاب سے مشہور ہوئے۔

حضور نیاز بے نیاز دوسری بار مدرسۂ فخریہ میں بحیثیت پرنسپل

حضور قبلہ نیازؔ بے نیاز، حضرت مولانا شاہ فخر الدین قدس سرہ العزیز کے حکم سے ۱۱۸۶ھ میں یا اس سے کچھ قبل یا بعد بریلی تشریف لے گئے۔ یہاں دہلی میں حضرت مولانا نے ۱۱۹۹ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کے وصال کے بعد جب مدرسۂ فخریہ کے انتظامات طلب فرما کر مدرسہ کی باگ ڈور دوبارہ آپ کے سپرد فرمائیں۔ آپ نے تین سال تک مدرسہ کا انتظام سنبھالا پھر واپس بریلی تشریف لے آئے

سلہ مکتوب گرامی حضرت قبلہ محبوب میاں صاحب مدظلہ العالی از خانقاہ نیازیہ۔ بریلی شریف

باب ۱

فہرست اذکار و اشغال چشتیہ وغیرہ

مراقبات تختہ اول و دوم تا ششم	و سیر تا ہفتم
طریقہ شطاریہ	(۵ طریقوں سے)
نقشبندیہ قدیمیہ (لطائف ستہ)	لطائف عشرہ
طرق موصل الی المطلوب	یک طریقہ کامل من اولہٖ الی آخرہ
ہر طرح سے	تراکیب نماز سے
یک طریقہ روزہ سے	صرف وظائف سے
ایک طریقہ سیر بازار اور مجمع عام سے	ایک طریقہ مشاہدہ عجائبات سے

اشغال ہنود بطور مختصر

انہد	شغل ہوم شوم	شغل ہنسہ	ذکر کرم	شغل سوہن
یک وند	انگلا پنگلا	شغل سکھنا	چوراسی آسن	۳ طریقوں سے
ادم پہوا	شغل اوہی ہی	ذکر کا دری	ذکر کا دتی	ذکر چار برم
ذکر بشمب	ذکر برم	چھایا درش	شغل ترکٹی	

اذکار و اشغال قادریہ کی فہرست پہلے گذر چکی ہے۔ زیر نظر فہرست میں اشغال چشتیہ کے علاوہ اذکار و اشغال شطاریہ (پانچ طریقوں سے) اور اشغال نقشبندیہ

ولطائف کا ذکر بھی موجود ہے۔

حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے اکثر اذکار و اشغال کی وضاحت اپنی مشہور قلمی تالیف شمس العین شریف میں کی ہے۔ اور بعض کی وضاحت اپنے دیگر رسائل میں ضرورتاً فرمائی ہے۔ یہ تحریریں خانقاہ شریف میں محفوظ ہیں دراصل یہ اسرار ہیں اور ان کی تعلیم تحریر سے زیادہ زبانی سینہ بہ سینہ کی جاتی ہے اور اسی طرح مرشد کی توجہ کے ساتھ اذکار و اشغال ذہن نشین اور دل نشیں ہو سکتے ہیں۔ اور ان کا کوئی ثمرہ برآمد ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شغل خانقاہ میں رہ کر بالخصوص وہاں کے کسی بزرگ کے مزار مبارک کی پائنتی بیٹھ کر اور ضروری آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا ہے تو جو ثمرہ دوسری جگہ برسوں میں پیدا نہیں ہوتا وہ وہاں ہفتوں بلکہ دنوں میں پیدا ہو جاتا ہے یہ صاحب مزار کی خاص توجہ کا بین ثبوت ہے۔

مذکورۂ بالا طویل فہرست اذکار و اشغال کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہر شخص کو لازماً یہ تمام اشغال مکمل طور پر کرنا ضروری ہے۔ منزل مقصود پر پہنچانے کے لیے تو ایک شغل بھی کافی ہو سکتا ہے مرشد کی مرضی پر ہے جسے جتنے اذکار و اشغال چاہے تعلیم کر دے وہ باعث ازدیاد لطف اور موجب انشراح و تکمیل مقامات ہوا کرتا ہے۔ اس کا فیصلہ بھی خود مرشد کرتا ہے۔ مرید کو خاموش رہنا چاہیئے۔ مرشد چاہے تو اپنی توجہ ہی سے مقامات طے کرا دیتا ہے۔ مرید کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

سلسلۂ چشتیہ میں عملیات اور وظائف دیگر سلاسل کے مقابلے میں برائے نام ہیں ان کا کام عشق کی گرمی اور روح کی بے تابی سے لیا جاتا ہے محبت کی آگ جتنی بھڑکے گی اتنی ہی جلد دل گداز ہو گا۔ اور منزل مقصود ہاتھ آئے گی سماع اس مقصد کیلئے موثر ترین ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ مشائخ کرام کے مقرر کردہ قواعد کے ساتھ منعقد ہو اصل بات

جو مذکورۂ بالا ہر دو طویل فہرست اذکار و اشغال سے مستنبط ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے ذریعہ خود مشیت الٰہیہ کو عالم روحانیت میں انقلاب عظیم پیدا کرنا اور آپ کے توسل سے مختلف طبائع اور استعداد رکھنے والے لاکھوں طالبانِ حق کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کی خدمت لینا اور ان کے لیئے ان کے مختلف النوع اذواق و اشواق کے پیشِ نظر نئی نئی آسان راہیں کھولنے کی قدرت کا اہل بنانا مقصود تھا۔ لہٰذا حضور قبلہ کو اتنا عالی ظرف عطا فرمایا گیا۔ اور ایسی محیر العقول استعداد بخشی گئی کہ ان کے لیئے ہر ذکر اور ہر شغل گویا پانی تھا۔ اور منٹوں میں ثمرات ضروریہ برآمد ہو جاتے تھے۔ جیسے جادو کی چھڑی اِدھر گھمائی اُدھر مطلوبہ صورت حال جلوہ گر ہو گئی۔ جبھی تو حضور قبلہؒ اتنے زیادہ اذکار و اشغال کے استاد بن گئے۔ اور دوسروں کے لیئے اتنا زبردست ذخیرۂ دولتِ روحانی جمع کر گئے۔ جس کا پاسنگ بھی شاید ہی کہیں ملے۔ ورنہ عام حالات میں تمام عمر صرف دو چار اشغال کی تکمیل میں گذر جاتی ہے۔ یا وظیفہ پڑھتے پڑھتے ہی عمر تمام ہو جاتی ہے۔ اور کچھ منظر نہیں آتا سچ ہے "جسے پیا چاہے وہ سہاگن"۔ حضور قبلہؒ کو مشیت الٰہیہ نے منتخب فرما لیا تھا۔ لہٰذا وہ اس میدان کے واحد مرد اور شاہراہِ عشق کے منفرد شاہسوار ثابت ہو کر رہے۔ اور ان کے لیئے ان کی عظیم شخصیت کے مطابق موزوں ساز و سامان بھی فراہم کیا گیا۔ مزید تفصیل "تعلیمات" (باب ۲۱ —) کے تحت بیان ہوگی۔

فہرست میں ہنود کے اذکار و اشغال دیکھ کر بعض کج فہم اشخاص غلط فہمیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی معلومات کے لیے یہ لکھا جاتا ہے کہ خانوادۂ نیازیہ نے ہنود سے کچھ نہیں لیا ہے[۱]۔ بلکہ اپنے اشیاخ کریم المزاج کی تقلید میں اشغال ہنود کی

---

[۱] ممکن ہے کوئی مفید بات غیر اقوام سے لی گئی ہو۔ لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہر فائدہ مند شے مؤمن کا مال ہے۔

غلطیاں درست کرنے کے لیئے اور ان کی صحیح رہنمائی کی غرض سے، انھیں کی زبان میں صحیح طریقے تعلیم فرمائے ہیں جیسے ہزاروں ہندوں کے نام نہیں بدلے۔ مگر انھیں سچا حق پرست مسلمان بنا دیا۔ اسی طرح ان کے اشغال کے پرانے نام نہیں بدلے۔ لیکن طریقہ صحیح کر دیا۔ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ

"ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اس کا ناؤں" چیز تو ہماری ہی رہی نام خواہ کچھ بھی رکھ لو۔

بعض بزرگوں نے جیسے حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ العزیز اور حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی علیہ الرحمۃ نے اشغال کے الفاظ مقامی زبان کے مقرر کر کے تعلیم فرمائے نام عربی زبان ہی کے رکھے۔ بعض اوقات نام بھی بدل دیا۔ ہمارے بزرگوں کی نظریں تو ظاہر و باطن دونوں پر رہتی ہے۔ لیکن سخت ضرورت یا کسی مجبوری کے موقع پر وہ مصلحت سے کام لیتے اور ظاہر کے ساتھ نرمی اختیار کر کے پہلے پوری توجہ اصل حقیقت پر مذکور کراتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ سالک کو ضروری جزئیات تعلیم کرتے ہیں۔ تعلیم دین کے لیئے دنیا کی ہر زبان استعمال کی جا سکتی ہے۔ بلکہ ماہرین تعلیم کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ مادری یا مقامی زبان ہی بہترین ذریعہ تعلیم ہوتی ہے۔ اس کی مدد سے انسان کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ثمرات حاصل کر سکتا ہے۔ اس پر صرف وہی لوگ اعتراض کرتے ہیں جو تنگ نظر ہوتے ہیں۔

نورٌ علیٰ نور | حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو حضرت اقدس سید عبد اللہ بغدادی قادری الجیلانی، عمدۃ الاولاد و جانشین

محبوب سبحانی قطب ربّانی، غوث الصمدانی حضرت محیّ الدین سید شاہ عبدالقادر جیلانی حسنیؓ وحسینیؓ، قدس سرّہ العزیز کی بارگاہ سے جو نعمتیں ملیں۔ وہ نورٌ علیٰ نور تھیں۔ بلکہ فیضانِ غوثیہؒ کے خفیہ سوتے تو بہت پہلے جاگ اٹھے تھے۔ جبکہ حضور قبلہ بطنِ مادر میں تھے۔

دراصل یہ "قادریت" اور "چشتیت" بھی محض نام کا فرق وامتیاز ہے ورنہ سرچشمۂ فیض اور مبداءِ کرم ایک ہی ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

باب ۱۱

زمانۂ قیام دہلی کا ایک عجیب واقعہ

ماخوذ از ناز و نیاز

ایک بار حضرت نیازؔ بے نیاز حضرت قطب صاحب قدس سرہ العزیز کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر پھولوں کا پنکھا چڑھایا جاتا ہے یہ پنکھا ایک جلوس کے ساتھ مزار پر جاتا اور وہاں بھی مخلوق بہ کثرت جمع ہوتی جسے "پھول والوں کی سیر" یا "پھولوں والوں کا میلہ" کہتے ہیں۔ تمام اشخاص شہر کے ادنیٰ و اعلیٰ اس میلے میں جاتے تھے۔ بازار مہرولی تیار کردہ مہرولی تھا۔ دکانوں کے اوپر لکڑی کی بنی ہوئی سہ دریاں تھیں۔ جن پر رؤسائے شہر بغرض سیر بیٹھتے تھے جب حضرت نیاز بے نیاز کو انھوں نے دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ آپ بھی اسی جگہ تشریف رکھیئے۔ چنانچہ آپ بھی سہ دری میں تشریف فرما ہوئے۔ وہ لوگ آپ کو فقیر کامل جانتے تھے۔ غالباً اسی خیال سے انھوں نے کہا کہ زمانۂ سلف میں ایسے اولیاء گذرے ہیں۔ کہ اپنی قوت خیال سے سو سو آدمیوں کو روک دیا ہے۔ وہ قدم نہیں اٹھا سکے۔ لیکن اب اس زمانہ میں کوئی نہیں رہا اس پر جناب نیاز بے نیازؒ نے فرمایا کہ "اب بھی زمانہ خالی نہیں ہے"۔ جس وقت زمانہ خالی ہو گا قیامت قائم ہو جائے گی۔ آج ذات بابرکات مولانا و مرشدنا سید فخر الدین محمد کی ایسی ہے کہ

زمانۂ سلف میں بھی ایسی کم ہوئی ہیں"۔ عمائد شہر نے اسے صحیح نہیں سمجھا اور حضرت کو ناگوار گذرا۔ آپ نے فرمایا "کیا تم دیکھنا چاہتے ہو"۔ سب نے عرض کیا "ہاں اگر دیکھ لیں تو یقین آجائے"۔ اسی اثنا میں پنکھے کا جلوس جو قوالوں اور پچاس ساٹھ ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا وہاں پہنچ گیا۔ حضرت نیاز بے نیازؒ وہیں سہ دری میں استادہ ہو گئے اور مجمع پر خیال فرمانا شروع کیا۔ کل میلے والے از خود رفتہ ہو گئے۔ اور عجیب رقت وکیفیت پیدا ہو گئی۔ جو شیرینی وہ جناب قطب صاحبؒ کی نذر کے واسطے لیئے جاتے تھے وہ سب حضرت نیاز بے نیازؒ کے روبرو رکھ دی کہ شیرینی کا انبار زمین سے چھت تک ہو گیا تمام رؤسا جو وہاں موجود تھے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور حضرت نیاز بے نیاز تمام میلے کو اسی حال میں چھوڑ کر دوسرے دروازے سے جو پشت پر واقع تھا۔ اپنے دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اہل جلسہ وہ شیرینی اپنے تصرف میں لائے۔ حضرت نیاز بے نیاز اس مصلحت سے مزار مبارک پر تشریف نہیں لے گئے۔ کہ مجمع از خود رفتہ تھا۔ وہ مزار مبارک پر بھی آپ ہی کی طرف متوجہ رہتا۔

سبحان اللہ خود صاحب کمال تھے مگر اپنے بزرگوں کا ادب ہر موقعہ پر ملحوظ رکھا جب رؤسائے شہر نے حضرت مولانا فخر پاک قدس سرہ العزیز کے کمال کے اعتراف میں تذبذب کا اظہار کیا۔ تو خود آپ نے اپنے کمال یعنی قوت خیال کا ایسا مظاہرہ کیا کہ رؤسائے مذکور کے فرشتوں نے بھی نہ دیکھا تھا۔ مرید و نائب کے کمال سے ان کے پیرو مرشد علیہ الرحمتہ کے درجۂ کمال کا اندازہ لگانا آسان ہو گیا ہوگا۔ آخر میں بھی اپنے بزرگوں کے بزرگ، قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی قدس سرہ العزیز کا اور ان کے مزار مبارک کا کس قدر ادب واحترام مدنظر رکھا۔ کہ پشت مکان کے دروازہ سے واپس اپنے مکان آ گئے۔ کیونکہ اہل مجمع اپنے ہوش میں نہ تھے۔ اور یقیناً مزار مبارک پر بھی یہی عالم رہتا۔ کہ وہ (حضور قبلۂ بے نیاز

قوت خیال کے زیر اثر) آپ ہی کی طرف متوجہ رہتے۔ اور اس میں صاحبِ مزار کی شان میں بے ادبی کا پہلو تھا۔ اسے حضورؒ قبلہ نے گوارا نہ فرمایا۔

اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ راہِ فقر میں اپنے بزرگوں اور ان کے مزارات کے ادب کی کتنی اہمیت ہے۔

قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری الجیلانی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں باریابی سے پہلے کا ہے۔ ورنہ حضور قبلہ شاہ نیازؔ بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ صرف حضرت فخر پاک قدس سرہ العزیز کا نام رؤسائے شہر سے نہ لیتے۔

باب ۱۲

نکاحِ ثانی اور اولاد

عمدۃ الاولاد و جانشین غوث الاعظم حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری قدس سرہ العزیز کی صاحبزادی صاحبہ (جو حضرت نیاز بے نیاز سے منسوب تھیں) شادی سے کچھ عرصہ بعد اس دنیا سے لاولد انتقال فرما گئیں۔ اس سانحۂ روح فرسا کے بعد کئی سال تک حضور قبلہؒ نے دوسری شادی نہیں کی۔ آخر والدہ ماجدہ کے شدید اصرار پر دوسری شادی کی۔ یہ بی بی صاحبہ دہلی کے سادات رضویہ میں سے تھیں۔[1] ان سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ صاحبزادی کا انتقال زمانۂ شیر خوارگی ہی میں ہو گیا۔

صاحبزادگان میں (۱) بڑے حضرت شاہ نظام الدین حسینؒ تھے اور (۲) چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ نصیر الدین حسینؒ تھے۔ دونوں حقیقی بھائی تھے۔

اوّل الذکر نے والد ماجد قدس سرہ العزیز کے سجادۂ فقر کو رونق بخش کر ایک عالم کو منور فرمایا۔ اور

ثانی الذکر نے بدایوں میں خانقاہ نیازیہؒ کی ایک شاخ (خانقاہ نصیریہ نیازیہؒ) قائم کی جس سے ہزارہا اشخاص داخل سلسلۂ نیازیہؒ ہو کر تعلیمات و فیضانِ نیازیہؒ سے مستفیض ہوئے۔

---

[1] کراماتِ نظامیہ۔ ص ۲۔

باب ۱۳

بریلی (روہیل کھنڈ) میں حضرت شاہ نیاز بے نیاز کی ماموری

آپ کو وہاں کیوں مامور کیا گیا؟ بریلی میں آپ کی ماموری چشتی بزرگوں (یعنی اکابر مشائخ سلسلۂ چشتیہ) کے اس وسیع نظام تبلیغ و تربیت روحانی کا ایک حصہ تھا جو ملک گیر تھا۔ اور جسے کامیابی کے ساتھ عرصۂ دراز سے مذکورہ مشائخ کرام اپنے جید خلفاء کے ذریعہ اپنے مرکزی ضبط و نظم کے تحت چلا رہے تھے۔ مشائخ چشتیہ کا یہ نظام بہ لحاظ اثر و گیرائی اور بہ لحاظ ضبط و نظم و دینداری مرکزی نظام حکمرانی سے زیادہ کامیاب تھا۔ اس کے مفصل مقاصد کو سمجھنے کے لیے چند بنیادی امور کا سمجھنا بہت ضروری ہے مثلاً:۔

مشائخِ کرام کا اصل فریضۂ منصبی کیا ہے؟ قرآن و احادیث سے ثابت ہے کہ حیات انسانی کا اصل مقصد حق تعالیٰ کی ملاقات ہے۔ اِلیٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ٥ (۸۴-۶) (ترجمہ۔ اور اپنے رب کی طرف خوب محنت کر کیونکہ تجھے اس سے ملاقات کرنا ہے)

وَاَنَّ اِلیٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ٥ (۵۳-۴۲) ترجمہ:۔ (اور یہ کہ تیرے رب کی طرف انتہا ہے)

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ:۔

(الف) رب انتہائی منزلِ مقصود ہے۔

(ب) اس سے ہمیں ملاقات کرنا ہے۔

(ج) اس ملاقات کے لیئے (نہ کہ صرف ثواب کی خاطر) ہمیں سخت محنت و مجاہدہ کا حکم دیا جارہا ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہمیں۔

(اوّل):۔ "ملاقات ربی" کی نوعیت معلوم ہو۔

(دوم):۔ اس محنت و مجاہدہ کی تفصیل و تشریح معلوم ہو جو یہاں مقصود ہے اور ـــــــــ

(سوم):۔ وہ عملی نظام معلوم ہو جو آج سے پہلے طالبین، صادقین اور واصلین حق کے زیرِ عمل رہ چکا ہو۔ تاکہ ہم بھی پورے یقین کے ساتھ اس پر عمل کر کے خدا تک پہنچ سکیں اور نئے تجربوں میں اپنا وقت عزیز ضائع نہ کریں۔

ایک آیت یہ بھی ہے:۔

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝

(۲۶ : ۸۸، ۸۹) ترجمہ:۔ وہ دن (یاد رکھو) جب نہ مال کام آئے گا نہ اولاد۔ سوائے اس کے کہ جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا (یا آئے)۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صرف مال اور اولاد کے سلسلے میں تمام عمر محنت کرنا حقیقتاً عمر کا ضائع کرنا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اہم "سلامتی قلب" کے لیئے محنت و مجاہدہ ہے۔ پس "سلامتی قلب" کی تمام جزئیات اور کامیابی کے مسلمہ طریقے معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔ جو صرف اس کے ماہرین (اولیائے کرام و مشائخ عظامؒ) ہی بتا سکتے ہیں۔ محض کتابوں سے کام چل سکتا تو علاج امراض جسمانی کے لیئے صرف کتابیں کافی ہوتیں ڈاکٹروں اور طبیبوں کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ایسا ممکن نہیں۔ لہٰذا علاج روحانی کے لیئے محض کتابیں کیونکر کافی ہو

سکتی ہیں۔

مقصود اصلی اور مقصد حقیقی کی وضاحت کے سلسلے میں جو کچھ اوپر بیان ہوا اطاعت گذار بندوں کے لیے بہت کافی ہے۔ باقی جتنے مقاصد حیات مقرر کیئے جائیں وہ ذیلی اور ثانوی ہوں گے جو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہیں۔

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ حق یا مقصود حقیقی سے دور رکھنے والے حالات و اسباب اور باطل قوتیں ہر وقت اور ہر جگہ موجود اور سالک کو اس کے راستے سے ہٹانے میں ہمیشہ مصروف عمل رہتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اور خطرناک دشمن داخلی خود اپنا نفس ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ط (۹۱: ۹، ۱۰) ترجمہ: بیشک جس نے اس کا (یعنی نفس کا) تزکیہ کیا اس نے فلاح پائی اور جس نے اسے خراب کیا وہ نقصان میں رہا۔ (اسی لیئے مشائخ کرامؒ نے تزکیہ نفس کو اہم ترین علاج روحانی قرار دیا ہے۔ تزکیہ نفس فرائض نبوت میں بھی شامل تھا)۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ جب تک کوئی ماہر فن رہبر، رہبری نہ کرے۔ از خود دنیا کا کوئی کام حسن تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ تو پھر خدا کا راستہ کیونکر پا سکتا تھا۔ واضح رہے کہ اولیاء و مشائخ ہی اس راہ کے ماہر ہیں۔ اور وہی تعلیمات اسلامی کی اس شق کو زندہ رکھتے ہیں۔

اضافی خصوصیات رہ نما

رہ نما کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقت کا نباض ہو۔ گرد و پیش کے جملہ حالات دینی، اخلاقی، سیاسی معاشی اور سماجی، وغیرہ سے اچھی طرح واقف ہو۔ اور انسانی نفسیات کا بھی ماہر ہو۔ تاکہ اپنے مریدین کے لیئے ہر ایک کی قابلیت، ماحول کے اثرات اور مخصوص ذاتی حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب لائحہ عمل تجویز کر سکے۔

جسمانی امراض کی طرح روحانی امراض بھی، حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتے اور ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیئے ان امراض کے معالجین اپنے نسخوں اور علاج کے طریقوں میں بھی ردوبدل کرتے رہتے ہیں۔ یہیں معالج کی قابلیت اور ذہانت کو غیر معمولی کاوش سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانی امراض کے ماہرین (مشائخ کرامؒ) نے کسی دور میں روحانیت کی ترقی کے لیئے سیاسی اقتدار کو ضروری سمجھا اور کبھی غیر ضروری بتایا۔ کبھی جائز ذرائع سے حصولِ دولت کی ترغیب دی کبھی اس سے نفرت کرنے پر زور دیا۔ کبھی راہِ خدا میں تعمیری خدمات پر اصرار کیا۔ کبھی یہ کام حکومت وقت اور قوم کا فریضہ قرار دیتے ہوئے خاص خاص افراد کو اپنا سب کچھ اللہ کے لیئے قربان کر دینے کو اہم بتلایا۔ مختصر یہ ہے کہ ان کا کام کوئی مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ نہ ایک ہی نسخہ ہر دور میں کسی مرض کے لیئے مجرب ہو سکتا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ دو مریضوں کے لیئے جو بظاہر ایک مرض میں مبتلا ہوں ایک ہی نسخہ کارگر ثابت ہو۔

اسی لیئے روحانی امراض کے ازالے یا روحانی مدارج کی ترقی کے لیئے مقررہ عبادتوں کے علاوہ (جو کم سے کم ہیں) نوافل، مراقبات، ذکر خفی، ذکر جلی، اشغال، اوراد وظائف وغیرہ الگ الگ ہر فرد کے ذاتی حالات کے مطابق تجویز کیئے جاتے ہیں۔

روحانیت کے رہنما کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے۔ کہ فعمتندی کے زمانے میں کس طبقۂ آبادی پر کیا کیا غلط اثرات رونما ہوتے اور زمانۂ زوال وتنگدستی میں انسان کیسے کیسے عوارضِ روحانی و اخلاقی کا شکار ہو جاتا ہے اور کس وقت کس طریقۂ علاج کی کس کے لیئے ضرورت ہے۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ مذکورۂ بالا تمام اضافی خصوصیات رہنما کے باوجود اصلی بنیادی مقصد حیات (اللہ سے ملنا) ہر وقت ہر فرد کے لیئے یکساں اور ناقابل ترمیم ہے

لہذا بنیادی طریقۂ حصول مقصد کسی حال میں نہیں بدل سکتا۔ ان بنیادی امور کو (جو اس فصل کے شروع میں بیان ہوئے ہیں) اضافی خصوصیات رہنما کے ساتھ خلط ملط نہ کرنا چاہیے۔

خلیفہ کی ماموری مرشد کی بالغ نظری کا ثبوت ہوتا تھا

ہمارے بزرگانِ دین نے مذکورۂ بالا مصلحتوں اور دوراندیشیوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا وہ ہمیشہ ایک مضبوط و مستحکم روحانی مرکز قائم کر کے ملکی و علاقائی حالات اور ضروریاتِ اصلاح کے پیشِ نظر مختلف علاقوں میں خلفا روانہ کرتے تھے جو ان علاقوں میں خانقاہیں قائم کر کے وہاں مرکزی مشائخ کرام کی اخلاقی و روحانی تعلیمات کی روشنی پھیلاتے اور اللہ کے طالبوں کو اللہ سے ملانے کا سامان مہیا کرتے تھے۔ اس اہم کام کے لیے ذاتی اور مقامی حالات کی مناسبت سے خلیفہ یا نائب کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ اور وہی ماموری کا مستحق قرار پاتا تھا جو سب سے زیادہ اہل نظر آتا تھا ہر شخص کا کام نہ تھا۔ کہ آسانی سے ہر جگہ کامیاب ہو جائے چنانچہ نائب کا انتخاب ماہر فن شیخ کامل کی بالغ نظری کا ثبوت ہوتا تھا۔

روہیل کھنڈ میں حضرت نیازؒ بے نیاز کی ماموری کی اہمیت

حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو ان کے شیخ کامل محبّ النبیؐ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز نے بریلی، دارالحکومت روہیل کھنڈ میں مامور فرمایا۔ یہ انتخاب یونہی سرسری طور پر نہیں کیا گیا تھا بلکہ حالات وقت کا جائزہ لے کر کیا گیا تھا۔ اور حضور قبلہ شاہ نیازؒ بے نیاز قدس سرہ العزیز جیسی قابل شخصیت ہی وہاں کے لیے موزوں تھی۔ جیسا کہ آئندہ صفحات سے اچھی طرح ثابت ہو جائے گا۔

حضور نیازؒ بے نیاز کو منتخب کرنے کی اہمیت اور ان کے مساعی جمیلہ کی قدر و قیمت

اسی وقت کماحقہ واضح ہو سکتی ہے۔ جبکہ ہم اس عہد کے مسلمانوں کے قومی حالات کو بالعموم اور مقامی حالات کو بالخصوص ذہن نشین کر لیں۔ کیونکہ جب تک "باطل قوتوں" کے سیلاب کا علم نہ ہو۔ ان کی مدافعت اور حصول کامیابی کے لیے کی گئی کوششوں کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے۔ نہ انسان ان کی قدر کر سکتا ہے۔

چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر ہم آئندہ صفحات میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے عام حالات (دینی، اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی وغیرہ) کا خلاصہ بیان کریں گے اور اسی ضمن میں روہیل کھنڈ کے بعض حالات پر بالخصوص روشنی ڈالیں گے تاکہ مسلمانوں کے امراض روحانی کی تشخیص میں آسانی ہو۔ اور پھر اس پس منظر میں "خدمات نیازیہ" کی قدر و قیمت اجاگر ہو سکے۔

باب ۱۴

برِّصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا حال

(حضرت نیازؔ بے نیازؒ کے زمانے میں)

فصل ۱

حضرت مولانا شاہ فخرؒ اور حضرت نیازؔ بے نیازؒ کا زمانہ (سرسری خاکہ)

حضرت مولانا شاہ فخرالدین دہلوی قدس سرہ العزیز نے ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۹۰ء کو بہ عمر ۳، سال دہلی میں وصال فرمایا۔ آپ ۱۷۱۷ء م ۱۱۲۶ھ میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے تھے۔

حضرت نیازؔ بے نیاز ۱۷۴۲ء میں بمقام سرہند پیدا ہوئے۔ ۱۷۵۱ء میں والدین کے ہمراہ دہلی تشریف لائے۔ ۱۷۶۱ء میں دستار بندی ہوئی۔ اپنے مرشد گرامی حضرت مولانا فخر دہلویؒ کے وصال سے تقریباً چودہ سال قبل یعنی ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء میں بریلی تشریف لے گئے۔ (یہ سن عیسوی حضرت الحاج محبوب میاں صاحب برادر حقیقی سرکارِ عزیز میاں صاحبؒ نے خود مجھے خانقاہ شریف میں نوٹ کرایا۔) ہمارے تخمینے کے بموجب جو قرائن پر مبنی ہے۔ حضرت نیاز بے نیاز تقریباً تیس سال کی عمر تک دہلی میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہے۔ باقی تقریباً ۶۵ سال کی مدت (۱۱۸۵ھ ۔ ۱۷۷۱ء) سے (۱۲۵۰ھ ۔ ۱۸۳۴ء) تک بریلی میں گذاری اسی مدت کے دوران وہ غالباً تین سال تک پھر مدرسہ فخریہ کا انتظام سنبھالنے کے سلسلے میں دہلی میں مقیم رہے تھے۔ مناقبِ فخریہؒ کی روایت کے مطابق، مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں ۱۷۵۱ء م ۱۱۶۰ھ میں

(اور بموجب مناقب المحبوبین ۱۷۵۶ء - ۱۱۶۵ھ میں تشریف لائے تھے) ہم مناقب فخریہ کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت نیازؔ بے نیاز کے دیگر سوانح حیات اور ان کے وقوع کے زمانوں سے مطابقت ہوتی ہے۔ ممکن ہے ہمارے تخمینے میں کہیں سال دو سال کا فرق ہو لیکن اس سے ہمارے مقصد میں (یعنی برِصغیر کے مسلمانوں کے عام حالات بتانے میں) کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو ہمارا یہاں خاص مقصد ہے۔ حضرت نیازؔ بے نیاز کو دہلی و بریلی کے قیام کے دوران اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصہ اور انیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل کے حالات سے سابقہ پڑا ہے۔ لہذا آئندہ صفحات میں ہم تقریباً اسی زمانے کے حالات بیان کرتے ہیں۔ تاکہ حضرتِ موصوف کی خدمات کی نوعیت و اہمیت کا معقول اندازہ ہو سکے۔

فصل ۲

حالات ہند کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کا دورِ عروج ختم اور مسلمانوں کا قومی زوال شروع ہو چکا تھا ملک میں ہر طرف سیاسی بدامنی انتشار اور پریشان حالی کا دور دورہ تھا۔ اورنگزیب کے جانشین قوم و سلطنت کے گرتے ہوئے ڈھانچے کو سنبھال نہ سکے۔ سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں نے قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا وہ بازار گرم کیا کہ ملک میں ہر طرف بیچارے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ مرکزی حکومت کو کمزور پا کر ہندو جا بجا شورش برپا کرتے اور مخالفین سے مل کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہے۔ ہولی کے تہوار کے موقع پر یہ لوگ عموماً فساد برپا کرتے تھے[1]۔ نادر شاہ کی موجودگی میں بھی ہولی کا

---

[1] پاک و ہند کی اسلامی تاریخ از صاحبزادہ عبدالرسول طبع پنجم ص ۱۷۶۔

تہوار آیا اسی موقع پر نادر شاہ کے قتل کی افواہ شہر میں پھیلی۔ اور خواہ مخواہ اس کے تین ہزار سپاہیوں کو شہر میں مار ڈالا گیا۔ امن و امان بحال کرنے کی غرض سے وہ خود چاندنی چوک میں آیا مگر اس پر بھی گولی چلائی گئی۔ اس بات پر اس نے غضب ناک ہو کر شہر دہلی کو لوٹنے اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ ۵ گھنٹے خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ بالآخر محمد شاہ نے نظام الملک کو نادر شاہ کی خدمت میں بھیجا اور ۲ بجے کے قریب قتل عام بند کیا گیا[۱]۔ اس کے بعد وہ بے شمار دولت، ہزار ہا اونٹ، گھوڑے، تخت طاؤس، کوہ نور ہیرا اور بیشمار صناع و کاریگر اپنے ہمراہ لے گیا[۲]۔ یہ واقعہ ۱۷۳۹ء میں رونما ہوا۔ نادر شاہ کے حملے سے مغل حکومت کا رہا سہا وقار بھی خاک میں مل گیا۔ صوبائی حکومتوں نے جگہ جگہ خود مختاری اختیار کرنا شروع کر دی۔ دہلی کی رونق ختم ہو گئی۔ جن علاقوں سے حملہ آور فوج گذری وہ بری طرح متاثر ہوئے مغل فرمانرواؤں کے صدیوں کے جمع کیئے ہوئے جواہرات اور نوادرات ایک ہی دن میں نادر شاہ کے ہاتھ میں چلے گئے[۳]۔

سندھ، مغربی پنجاب اور کابل بھی خاندانِ بابر کے ہاتھوں سے نکل گئے جس سے دہلی کے مغل ہمیشہ پریشان رہے[۴]۔ پنجاب کے مختلف علاقوں میں سکھوں کے جتھوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنالیں اور جابجا لوٹ مار شروع کر دی[۵]۔

۱۷۴۸ء اور ۱۷۶۱ء کا درمیانی زمانہ

اس عرصہ میں احمد شاہ ابدالی (درانی) نے پانچ حملے کیئے آخری حملہ پانی پت کی

---

[۱] پاک و ہند کی اسلامی تاریخ۔ از صاحبزادہ عبدالرسول طبع پنجم ص ۱۷۶۔ [۲] ایضاً [۳] ایضاً
[۴] اسلامی تاریخ پاک و ہند۔ از ہدایت اللہ چوہدری طبع ہفتم ص ۲۸۰
[۵] ایضاً

تیسری جنگ اور مرہٹوں کے مکمل استیصال پر ختم ہوا۔ وہ پیشوا گی کا وقار ختم ہو گیا مگر چونکہ ابدالی کو فوج کے اصرار پر کابل واپس جانا پڑا اور اس کے بعد برصغیر کے مسلمانوں میں کوئی ایسا حکمراں پیدا نہ ہو سکا جو اس خلا کو پر کر سکتا۔ اس لیے انگریزوں نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور پاک و ہند میں قدم جمانے شروع کر دیے۔[۵۱] متزلزل مغل سلطنت کی بنیادیں مزید کمزور ہو گئیں۔ خانہ جنگی انتشار اور بدنظمی اب ملک کی اہم خصوصیات تھیں اگرچہ چند سالوں میں مرہٹے پھر سنبھلے لیکن وہ اگلا سا اقتدار و مرکزیت نہ حاصل کر سکے مغل سلطنت کا اقتدار بھی شہر دہلی کے اطراف تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اور وہ پچھلی شان و شوکت ختم ہو گئی۔ انگریزوں کو ان حالات سے بہت فائدہ پہنچا۔ بنگال میں ان کا اقتدار مستحکم ہو گیا[۵۲] بلکہ تمام ہندوستان پر حکومت کا راستہ صاف ہو گیا۔

جنگ بکسر (۱۷۶۴ء) اور اس کے نتائج

اس جنگ میں شاہ عالم ثانی اور شجاع الدولہ کی افواج کو انگریزوں نے شکست دی۔ انگریزوں کو بنگال و بہار کی دیوانی مل گئی۔ اور انھوں نے ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ خراج شاہ عالم کو دینا منظور کر لیا۔ ۱۷۷۲ء میں سندھیا نے اسے الہ آباد سے دہلی بلا لیا لیکن اس کی حکومت برائے نام تھی۔ ۱۷۸۸ء میں عبدالقادر روہیلہ نے شاہی محلات کو لوٹا۔ بادشاہ کو اندھا کر دیا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے سندھیا کو شکست دے کر دہلی کے نواحی علاقوں پر کمپنی کا اقتدار قائم کر دیا۔ شاہ عالم ثانی کی حکومت محل کے اندر محدود ہو کر رہ گئی۔[۵۳]

۵۱۔ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ طبع پنجم ص ۱۸۰

۵۲۔ ایضاً طبع ہفتم ص ۲۸۵-۲۸۶

۵۳۔ ایضاً ایضاً ص ۱۸۲

بنگال۔ انگریز۔ اور بادشاہِ دہلی

جنگ پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں شکست فاش کھانے کے بعد شمالی ہند میں مرہٹوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ اور وہ دکن میں آپس کے جھگڑوں میں الجھ گئے۔ لیکن بنگال میں مقامی غداروں کی وجہ سے مسلمان نوابوں اور حکمرانوں کا زوال ہوگیا اور وہاں انگریزوں کی حکومت مستحکم ہوگئی۔ حتیٰ کہ بادشاہِ دہلی کو بھی ان کی پناہ میں آنا پڑا۔ ۱۷۶۴ء میں جنگ بکسر ہوئی۔ جس میں انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی میر قاسم بھاگ کر حافظ الملک کی پناہ میں آگئے۔ جہاں انھوں نے پانچ سال گذارے۔ شاہ عالم بادشاہِ دہلی نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ شجاع الدولہ نے صلح کر لی۔

۱۷۶۴ء۔ ۱۷۶۵ء میں نواب نجیب الدولہ پہ جاٹوں اور مرہٹوں نے حملہ کیا اور جاٹوں نے سکھوں سے بھی مدد لی۔ نجیب الدولہ نے حافظ الملک سے مدد مانگی انھوں نے مدد دی لیکن قبل اس کے کہ کوئی فیصلہ کن جنگ ہو۔ احمد شاہ درانی کی آمد کی خبر پہ جاٹوں اور مرہٹوں نے نجیب الدولہ سے صلح کر لی۔ اسی دوران میں شجاع الدولہ انگریزوں کے ہاتھوں سے چند اور شکستیں اٹھانے کے بعد بصد ناکامی اور نامرادی بریلی آگئے۔ بعد ازاں حافظ الملک کی مدد سے انگریزوں سے صلح کر لی۔ اس صلح کی شرائط اچھی نہ تھیں اور یہ حافظ الملک کی سیاسی غلطی تھی۔ کیونکہ شجاع الدولہ کا انگریزوں کے زیر اثر آجانا ہی دراصل روہیل کھنڈ کی حکومت کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ انگریزی قرضہ کا بار اتنا گراں تھا کہ وہ کبھی ادا نہ ہوا۔ اور اسی کے باعث اودھ اور روہیل کھنڈ دونوں پہ تباہی آئی۔

فصل ۳

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

(مشائخ کرامؒ کے نقطۂ نظر سے)

مذکورۂ بالا حالات کے پیش نظر ہم مختصراً وہ اسباب بیان کرتے ہیں جو ہمارے مشائخ کرامؒ کے دینی نقطۂ نظر سے برصغیر کے برادرانِ اسلام کے زوال کا اصل سبب تھے۔ (ہمیں یہاں سیاسی اسباب سے غرض نہیں ہے) یہ اسباب مسلمانوں کے قومی وقار و استحکام اور ان کی اخلاقی و روحانی قدروں کے منافی تھے۔ یہی اصلاح طلب امور تھے انھی کی جانب مشائخِ کرام نے ہمیشہ خاص توجہ کی۔ اور انھی کی اصلاح کے لیے حضرت نیاز بے نیازؒ کو بریلی میں مامور کیا گیا وہ اسباب مختصراً یہ تھے:۔

(۱) عشق خدا و رسولؐ کے بجائے مال و زر کی طمع اور جاہ و اقتدار کی ہوس نے مسلمانوں کے دلوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔

(۲) مسلمانوں کے دلوں میں سے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اہمیت مفقود ہو چکی تھی۔ بالخصوص "اولی الامر منکم" کی۔

(۳) تعمیر قومیت اور فروغِ ملّت کے جذبے کا فقدان۔

(۴) غیر اقوام کے ساتھ بے جا رواداری اور اپنوں سے غداری۔

(۵) شیعہ سُنّی منافرت۔

(۶) غیر مسلموں میں روحِ اسلام کے بجائے فرقہ پرستی کی تبلیغ میں تمام فرقے مصروف رہے جس کی وجہ سے ان میں یک جہتی کے بجائے ہمیشہ انتشار رہا۔

(۷) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت اور ان کے ادب و احترام میں کمی

(جس کی سزا اللہ ضرور دیتا ہے، انفرادی بھی اجتماعی بھی)۔

(۸) اولیاء اللہ، مشائخ کرام اور علماءِ حق کی تعلیمات سے روگردانی اور ان کے کارناموں کی قدر افزائی سے بادشاہوں، نوابوں، جاگیرداروں اور دیگر اہلِ ثروت حضرات کی غفلت (اِلّا ماشاء اللہ)

(۹) قوم کے لیئے ایثار و قربانی کا فقدان، خود غرضیوں کی ترقی۔

(۱۰) محنت و مجاہدے سے گریز، تضیعِ اوقات کی عام وبا۔

(۱۱) عیاشی اور شراب نوشی کا غلبہ، عام اخلاقی تنزل۔

(۱۲) مخالفین اسلام کی سازشیں (اسلام مسلمانوں اور ان کی فرمانروائی کے خلاف) اور خود مسلمانوں کا ان سے غافل رہنا۔

(۱۳) محلاتی سازشیں (جن میں مخالف قوموں اور جماعتوں کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا لیکن خود غرض اور انجام سے غافل مسلمان کچھ نہیں سمجھتے تھے)۔

(۱۴) اصلاح معاشرہ کی بنیاد اصلاح قلب پر قائم ہے۔ (قد افلح من ذکّٰها و قد خاب من دسّٰها۔ القرآن) اس کی کوشش صرف فقراء و مشائخ کرام کرتے تھے لیکن دیگر جماعتیں تعاون کے بجائے ان کی مخالفت اور اپنی کوششوں کو فضول علمی بحثوں تک محدود رکھتی تھیں۔

ان کے علاوہ چند اسباب دینی و اخلاقی اور بھی تھے۔ لیکن ہم بخوف طوالت انھیں حذف کرتے ہیں۔ اسی طرح سیاسی، اقتصادی، ملکی، قومی اور بین الاقوامی مسائل بھی زوال کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن ہمارے موضوع سے ان کی بحث خارج ہے

فصل ۴

وضاحت اسباب

مذکورۂ بالا اسباب کی مکمل وضاحت کے لیے سینکڑوں صفحات بھی ناکافی ہیں۔ لہٰذا ہم بطور مثال یہاں صرف پہلے دو اسباب کی کچھ وضاحت کریں گے۔ اور اسی ضمن میں حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اور ان کے اشیاخِ کرامؒ کی خدمات کا ذکر محض اشارتاً کریں گے۔ تاکہ ان کی اہمیت بھی واضح ہو سکے۔

پہلا سبب:۔ یہ تھا کہ زیرِ تبصرہ دور کے اکثر مسلمانوں کے دلوں پر عشقِ خدا و رسولؐ کی جگہ مال و دولت کی حرص اور جاہ و اقتدار کی ہوس کا قبضہ تھا حالانکہ ہماری دینی تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپؐ نے ایسی شخصیتیں تیار فرمائیں جن کے دل عشقِ خدا و رسولؐ میں سرشار تھے۔ جو رسول اللہؐ کے دیوانے اور تعلیماتِ رسولؐ کے پروانے تھے۔ جنھوں نے ساری دنیا کے سامنے اپنی سیرت و کردار کے ایسے پاکیزہ اور اعلیٰ نمونے پیش کیے، کہ دنیا کی ہٹ دھرم قوموں نے بھی ان کے قدموں پر سر جھکا دیے۔ اسلام اور سیرتِ نبویؐ کو بصدقِ دل اختیار کر لینے والوں میں نہ صرف جانبازی و سرفروشی کے جذبات اجاگر ہوئے بلکہ ان کے اندر اعلیٰ ترین اخلاقی و انسانی اوصاف پیدا ہو گئے۔ مثلاً جراءت و پامردی، ایثار و قربانی، اخوت و مساوات، جوشِ ایمانی و ذوقِ عرفانی، خوفِ آخرت، ضبط و تنظیم، محنت و جفاکشی، باہمی محبت و ہمدردی، خلوص و اخلاص، تواضع و انکساری سادگی و صداقت وغیرہ وغیرہ۔ "وہ صرف خدا و رسولؐ کی خوشنودی کے لیے زندہ رہنے اور انھی کے عشق میں مرجانے کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ اور ان کا ہر عمل

اسی جذبے کا ثبوت دیتا تھا۔

مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفتہ رفتہ ایسا مثالی معاشرہ تیار کیا جو خدا کی منشاء کے مطابق، حضورؐ کا پسندیدہ اور اسلام کا مقصود تھا۔ اس مثالی معاشرے کے افراد "صحابہ کرامؓ" کہلائے جن کا جواب تا قیامت نظر نہیں آسکتا۔

ان مخلص مسلمانوں نے دنیا کی نعمتوں کو ہیچ اور فانی سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا۔ اور صرف خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کو دونوں جہان کی نعمت عظمیٰ سمجھ کر اسی کے حصول کے لیے تن من، دھن، غرضیکہ عزیز سے عزیز شے کی بازی لگا دی تھی۔ یہ سب عشق حقیقی کا نتیجہ تھا اسی عشق کی بدولت ان میں قرآن و سنّت پر عمل کا پرخلوص جذبہ پیدا ہوا تھا۔ اور وہ عظیم المرتبت "انسان" بن گئے تھے۔

بے شک اس دور میں مخالفین اور منافقین بھی تھے۔ لیکن ہم یہاں جانثارانِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ذکر کر رہے ہیں کیونکہ اکثریت انھی کی تھی۔

ب۔ دورِ توسیع

دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد مملکت اسلامیہ کے حدود کی توسیع کا دور آیا۔ توسیع کے لیئے غیر ممالک کی تسخیر ضروری تھی۔ لہذا اس مقصد کے حصول کے لیئے عوام و خواص میں جاہ و اقتدار اور زر، زمین وغیرہ کی طمع کا جذبہ بیدار کرنے کی تدبیریں اختیار کی گئیں۔ اسلام کے پرانے جاں نثاروں کی جگہ نئے حکمران نئے نئے نظریوں کے ساتھ آگئے۔ اور اپنے نظریات کی اشاعت اسلام کے نام پر کی۔ اس دور کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج مسلمانوں کے قدموں میں تھے۔ اور ان کے ممالک کو فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا گیا۔

اس طرح حدودِ مملکت تو وسیع ہو گئیں لیکن چند خرابیاں بھی ملت اسلامیہ کے وجود و خلوص میں داخل ہو گئیں۔ مثلاً صحابہ کرامؓ کی سادگی کی جگہ امیرانہ ٹھاٹ اور رئیسانہ تزک و احتشام نے لے لی۔

(۲) ان کے سوزشِ عشق میں جو خلوص اور للہیت تھی اس کی جگہ ہوسِ ملک گیری اور طمع زر "نژادِ نو" کے دل و دماغ پر قابض ہو گئی۔

(۳) دینی اقدارِ حیات پر دنیوی اقدارِ زندگی کو ناجائز حد تک غالب رکھنے ہی کو اسلام سمجھا اور سمجھایا گیا۔ حتیٰ کہ

(۴) اولادِ رسولؐ، اہلبیتِ نبویؐ اور جاں نثار صحابہ کرامؓ کو انتہائی جور و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔

(۵) خلافت علیٰ منہاج النبوت کو ختم کر کے اس کی جگہ ملوکیت اور قیصر و کسریٰ کے طرز کی حکومت قائم کی گئی اور اسی کو "اسلامی حکومت" یا "خلافت" کہا گیا۔

(۶) رفتہ رفتہ ملتِ اسلامیہ دو حصوں یا گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک نے سیاست کو اپنا لیا اور دوسرے نے جس میں گروہ اوّل الذکر کے ستائے ہوئے افراد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ پاک اور مقرب صحابہ کرام و تابعین وعزیز تھے) دینی اقدارِ حیات کی حفاظت، غوامض قرآن کی اشاعت، اور اصلاحِ قلوب کے فرائض اپنے ذمہ کر لیے۔ اس طرح ملت دو مختلف راستوں پر چل پڑی۔ اور کم و بیش یہی صورت حال آج تک جاری ہے۔

درمیانی زمانے میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں ایک حد تک دونوں راستوں کا اتصال۔ یا کم از کم قرب۔ پایا جاتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی دونوں گروہوں کا دائرۂ کار الگ رہا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دینی گروہ کو سیاسیات سے قطعًا کوئی دلچسپی نہیں رہی اور سیاسی طبقہ کے افراد دینی حقائق سے بالکل بے بہرہ رہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اتصال یا قرب کی مثالیں نہ ملتیں۔ ذی عقل مسلمانوں نے ہمیشہ اس امر کی شدید ضرورت

محسوس کی ہے اور کرتے رہیں گے۔ کہ خلافت راشدہ کا سا دور پھر واپس آنا چاہیئے۔ کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے وہی ہمارا عظیم المرتبت سنہری دور تھا۔ لیکن اس خواہش کے باوجود حکمران طبقہ کے افراد اور اہلِ سیاست اس دور کی خوبیاں اپنے اندر پیدا نہ کر سکے۔ اِلّا ماشاءاللہ۔

مشائخ کرام کا راستہ

مشائخ کرامؒ کے مستند خانوادے جو شروع ہی سے بہ اعتبار حسب ونسب یا کم ازکم روحانی طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد سے رابطہ قائم کیئے ہوئے ہیں اور ان کی خاص روحانی واخلاقی تعلیمات کے امین ہیں۔ اور جنھوں نے ان ہی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور مخلوق خدا کو، بذریعہ اصلاح قلب، خدا تک پہنچانے یا کم ازکم ان کی عاقبت درست کر دینے کے فرائض اپنے ذمہ لے رکھے ہیں۔ رسول اللہؐ کی خاص امانت پر خالص دنیوی سیاست کو ترجیح نہیں دے سکتے وہ اپنے نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کی خدمت کرتے ہیں۔ لیکن کسی طبقہ کے ساتھ مدغم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کے فرائض اور ان کی دولت ایمانی و دینی خالص زر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور کون ہے جو اپنے خالص سونے کو خاک کے عوض بدلنے یا اس میں کسی قسم کی ملاوٹ کر کے اسے کھوٹا بنانے کے لیئے تیار ہو جائے گا۔ مغز قرآن اور روحِ دین ان ہی بزرگوں کے پاس رہا اور ان ہی سے مل سکتا ہے۔

منور قبلہ شاہ نیازؒ بے نیاز علوی بریلوی قدس سرہ العزیز، علوی سیّد، نورانیتِ روحانیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم المرتبت علم بردار، برصغیر میں فلک قادریت کے آفتاب، آسمان سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے درخشندہ ماہتاب، اپنے دور میں شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت کے بے مثال ماہر اور عدیم النظیر رہنما تھے دینی تاریخ میں آپ کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ کے خاندان میں

جو خزانۂ معرفت ہے وہ شاید ہی کہیں ہو اس لیئے ملک کے پانچ چار مشہور خانوادے آپ کے سلسلے میں مدغم ہو چکے (تفصیل آگے بیان ہوگی۔ آپ کے اہلِ خاندان اور خلفاء کی خدمات بھی بیش بہا ہیں۔ جو انشاءاللہ موقع ملنے پر بیان ہوں گی۔

(۲) دوسرا سبب، حسبِ فہرست یہ ہے کہ مسلمان بالعموم "اطیعواللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم" پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اس سبب کی وضاحت میں بھی زیادہ تر وہی مذموم امور آتے ہیں۔ جو پہلے سبب کے تحت بیان ہوئے ہیں۔ تاہم دو نکتے مزید قابلِ ذکر ہیں۔ اول یہ کہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم۔ خدا و رسولؐ کی اطاعت کے بعد بیان ہوا ہے کم از کم اس کے ساتھ مربوط ہے۔

(دوم) یہ کہ مشائخ کرامؒ کے نظام بیعت و اطاعت کو اختیار کر کے ہی اطیعوا اللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم پر پوری طرح عمل ہو سکتا ہے کیونکہ:۔

(الف) نظام بیعت و اطاعت کا اصل نصاب تعلیم و تربیت ایک جامع مرکز (مرشد) کے گرد گھومتا ہے۔

(ب) اس نظام میں مثبت طریقوں سے شروع سے آخر تک جو عملی تربیت دی جاتی ہے اس کا مقصود حقیقی یہی ہے۔ کہ انسان اطاعت خدا و رسول اور اطاعتِ شیخ کا مجسمہ بن جائے۔

(ج) نظام مذکور، نفسیاتِ انسانیہ کے مطابق ہے کیونکہ اس میں ہی مریدوں کے سامنے ایک کامل اسوۂ حسنہ اور قابلِ تقلید نمونہ (یعنی ان کا شیخ) موجود رہتا ہے جس کی تقلید آسان ہوتی ہے[1]۔ اور چونکہ شیخ ہر لحاظ سے جانشین رسولؐ، بلکہ فانی

---

[1] یہ ضرورت فطری ہے اسی بنا پر ایک گروہ ختم نبوت کا منکر ہو کر مردود ہوا۔ دوسرے نے غائب امام کے انتظار کا عقیدہ اپنا لیا۔ دونوں کی ضرورت صرف ہمارے بزرگوں کی اطاعت اور ان کے نظام بیعت کو اختیار کرکے ہی پوری ہو سکتی ہے مرشدِ فانی فی الرسول ہو کر صحیح معنے میں جانشین رسولؐ ہوتا ہے

فی الرسول اور فانی فی اللہ ہوتا ہے (بشرطیکہ وہ واقعی ایسا ہو) لہٰذا مرید بھی آہستہ آہستہ اسی سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ (بشرطیکہ وہ ایسا بننا چاہے اور محبت و خلوص کے ساتھ اطاعت شیخ کرتا رہے)

(د) اس نظام میں اطاعت، محبت پر مبنی ہوتی ہے۔ جبر پر نہیں نہ دنیاوی طمع پر۔ کیونکہ مرید اپنی خوشی سے شیخ کا انتخاب کرتا اور اسے خدارسی کے لیئے وسیلہ بناتا ہے چنانچہ وہ ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتا، ہر محنت کو خوشی کے ساتھ اختیار کرتا اور ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیئے بخوشی تیار رہتا ہے۔ (اگر شیخ میں کوئی کمی ہے تو وہ خدا کے سامنے خود اس کا ذمہ دار ہے۔ مرید پر اس کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ مرید کا صرف اخلاص چاہیئے۔ انما الاعمال بالنیات)

(ھ) آیتہ مذکورہ میں خطاب "ایمان لانے والوں" سے کیا گیا ہے۔ (یا ایہا الذین آمنوا .... الخ) جو ہمارے عقیدے کے بموجب وہی افراد ہوتے ہیں جو کسی مخلص عاشقِ خدا اور رسول ؐ کو وسیلہ بنا کر محض اللہ کے واسطے، خلوص، محبت کے ساتھ اس کی اطاعت کریں (اور حسب استطاعت و ذوق مخلوق کی خدمت بھی کرتے رہیں۔ لیکن یہ خدمت خدا کی رضا کے لیئے ہو)

چنانچہ اولی الامر منکم (جو تم ایمان والوں میں صاحب حُکُم ہو) سے مراد شیخ طریقت ہی ہو سکتا ہے۔ یا ایسا سلطان یا حکمران بھی جو اللہ و رسول ؐ کی محبت میں فانی ہو جیسے خلفاءِ راشدینؓ تھے۔ اُن کے لیئے بھی بیعت و اطاعت بنیادی شرطیں تھیں، اور ہمیشہ رہیں گی۔

ہم جس دور سے بحث کر رہے ہیں اس دور کے حکمران و امراء و نواب وغیرہ سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور صرف اپنے اپنے دنیاوی مفادات کو بچانے کے لیئے ایک دوسرے کو مٹانے میں مصروف تھے۔ اور دل کھول کر آیتہ مذکورہ کے

احکام کے علاوہ آیتہ۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا و لا تفرقوا۔ کی خلاف ورزی کر رہے تھے لہٰذا انھیں راہِ راست پر لانے اور انھیں بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیئے مشائخ کرام اور ان کی تربیت گاہوں (خانقاہوں) کی سخت ضرورت تھی تاکہ ملک میں خون خرابہ بند ہو اور مخلوق کی پریشانیاں ختم ہوسکیں۔ ملک کے تمام مشائخ جہاں تک ان سے لیئے ممکن تھا اسی کوشش میں مصروف تھے۔ اور تاریخ شاہد ہے، کہ ان مشائخ کرامؒ نے وقتاً فوقتاً امیروں، جاگیرداروں، نوابوں اور بادشاہوں کو تنبیہی خطوط بھی لکھے ہیں اور انھیں عام مخلوق پر ظلم وستم کرنے سے ہمیشہ روکا ہے۔

دہلی میں اس دور ابتلا میں حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز نے اور ان کے خلفاء نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر قابل فخر خدمات انجام دیں، اور حضرت قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو روہیل کھنڈ میں مامور فرما کر آپ نے بڑے تدبر کا ثبوت دیا۔ کیونکہ اس وقت ہندوستان میں حکمران قوم مسلم کے وقار حکمرانی کی گرتی ہوئی دیوار کو اگر کوئی سنبھال سکتا تھا تو وہ بہادر دلیر روہیلے ہی تھے۔ اور انھی کی اصلاح وقت کا اہم ترین تقاضا تھا۔ جس طرح حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے انھیں سنبھالنے اور سنوارنے کی ان تھک کوشش کی ہیں وہ اپنی مثال آپ اور تاریخ کا روشن باب ہیں۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مذکورہ دور مصائب وابتلا میں اگر مشائخ کرامؒ بھی جنگ و جدال میں شریک ہوجاتے اور اپنے مخصوص پر امن طریقوں سے صلح کل کی تبلیغ کرکے مسلمانوں کو نہ سنبھالتے تو برصغیر پاک وہند میں ایک کلمہ گو فرد بھی باقی نہ بچتا۔ بلکہ سب ہی غیر مسلم سفاکوں کی سازشوں کے جال میں پھنس کر شہید ہوجاتے۔ یا غیر مسلم دشمنوں سے زیادہ خود مسلمانوں کے مختلف فرقے اپنی اپنی تلواروں سے ایک دوسرے کے گلے کاٹ کر رکھ دیتے۔ جو اتفاق سے باقی بچ رہتے۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا۔ ہندوستان میں

شیعہ سنی کے جھگڑے اسلام اور ملت اسلامیہ کے دامن پر قابل نفرت داغ ہیں۔ اور مشائخ کرام کے سوا کسی نے یہ احسن وجوہ منافرت کی خلیج نہیں پاٹی)۔

اکبر اور جہانگیر وغیرہ کے دور سے یہ دور[1] کہیں زیادہ خطرناک تھا۔ اور اس دور کے مصلحین و مجاہدین اور صوفیاء و مشائخ کرام کی خدمت دور اکبری و جہانگیری کے علماء و مشائخ کی خدمات کے مقابلے میں بہت زیادہ اہم تھیں کیونکہ،

اکبر اعظم اور شہنشاہ جہانگیر کا زمانہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے عروج اقبال کا زمانہ تھا۔ غیر مسلم اقوام پوری طرح مغلوب بلکہ مسحور تھیں۔ مسلمانوں میں فرقہ وارانہ خانہ جنگیاں زیادہ نہ تھیں۔ نہ فرنگی کا وجود تھا نہ حصول اقتدار کے لیئے فرنگی سازشوں کا ڈر۔ ملک میں امن تھا۔ ہر طرف ارزانی و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ صرف محلاتی سازشیں تخت نشینی کے لیئے ہوتی رہتی تھیں جن کا کوئی خاص اثر ملکی عوام کے مجموعی حالات پر نہ پڑتا تھا۔ کیونکہ محلاتی سازشیں چند روز میں ختم ہو جاتی تھیں۔ اور تخت نشین ہونے والا شخص فوراً استحکام سلطنت اور عوام کی خوشحالی کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ دور دراز کے علاقوں کے باشندوں کو زیادہ تر اپنے کام سے کام رہتا تھا۔ محلات میں کچھ بھی ہوتا رہے۔ ان کی روزمرہ کی زندگی بہت کم متاثر ہوتی تھی۔ مختصر یہ ہے کہ دور دراز کے علاقوں کے معاشرہ میں سیاسی، معاشی، دینی اور معاشرتی لحاظ سے دارالحکومت کے مقابلے میں نسبتاً بہت زیادہ ٹھہراؤ اور استحکام رہتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ بعض مشیرانِ اکبر کی ملحدانہ دینی تحریک شاہی محلات اور چند امرائے دربار تک ہی محدود رہی۔ اور جلد ہی اپنی موت آپ مرگئی۔ زیادہ سے زیادہ چند درجن قابل ذکر افراد کے ایمانوں پر ڈاکہ پڑا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ ان میں بھی

---

[1] یعنی حضرت قبلہ شاہ نیاز احمدؒ اور ان کے اشیاخ کرامؓ کا دور۔

شہنشاہ سمیت محض دس پندرہ نفوس نے ہی شاہی مذہب کو خلوصِ نیت کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ باقی تو موقع پرست تھے۔ جنھوں نے شاہی عتاب سے بچنے یا اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے نئے عقائد کی حمایت کی تھی۔ چنانچہ خود جہانگیر مذہبی عقائد میں اکبر کا ہم خیال نہ تھا۔[۵۱] اسلام کی روح تو ہمیشہ غریبوں میں بیدار رہی۔ اور انھی میں رہے گی۔ شہنشاہوں اور امراء کو بہ استثنائے چند۔ نہ کبھی صحیح معنیٰ میں اسلام سے پورا تعلق رہا ہے نہ رہے گا۔ ان کی اصلاح کی کوشش کے مقابلے میں عامۃ المسلمین کے دلوں کی اصلاح کی کوشش زیادہ اہم، زیادہ مفید اور اور زیادہ ضروری ہوتی ہے اسی لیئے خانقاہی تربیت کو بعض ذی علم حضرات نے "عوامی تحریک"[۵۲] کہا ہے اور خانقاہوں نے معاشرہ کی اصلاح میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں ہی معاشرے کی اخلاقی بنیادیں استوار ہوئیں اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا سامان بھی مہیا ہوتا رہا۔

بہرحال جو زمانہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو ملا وہ ملکی دملی مصائب اور دینی و اخلاقی نقائص کا طوفانی دور تھا۔ جس میں نہ صرف غیر مسلم اقوام ہند انگریزوں کی مدد سے، مسلمانوں کی حکومت اور ان کے قومی وقار کے قلعہ پر ہر چہار طرف سے شدید حملے کر رہی تھیں بلکہ خود مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ایک دوسرے کو مٹانے اور مذکورہ قلعہ کی بنیادیں کھودنے میں مصروف تھیں۔ معاشرے کا ہر فرد "پراگندہ روزی پراگندہ دل" کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ ہر طرف بدامنی انتشار و ابتری لوٹ کھسوٹ، مفلوک الحالی

---

۵۱ دیکھو رود کوثر از شیخ محمد اکرم۔ اشاعت سوم۔ ص ۲۲۸

۵۲ ان معنیٰ میں کہ مشائخ کرامؒ زیادہ تر عامۃ الناس سے براہِ راست رابطہ رکھتے تھے۔ اور اپنے طرز کی مخصوص انفرادی و اجتماعی تعلیم و تربیت کے ذریعہ انھیں بہترین معاشرہ اسلامی کے بہترین افراد بناتے تھے۔ دیکھو تاریخ مشائخ چشت۔

تباہی و بربادی کے طوفان برپا تھے۔ اور خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں پر بجلیاں گرا رہے تھے۔

ان حالات میں جس طرح ایک حاذق طبیب گہرے زخموں کے مؤثر علاج کے لیئے داخلی اور خارجی علاج کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھ کر علاج کرتا ہے اسی طرح حضرت شاہ نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز نے بھی ایک "حاذق طبیبِ اخلاقی و روحانی" کی حیثیت سے ظاہری و باطنی دونوں قسم کے اسباب و عوامل کی جانب توجہ کی۔ اور بیک وقت تمام قسم کے امراضِ ملّی کے علاج میں تمام عمر منہمک رہے۔ آپ کے علاج کے طریقے وہی تھے جو آپ کے اشیاخ کرام، بالخصوص حضرت خواجہ خواجگاں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز اور ان کے سلسلے کے تمام مقتدر خلفاء و مشائخ نے حسبِ ضروریات وقت اختیار کیئے تھے۔ ان کا مفصّل ذکر ہم اپنی تصنیف "برصغیر میں چشتیہ سلسلہ" کے حصّہ اوّل و دوم میں کر چکے ہیں۔ اور جستہ جستہ اس کتاب میں بھی مناسب مقامات پر کرتے جا رہے ہیں۔

فصل ۵

اسی طرح مذکورۂ بالا فہرست اسبابِ زوال میں مذکور ہر سبب کی وضاحت اور اس کے پیشِ نظر حضرت نیازؔ بے نیازؒ اور ان کے دور کے مشائخ کرامؒ کی تعلیمات و خدمات بیان کی جا سکتی تھیں۔ لیکن بخوفِ طوالت ایسا نہیں کیا گیا۔ تاہم جہاں تک حضرت موصوف کا تعلق ہے اس تذکرے میں ان کی تعلیمات و خدمات اپنی اپنی جگہ اسی نقطۂ نظر سے بیان ہوئی ہیں۔

مذکورۂ بالا اسبابِ زوال میں بعض اسباب کا تعلق حکومتِ وقت سے تھا اور انھیں رفع کرنا اربابِ حکومت کی ذمہ داری تھی۔ مثلاً نظم و نسق کی خرابیاں، حفاظتی

تدابیر کے نقائص، امن و قانون کی بالادستی میں کمی، غیر اسلامی عقائد اور فرقہ پرستی کے زہر کو پھیلنے سے نہ روکنا ۔ وغیرہ وغیرہ یہ تمام نقائص برصغیر میں مسلم حکومت اور بعد ازاں مسلمانوں کے عام زوال کے خاص اسباب بن گئے ۔

حکمرانوں کی ناقص طرز حکومت اور ان کی غفلت شعاری کے باوجود اس دور کے مشائخ کرامؒ نے افراد معاشرہ کے دلوں کی اصلاح کرنے کی انتھک کوشش کر کے بالواسطہ طور پر نہ صرف حکمرانوں پر بلکہ ملک و اقوام ہند پر احسان عظیم کیا ۔ کیونکہ اصلاح قلب ہی خدا کی بتائی ہوئی صحیح راہ تھی ۔ اور اسی سے معاشرہ درست ہو سکتا تھا ۔

ان مساعی حسنہ کے علاوہ اس دور کے مشائخ چشتیہ نے ان دو قوتوں کا زور توڑنے کی بھی اپنے طور پر پر امن کوشش کی ۔ جو ملتِ اسلامیہ کے بالعموم اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے بالخصوص ، پرخچے اڑانے میں مصروف تھیں یہ "قوتیں" حسبِ ذیل تھیں :۔

(اول) شیعوں اور سنیوں کے درمیان شدید منافرت ۔

(دوم) اسلام اور مسلمانوں سے ہندوؤں کی قدیم دشمنی

یہ دونوں مخالف قوتیں ان انفرادی روحانی و اخلاقی امراض کے علاوہ تھیں جن کے استیصال کی کوشش مشائخ کرام کے ذمے تھی ۔

مذکورۂ بالا دونوں قوتیں حسبِ ضرورت مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں اور انگریزوں سے سازباز کرتی رہتی تھیں اور برصغیر میں مسلم حکومت کے استحکام پر ضرب کاری لگا رہی تھیں ، یہ "قوتیں" محلاتی سازشیوں اور قومی غداروں سے سازباز کرتیں اور زیادہ تر انھی کی مدد سے کامیاب رہتی تھیں ۔ سلطنت مغلیہ کے خاص وزراء، امراء اور کارندے بڑی بڑی مہموں میں الجھے رہتے تھے ۔ اور عام مسلمانوں کو یا تو اس زہر کی خبر نہ تھی جو "مذکورہ قوتوں کے ذریعہ" ان کے قومی وقار، استحکام اور قوت کو آہستہ آہستہ

ختم کر رہا تھا یا وہ تن آسانیوں میں مبتلا ہو کر متحد و منظم ہونا اور ان مخالف "قوتوں" کو بے اثر بنانے کی جد و جہد کرنا بھول بیٹھے تھے۔ بہر حال، جو صورت تھی، بے حد خطرناک ثابت ہوئی۔

معاصر مشائخین البتہ حسبِ معمول اپنے اصولوں کے مطابق پرامن اصلاحی جد و جہد کرتے رہے۔ جو قرآن و سنت کی روشنی میں بعض نزاعی عقائد کی صحیح غیر جانبدارانہ اور وسیع النظر وضاحت۔ فروغ وحدت ملی کی تدابیر۔ صلح کل اور رواداری کے ذریعہ مخالفین کے دلوں کی تسخیر۔ وسعت اخلاق۔ درس عشقِ حقیقی۔ حرص جاہ، ہوس زر اور سازشوں سے نفرت کی تعلیم۔ فروغ انسانیت اور جذبۂ ملت کی ترغیب وغیرہ کے لیئے ان تھک کوششوں پر مشتمل تھی۔ ان معنیٰ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشائخ کرام رح کی جد و جہد عملاً "سیاسی" بھی تھیں (کیونکہ اس سے مسلمان حکمرانوں کو صالح معاشرہ ملنے کی توقع اور استحکام حکومت کی امیدیں وابستہ تھیں۔ لیکن اس جد و جہد کی بنیاد خالص سیاسی نہ تھی بلکہ دینِ اسلام امن اور اخلاق و روحانیت پر قائم تھی۔ کیونکہ انھی نعمتوں سے بندگانِ خدا کو بہرہ مند بنانا مشائخین کا اوّلین فریضہ تھا۔

بہرحال اس دَور کے مخالف، داخلی وخارجی عوامل اور دوسرے نصب العین کی دشمن قوتوں کو بے اثر بنانے کے لیئے مذکورۂ بالا تعمیری کوششوں سے زیادہ پرامن کوششیں کوئی دوسری نظر نہیں آتیں۔

حضرت نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز نے بھی اپنے اشیاخ کرام رح کے اصولوں پر عمل کیا۔ اور بحیثیتِ مجموعی ان تمام خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی، جو اوپر مذکور ہوئیں۔

باب ۱۵

دونوں سلسلوں کی جانشینی اور بعض دیگر امتیازی فضیلتیں

حضرت مولانا شاہ فخر الدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز نے حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی مسند مبارک اور تکیہ جن میں کھجور کی چھال کے ریشے بھرے ہوئے ہیں مرحمت کیا اور اپنے سر مبارک سے دستار اتار کر حضرت نیاز بے نیاز کے سر پر رکھی اور انھیں اپنا سجادہ نشیں کر کے بریلی میں مامور فرمایا۔ مسند اور تکیہ کے علاوہ اپنی تسبیح۔ عصا اور نیمچہ بھی مرحمت فرمایا۔ چنانچہ وہ دستار مبارک جس پیچ کے ساتھ حضرت مولانا کے سر پر تھی اسی پیچ کے ساتھ آج تک مع دیگر تبرکات کے خانقاہ عالیہ نیازیہ بریلی شریف میں موجود ہے۔

(الحمد للہ۔ ناچیز مؤلف کو مذکورہ تبرکات کی زیارت کرنے اور انھیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ دستار مبارک کو ایک شیشہ کے کیس کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ اس کے پیچ برقرار رہیں اور زائرین ہاتھ نہ لگا سکیں)

کرامات نظامیہ میں ایک جگہ حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ العزیز کی تقریب جانشینی کے سلسلہ میں یہ عبارت موجود ہے۔

"...... جب آپ کی (یعنی حضرت شاہ نظام الدین حسین رحمتہ اللہ علیہ کی) عمر پندرہ برس کی ہوئی تو ایک تاریخ معین کر کے حضور قبلہ نے اپنے خلفا اور معزز مریدین کو جمع کیا اور حضرت کو بزور اور زبردستی اپنی مسند پر بٹھایا اور دستار اپنے سر مبارک سے اتار کر حضرت کے سر پر رکھی اور سامنے کھڑے ہو کر اپنے

دونوں ہاتھوں پر دو روپے رکھ کر نذر کئے اور فرمایا کہ یہ دو روپے یومیہ دہ ہیں
جو مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ نے دستار خلافت اور مسند عطا کرتے وقت دیئے تھے
مولوی عبید اللہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضور دو روپیہ روز میں ان کا کیونکر کام
چلے گا۔ ارشاد ہوا کہ یہ بھی اپنی قسمت کا کچھ ساتھ لائے ہیں۔ پھر مولوی صاحبؒ
نے عرض کیا کہ انجاحِ مطالب مخلوق کا کیا بندوبست ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ اس
کا ضامن میں ہوں [1]۔"

اس عبارت سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں لیکن ہمیں فی الحال یہ بتانا مقصود ہے
کہ حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ نے حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کو دستار
خلافت اور مسند عطا کرتے وقت، دو روپے بھی بطور نذر مرحمت فرمائے تھے۔
اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مولاناؒ نے حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیازؒ کو دستارِ خلافت
مرحمت فرماتے وقت ہی اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ کیونکہ اس طرح رسم جانشینی کے بعد
نئے جانشین ہی کو نذر پیش کی جاتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز کی جانشینی درحقیقت
خواجۂ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز
کی جانشینی تھی کیونکہ حضرت مولاناؒ ہی حضور خواجۂ بزرگ اجمیریؒ کے صحیح جانشین تھے۔

(سیدنا و مولانا حضرت سید عبد اللہ بغدادی قادری قدس سرہ العزیز کی جانشینی
اور حضورؒ کے خاص تبرکات جانشینی کی، خانقاہ نیازیہؒ بریلی میں موجودگی کا ذکر پہلے
ہو چکا ہے [2])

---

[1] کرامات نظامیہ۔ حالات حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین حسینؒ

سلاسل قادریہؒ و چشتیہؒ کی جانشینی اور دیگر امتیازات خصوصی جو سلسلہ نیازیہؒ کو حاصل ہیں :

اس طرح یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ برصغیر پاک و ہند میں اس کے دو جلیل القدر سلاسل طریقت، یعنی سلسلۂ قادریہؒ اور سلسلۂ چشتیہؒ کی صحیح جانشینی حضور قبلہ شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز کی ذاتِ والا صفات میں مجتمع ہو گئی۔ اور ان کے بعد یہ شرف صرف ان کے جانشینوں کو پہنچتا ہے۔

تبرکات جانشینی اور تحریری ثبوت (مخصوص عبارت خلافت نامہ، و کراماتِ نظامیہ وغیرہ) کے علاوہ تین اہم امور اور بھی ایسے ہیں۔ جن کا شرف صرف سلسلۂ نیازیہؒ کو امتیازی خصوصیات کی حیثیت سے حاصل ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(اول) صرف سلسلۂ نیازیہؒ کے جانشینوں کو چار درباروں سے یعنی حضور خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیریؒ۔ حضرت مخدوم صاحبؒ۔ حضرت محبوب پاکؒ اور حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ۔ قدس اسرارہم کے درباروں سے ہر سال عرس کے موقع پر "خلعت" (دستار مبارک، ایک چادر اور خاص تبرک فاتحہ جو زمانہ قدیم سے مقرر ہے) آج تک مرحمت ہوتی ہے۔

(واضح رہے کہ مذکورہ "خلعت" ان درباروں سے سلسلۂ نیازیہؒ کے سجادہ نشین کے سوا اور کسی کو عطا نہیں کی جاتی۔)

(دوم) یہ کہ برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ نیازیہؒ کو حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو قرب (بعض واسطوں کے لحاظ سے بالخصوص بواسطہ سیدنا حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رضی اللہ عنہ) حاصل ہے وہ برصغیر کے کسی دوسرے خانوادہ کو حاصل نہیں ہے۔

(سوم) یہ کہ برصغیر کے بعض مشہور خانوادے آہستہ آہستہ سلسلۂ نیازیہ" میں ضم ہو گئے۔ یا ان کے کسی نہ کسی بزرگ نے کسی نہ کسی مرحلے پر سلسلۂ نیازیہ" سے رجوع کر کے فیض حاصل کیا اور اپنے سلسلے کو ختم ہونے سے باز رکھا۔ ت

مذکورہ بالا تمام امور سلسلۂ عالیۂ نیازیہ" کی امتیازی فضیلت کے ناقابل تردید ثبوت ہیں اور حضور قبلہ (شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز) انہی تمام امتیازات خصوصی کے ساتھ اپنے مرشد عالی منزلت حضرت محب النبی مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز کے حکم سے سنہ ۱۱۹۰ھ اور سنہ ۱۱۹۲ھ کے درمیان کسی وقت بریلی تشریف لائے [1] اور وہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

[1] سنین کا تعین قرائن کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سال دو سال کا فرق ہو (مصنف)

باب ۱۶

قیامِ بریلی

(فصل - ۱)

ابتدائی انتظامات

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے والد ماجد حضرت شاہ محمد رحمت اللہ حکیم الٰہی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں قاضی القضات کے عہدے پر فائز تھے چنانچہ جب حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ کو بالنس بریلی میں مامور فرمایا گیا تو شفقت پدری سے مجبور ہو کر آپ منصب قضا سے مستعفی ہو گئے اور اپنے اہل و عیال و ملازمین کے ساتھ بریلی تشریف لے آئے [۱]

مؤلف ناز و نیاز کے قول کے مطابق حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ نے پہلے "بی بی جی کی مسجد" [۲] محلہ بہاری پور میں قیام کیا۔ اور حضور کی والدہ ماجدہ جناب بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ، برمکان "بی بی جی" صاحبہ، جو "صاحبزادی حافظ الملک (حافظ رحمت خاں) کی تھیں اور معتقدہ جناب شاہ غریب نواز صاحبہؒ کی تھیں، رونق افروز ہوئیں [۳] لیکن مسعود نظامی صاحب کی تحقیق ہے۔ کہ

---

[۱] کرامات نظامیہ صفحہ ۱۷

[۲] یہ مسجد آج بھی اسی نام سے محلہ بہاری پور میں موجود ہے

[۳] ناز و نیاز صفحہ ۱۵

بی بی جی صاحبہ حافظ الملک کی بیٹی نہیں بہن تھیں۔ نیز یہ تحقیق بھی انہی کی ہے کہ "خانقاہ نیازیہؒ بریلی شریف کی روایات میں محلہ بانکے کی چھاؤنی میں زنانخانہ بتایا جاتا ہے۔" اور بقول موصوف "یہی روایت زیادہ قابل قبول ہے۔ آپؒ کے قدیم ترین مریدین چھاؤنی والے تھے ۔[۱]

ممکن ہے کہ ابتدا میں چند روز بی بی شاہ "غریب نواز" صاحبہ اور دیگر خواتین خاندان کو حافظ الملک کی ہمشیرہ "بی بی جی صاحبہ" نے اپنے مکان پر بطور مہمان ٹھہرانے کا شرف حاصل کیا ہو (کیونکہ وہ شاہ غریب نوازؒ کی معتقدہ تھیں) اور چند روز بعد بانکے کی چھاؤنی میں مستقل سکونت کا انتظام ہو جانے پر زنانخانہ وہاں منتقل ہوگیا ہو۔

چنانچہ یہ قیام محض مہمانی کے سلسلے میں "عارضی قیام" ہو سکتا ہے کیونکہ حضور شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز امرا و سلاطین کی صحبت سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنے صاحبزادہ وسجادہ نشین (حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ العزیز) کے خلافت نامہ میں یہ عبارت شامل کرائی ....

ولا یصاحب السّلاطین والامراء۔ یعنی (تمھیں وصیت کی جاتی ہے کہ) سلاطین وامرا کی صحبت اختیار نہ کرو۔ [۲] لہٰذا حضرتؒ کب گوارا کر سکتے تھے کہ اپنے زنانخانہ کو "شاہی محل" میں مستقلاً مقیم کرائیں۔ یہ وجہ بھی وہاں کے قیام میں مانع تھی کہ اس دور میں سیاسی سازشیں اور افراتفری کا زور تھا۔ لیکن فقرا ان امور سے دور رہتے ہیں۔

---

[۱] بیاض قلمی مسعود نظامی، خانقاہ نیازیہؒ۔ بریلی شریف

[۲] کرامات صفحہ ۵۷، پھر یہ عبارت سب کے خلافت ناموں کا لازمی جز دین گئی۔

فصل (۲)

بنائے خانقاہ وخس پوش مکانات

خاندانی روایات اور کرامات نظامیہ اس امر کی شاہد ہیں کہ چند روز بعد پورا خاندان بی بی جی کی مسجد کے قریب خوجی محلہ میں منتقل ہوگیا۔ وہاں خس پوش مکانات بنوائے گئے اور خانقاہ قائم ہوئی وہاں حضور شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اور آپ کے خاندان کے افراد نے مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ کے فیوض و برکات کی بدولت خوجی محلہ، محلہ خواجہ قطب کے نام سے مشہور ہوگیا۔

باب ۱۷

علم و عرفان کی محفلیں

یعنی مدرسۂ نیازیہؒ اور خانقاہِ نیازیہؒ کی برکتیں

مستقل سکونت کے انتظامات ہو جانے کے بعد حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز نے مدرسہ[1] و خانقاہ میں علم و عرفان کی محفلیں سجائیں اور اپنی جدوجہد اور ہمت و توجہ سے کام لے کر ان میں ایسی شمعیں روشن کیں جن کی نورانیت سے کیا مسلم کیا غیر مسلم کیا، دوست دشمن، اپنے بیگانے، سب کے دل و دماغ منور ہوئے اور عرصۂ دراز تک ایک طرف طالبان علوم ظاہری نے اپنے اپنے پسندیدہ مروجہ علوم درسیہ میں کمال حاصل کیا تو دوسری طرف تشنگان رموز باطنی نے اس کنز رموز حقیقی کے دریائے ناپیدا کنارسے، دور دراز ممالک سے آ آ کر نہ صرف اپنی پیاس بجھائی بلکہ خوب جی بھر کر سیراب ہوتے رہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ایک طرف تو آپ نے بی بی جی کی مسجد میں مدرسہ جاری فرمایا اور دوسری طرف اپنے خس پوش مکان کے قریب ہی ایک

---

[1] بعض روایات کے موجب خانقاہ سے بہت پہلے مدرسہ قائم ہو گیا تھا۔ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

خس پوش خانقاہ قائم کی۔ دونوں کا حال الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

فصل (۱)

مدرسہ

(علوم مروجہ کی اعلیٰ تعلیم)

آپ معمولات سے فارغ ہو کر دو بجے تجدید وضو فرماتے۔ پھر مسجد تشریف لے جاتے۔ وہاں ظہر کی نماز پڑھاتے۔ جنوبی حجرے کے سامنے نشست گاہ رکھی وہاں ایک تخت پر حضورؒ تشریف رکھتے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ عشا تک تمام نمازوں کی امامت بھی فرماتے اور بعد عشا واپس خانقاہ تشریف لاتے اور پھر وہاں درس طریقت و معرفت کا سلسلہ شروع ہوتا۔ (مزید تفصیل آگے فصل (۲) میں بیان ہوگی) ملا جلال اور شرح چغمنی کے حواشی شاید اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ یہ علمی جواہر پارے خانقاہ نیازیہؒ بریلی میں محفوظ ہیں۔ مدرسہ آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا اور طلبا کی تعداد بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ اس کا شمار وقت کے مشہور علمی مرکز میں ہونے لگا۔ جہاں طب، فلسفہ، منطق، ہیئت، نجوم، ریاضی، حدیث اور تفسیر کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ اس لحاظ سے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مدرسہ ترقی کر کے کلیہ (کالج) کی حیثیت اختیار کر گیا تھا جہاں سے سیکڑوں طلباء فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ ثبوت کے لئے نیچے دو اقتباسات مع حوالہ دیئے جا رہے ہیں جن سے نہ صرف مدرسہ کی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے بلکہ خود بانی مدرسہ حضور شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی شخصیت اور آپ کے علمی تبحر کا بھی کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔

فصل (۲)

۱۔ سیرت سید احمد شہید، حصہ اول میں مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی، تیرھویں صدی کے باکمال مشاہیر رجال کی فہرست مرتب کرتے ہوئے روہیل کھنڈ میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی (م ۱۲۵۰ھ) کا ذکر "مذہبی زندگی کے آثار" کے تحت فرماتے ہیں کہ اوپر جن اکابر اہل درس اور اہل طریق کا ذکر ہوا ہے ان میں سے ہر ایک، ایک مستقل اور آباد مدرسہ و خانقاہ تھا اور کہیں کہیں یہ دونوں مرکز جمع تھے۔ دہلی۔ لکھنؤ۔ روہیل کھنڈ میں بریلی۔ رام پور۔ پیلی بھیت۔ شاہجہاں پور وغیرہ اس زمانے کے تعلیمی مرکز تھے جن میں سیکڑوں طلبا استفادہ و تحصیل میں مشغول تھے [۱]

۲۔ حضرت رح کے ایک شاگرد راجہ کندن لال اشکی الٰہی اپنے زمانہ قیام مدرسہ (۱۲۲۲ سے ۱۲۲۹ھ تک) کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"دیاد دارم کہ در ایام تحصیل، در بلدۂ بریلی قریب سہ صد کس طالب علم آشنائے این فقیر بودند" [۲]

راجہ صاحب کی اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب ایک منتہی کی ملاقات تقریباً تین سو طلبہ سے تھی تو نیچے کے درجوں میں پڑھنے والوں کی تعداد کئی سو ہو گی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مدرسہ مذکور میں ہندو بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے تھے جن میں راجہ منوں لال فلسفی (صاحب تصانیف کثیرہ) اور ان کے بیٹے راجہ کندن لال اشکی الٰہی بہت زیادہ مشہور ہوئے۔ ظاہر ہے کہ مدرسہ کی ترقی اور

---

[۱] سیرت سید احمد شہید۔ صفحات ۳۸-۳۹ منقول از بیاض مسعودی۔ بریلی

[۲] نزہتہ الناظرین در علوم اسلام۔ صفحہ ۶۲ ایضاً

اس کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے لحاظ سے نیز ہند و طلبہ کے پیش نظر مدرسہ صرف مسجد تک محدود نہ رہا ہوگا بلکہ اطراف و جوانب کی بعض دیگر عمارات سے بھی کام لیا گیا ہوگا۔

مکرمی مسعود صاحب نے اپنی بیاض میں چند مشہور فارغ التحصیل شاگردوں کے نام دیئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔ یہ حضرات معدودے چند سہی لیکن کئی ہزار پر بھاری ہیں۔ منتخب اشخاص کی تعداد قلیل ہی ہوا کرتی ہے۔

۱۔ حضرت شاہ غلام فخرالدین حسین صاحبؒ (برادر زادہ و متبنیٰ حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ قدس سرہ العزیز) فقہ حدیث تفسیر اور تصوف میں صاحب کمال ہوئے۔

۲۔ حضرت شاہ نظام الدین حسین صاحبؒ (خلف اکبر و جانشین حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز) فقہ۔ حدیث۔ تفسیر و تصوف میں خاص تعلیم کے حامل ہوئے۔ خلافت نامہ کی عبارت ـــ علمناہ من لدنا علما ـــ تعلیم تصوف و روحانیت کے معیار کی مظہر ہے۔[۱]

۳۔ حضرت شاہ آل رسولؒ صاحبؒ مارہروی۔ منتہی کتب درسیہ[۲]

۴۔ حکیم حسین علی صاحبؒ مرحوم ساکن بریلی۔ محلہ گڑھیا۔

۵۔ منشی علی بخش صاحبؒ سررشتہ دار بریلی۔ شاگرد و پرورش کردۂ حضرتؒ ان دونوں حضرات نے حضرتؒ سے طب پڑھی اور اس میں کمال حاصل کیا۔[۳]

۶۔ راجہ منوں لال فلسفی۔ صاحب تصانیف کثیرہ۔ ریاضی و فلسفہ میں کمال حاصل کیا۔

---

[۱] کرامات ص ۶ ـ ۷ و حملۂ صفدری ص ۳۴

[۲] ناز و نیاز۔ جلد اول۔ ص ۱۷

[۳] " " " ص ۳۸

اور فلسفی مشہور ہوئے۔ [1]

۷۔ منشی الملوک فخر الدولہ دبیر الملک۔ ہشیار جنگ راجہ رتن سنگھ زخمی لکھنوی [2] صاحب حدائق النجوم و سلطان التواریخ ـــ قاموس المشاہیر میں لکھا ہے کہ "انھیں فلسفہ میں کمال حاصل تھا۔" معقولات میں آپ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے اچھے شاگردوں میں تھے۔

۸۔ راجہ کندن لال اشکی الٰہی۔ (ان کا کچھ حال نیچے درج ہے)

۹۔ قطب الدولہ بہادر

۱۰۔ صدیق الاولیا حضرت عبید اللہ جی سم الٰہی منگ ضلع ہزارہ

یہ چند مشاہیر کے نام بطور "مشتے از خروارے" دیئے گئے ہیں۔ اس سے ہی آپ کی درسی و علمی خدمات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

راجہ کندن لال صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے۔ انھوں نے اپنی بیشتر تصانیف میں اپنے والد (راجہ منوں لال فلسفی (مذکورۂ بالا نمبر ۶) اور اساتذہ کا ذکر کیا ہے مکرمی مسعود صاحب معترف ہیں کہ ان کے لئے راجہ کندن لال کی تصانیف مضمون مرتب کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوئیں) ان تصانیف میں نزہت الناظرین (مجموعۂ رسائل) اور منتخب تنقیح الاخبار میں زیادہ تفصیل ملتی ہے۔

راجہ کندن لال ۱۲۱۲ھ میں بمقام بریلی پیدا ہوئے۔ والد کلکتہ جانے لگے تو انھیں حضرت نیاز بے نیازؒ کے سپرد کر گئے۔ وہ بھی یعنی راجہ کندن لال کے والد بھی) حضرتؒ کے شاگرد تھے۔ [3]

---

[1] منتخب تنقیح الاخبار (قلمی بیاض مسعودی)

[2] ناز و نیاز۔ ج اول۔ و حدائق النجوم (بیاض مسعودی)

[3] اس سے ثابت ہوا کہ حضرت نیاز بے نیازؒ کا مدرسہ بریلی عرصہ دراز (باقی صفحہ آئندہ پر)

ان کے کلکتہ جاتے وقت راجہ کندن لال کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ یعنی وہ ۱۲۲۷ھ میں حضرتؒ کے ظل حمایت میں آئے اور آپ کی خدمت میں دو سال رہے۔ آپ کے مدرسہ میں کتب متداولہ معقول اور بعض کتب ریاضی پڑھیں۔ جن کی تفصیل خود ان کی زبانی یہ ہے۔

۱۔ دو رسالے میر زاہد کے

۲۔ صدرا

۳۔ شمس بازغہ

۴۔ زبدۃ الہیئت

۵۔ اقلیدس کے تین مقالے [1]

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے "تذکرہ روز روشن" میں راجہ صاحب کے متعلق لکھا ہے "فنون معقولاتش مستحضر بودہ" یعنی استاد نے ایسا پڑھایا تھا کہ پھر کبھی نہ بھولے۔"

راجہ صاحب اپنے تمام اساتذہ میں سب سے زیادہ حضرتؒ سے متاثر تھے

(حاشیہ صفحہ سابقہ) تک قائم رہا۔ اور ان کے قدیم شاگردوں کی اولاد بھی وہیں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلی۔ اس سے زیادہ اہم یہ امر ہے کہ حضرت کی ذاتی نگہداشت و تربیت پر بڑے بڑے معزز ہندوؤں تک کو اتنا زبردست اعتماد تھا کہ وہ اپنی اولاد کو پردیس جاتے وقت حضرتؒ کے سپرد کر جاتے تھے اور وہ برسوں موصوف کی ذاتی نگرانی شفقت پدری سے بہتر شفقت و توجہ اور آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ اس سے معاشرے کے ماحول پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جس میں ہندو مسلم مغائرت یا تعصب دینی کا نشان بھی نہ تھا۔

[1] منتخب تنقیح الاخبار۔ ص ۱۴۲ ۔ ۱۴۳

جس ادب واحترام کے ساتھ وہ آپؒ کا نام لیتے ہیں وہ دوسرے اساتذہ کے ساتھ نہیں ملتا ہے۔ چنانچہ ان کے لئے عموماً ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں

مثلاً "قاموس ذخار معانی حکمیہ ، بحر محیط مطالب عقلیہ ،

مرکز دائرۂ علوم ، کاشف اسناد اخلاق و نجوم ،

محی سنن حکمائے متقدمین ، زبدۂ علمائے متاخرین ،

فخر فلاسفۂ نامدار ، افتخار علمائے عالی مدار ،

حضرت شاہ نیاز احمد صاحبؒ سرہندی "[۱]

راجہ صاحب بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ محض نزہت الناظرین آپ کی علمی قابلیت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ آپ کی تصانیف سے حضرت قبلہؒ کے استاد اور استاد کے استاد کا پتہ چلا۔ بی بی جی کی مسجد میں پڑھنے والے طلبہ کی تعداد کا اندازہ ہوا۔ حضرت قبلہؒ کے فیض صحبت سے راجہ صاحب کو تصوف اور علم حدیث کا چسکا لگا۔ طبیعت میں ہمہ گیری پیدا ہوئی۔ غرض کہ حضرت اقدسؒ کے فیض صحبت اور شرف شاگردی کی بدولت راجہ کندن لال اسم بامسمیٰ ہوگئے اور علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد بھی خانقاہ سے ایسا تعلق باقی رہا کہ جب وہ تیرتھ یاترا کو چلے تو بخیال تقدس یا خیر و برکت اپنے ہمراہ اپنے استاد زادہ محترم و معظم شاہ نظام الدین حسین صاحبؒ کو لے لیا[۲]

---

[۱] منتخب تنقیح الاخبار ص ۱۴۲

[۲] کرامات۔ ص ۱۰۴ و ص ۱۰۵۔ غالباً یہ رفاقت بطور برکت چند گام یا کچھ دور تک رہی ہوگی جیسا کہ آج کل لوگ اپنے احباب کو الوداع کہنے اسٹیشن۔ بندرگاہ۔ یا ہوائی اڈے تک جاتے ہیں۔

راجہ کندن لال کی تصانیف ہی سے ان کے والد راجہ منوں لال کی علمی صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ وہ بھی حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے شاگرد تھے اور قابلیت و فضیلت میں کسی دوسرے کو ان کا ہمسر نہ سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ (حسب بیان سابق) جب وہ کلکتہ جانے لگے تو اپنے ہونہار فرزند راجہ کندن لال کو حضرت کی ذاتی نگرانی میں چھوڑ گئے۔ جہاں وہ دو سال رہے اور حضرتؒ کی تعلیم اور تربیت سے کما حقہ مستفیض ہوئے۔ راجہ منوں لال نے اپنے فرزند عزیز کو اپنی قوم کے کسی دیگر فرد یا خود اپنے کسی قریبی عزیز کے پاس نہیں چھوڑا۔ نہ موصوف نے کسی دوسرے ہمعصر مسلم عالم یا بزرگ کی خدمت میں رکھنا پسند کیا۔ آخر کیوں؟ جواب ایک ہی ہے وہ یہ کہ راجہ منوں لال فلسفی کا یہ عمل اس امر کا بیّن اور ناقابل تردید ثبوت ہے کہ اس دور میں علمی، اخلاقی، درسی اور روحانی فضیلت کے لحاظ سے بھی اور بے تعصبی و وسیع النظری کے ساتھ عملی تربیت دے کر انسان بنانے کے اعتبار سے بھی حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کا کوئی ثانی نہ تھا۔

اولاً راجہ منوں لال کا فیصلہ ایک بہت معزز ہندو کا فیصلہ ہے جس میں قومی طرفداری یا دینی تعصب کے دخل کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ ثانیاً راجہ صاحب کا فیصلہ سنی سنائی شہادت پر مبنی نہیں تھا وہ خود حضرتؒ کے شاگرد رہ چکے تھے اور ہر حیثیت سے انھیں بہت قریب سے عرصۂ دراز تک دیکھا تھا۔ لہٰذا ان کا انتخاب ہر لحاظ سے نہایت مستحسن اور قابل مبارکباد تھا۔ بقول حضرت امیر مینائیؒ

چھانٹا اسی کو جس کی ازل میں نمود تھی
بسملی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

ادھر راجہ منوں لال فلسفی نے حضرت اقدسؒ کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ ان کا فرزند راجہ کندن لال اسم بامسمیٰ بن جائے چنانچہ ان کی آرزو پوری ہوئی اور

کندن لال خوب چمکے۔

ادھر ہماری خوش قسمتی سے تقریباً ڈیڑھ سو سال گزر جانے کے بعد جبکہ زیر نظر تذکرہ لکھا جا رہا ہے، ناچیز مؤلف کو عزیز محترم جناب مسعود نظامی سلمۂ تعالےٰ کے بدولت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے بعض اہم ظاہری و باطنی فضائل سے متعلق ایک نہایت مستند اور بے لوث شہادت کا اضافہ میسر آیا جو مؤلف کی نظر میں بے حد وقیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ذرا تفصیل کے ساتھ شامل تذکرہ کیا گیا ہے۔

آخر میں چند الفاظ راجہ منوں لال سے متعلق درج کئے جاتے ہیں جو ان کے لائق فرزند نے ایک جگہ نزہت الناظرین میں تحریر کئے ہیں تاکہ ناظرین کو ان کی علمی صلاحیتوں کا کچھ اندازہ ہو سکے وہ لکھتے ہیں کہ

"والد ماجد مرحوم کہ در علوم ادبیہ و حکمیہ خاصہ ریاضیات قصب السبق از ماسبیں ربودہ بودند چنانچہ تصانیف جناب ممدوح تنقیح الاخبار و جغرافیہ سدیدالاستخراج و رسالہ احکام و عجاب در حساب و مثال آں دلیل دعویٰ......"

مدرسہ نیازیہ - بریلی سے متعلق جو کچھ اوپر درج ہوا وہ اس امر کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے کہ علوم مروجہ کی درس و تدریس، اشاعت علوم ظاہری اور تربیت اخلاق عامہ کے پیش نظر حضرت قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے اپنے دور نامساعد میں اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود ربلا امتیاز مذہب و ملت، خلق اللہ کی کتنی بیش بہا علمی خدمات انجام دیں۔ نیز خود آپ کی علمی و اخلاقی وسعت کے اندازہ کے لئے بھی اس سے بہت مدد ملتی ہے

باب ۱۸

اسلامی خانقاہوں کی اہمیت

قرآن و سنت، عقل و عشق اور اولیاء اللہ کی تربیتی روایات کی روشنی میں

(دراصل یہ مضمون خانقاہ نیازیہ ہی کی خصوصیات پر مبنی ہے)

فصل (۱)

سب سے پہلے ہم اسلامی اور غیر اسلامی خانقاہوں اور ان کے ماحول کے امتیازی فرق پر کچھ روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ موجودہ دور میں (جو کہ مغرب و مشرق کے اکثر ناپسندیدہ امور کی نقالی اور مادیت پرستی کا دور ہے) حضرت قطب عالم۔ مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی اعلیٰ روحانی تربیت کی (جو آپؒ کی عظیم القدر خدمتِ خلق اللہ تھی) حقیقی قدر و منزلت کا اندازہ ہو سکے۔

پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ مشائخ کرام کی تعلیم و تربیت کا حقیقی مقصد تکمیل انسانیت اور معراجِ انسانیت یعنی خدا رسی ہے۔ اس کی تائید قرآن و احادیث میں جا بجا موجود ہے۔ لیکن یہاں صرف اس آیۃ کو پیش نظر رکھئے۔ یہی کافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ ۝ (۸۴-۶) [ترجمہ۔ اور اپنے رب کی طرف خوب محنت کر کیونکہ تجھے اس سے ملاقات کرنا ہے] یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان ایک مادی محدود اور فانی ہستی۔ کس طرح اپنے رب سے جو

لامحدود اور غیر مادی ہے۔ مل سکتا ہے۔ چنانچہ اسے سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل امور کا سمجھنا ضروری ہے۔

انسان درحقیقت ظاہر و باطن، قلب و قالب یعنی روح و جسم اور دل و دماغ سے مرکب ہے اور اس کے جتنے اوصاف و کمالات ہیں انہی دو اجزائے ترکیبی کے گرد گھومتے ہیں اور ہر وہ تعلیم یا تربیت جس میں انسان کے ہر دو مذکورہ اجزائے ترکیبی کی ایسی ترقی کا سامان نہ ہو جو اسے خدا و رسول ؐ کی مقرر کردہ منزل تک پہنچا سکے بیکار محض ہے۔

اسی لئے مشائخ کرام نے زیادہ تر مدرسہ اور خانقاہ دونوں ادارے قائم کئے اور اپنی مساعی جمیلہ کو دونوں کے لئے وقف کیا۔ مدرسہ میں دماغ یعنی عقل ذہن اور تفکر کا سامان۔ نیز دین کی ایسی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے جس سے انسان کا ظاہر (یعنی اخلاق و عادات۔ معاشی و معاشرتی آرام و سکون۔ نیک و بد کی تمیز۔ تہذیب و تمدن کی ترقی وغیرہ) آراستہ و پیراستہ ہو سکے۔ اور خانقاہ میں وہ تعلیم و تربیت مہیا کی جاتی ہے جس کا تعلق روحانی ترقی اور خدا رسی سے ہو اور جہاں سالکین کے لئے بھی اشغال و مراقبات اور اذکار و عبادات کی عملی تکمیل کے لئے وتبتل الیہ تبتیلا (سب کی طرف سے توجہ ہٹا کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ القرآن) کی شان پیدا ہو اور مرشد کی نگرانی بھی حاصل رہے۔

بزرگان معرفت و ولایت نے مشہور و معروف اولیا اللہ ہی کو "علمائے حق" اور "محققین" مانا ہے۔ جیسے حضور غوث الاعظم محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث الصمدانی حضرت سید عبد القادر جیلانی حسنی و حسینی قدس سرہ العزیز جن کا قدم مبارک امر ولایت کے لحاظ سے تمام اولیا اللہ کی گردنوں پر ہے (فقہی مسائل میں آپؒ حنبلی تھے) اور روحانی تاجدار ہند، خواجہ خواجگان، عطائے رسول ؐ، غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی

اجمیری قدس سرہ العزیز اور ان ہی کے مانند دیگر مشہور و معروف اولیائے کرامؒ و مشائخ عظامؒ جنھوں نے "بندگانِ عشق" کی روحانی تعلیم و تربیت اور دیگر افراد معاشرہ کی اخلاقی اصلاح و ترقی اور ان کے قلبی سکون کے لئے ہمیشہ خانقاہی ماحول اور اس کی "اعتکافی" فضا کو لازمی و ضروری سمجھا ہے۔

یہ بزرگ کسی دور کی علمی، تمدنی اور معاشرتی "ترقی" کے مخالف نہیں تھے۔ وہ صرف ایسے عمل یا رجحان طبع یا نظریئے کو صحیح سمجھنے کے خلاف تھے جو عشق حق اور وحی و نبوت بالخصوص سرکار دو عالمؐ کی محبت ان کے اخلاق حسنہ اور دین اسلام سے متصادم ہو یا جس سے زر۔ زن۔ زمین کی ہوس، اقتدار حکومت اور اس کے لئے باہمی جنگ و جدال، سیاسی سازشوں، خون ریزی، امن شکنی، ملت فروشی، کفر نوازی اور اخوت دینی کی تباہی، ملکی سالمیت کی بربادی وغیرہ کو تقویت پہنچتی ہو (دیکھ لیجئے کہ پاکیزہ تعلیمات تصوف اور بزرگان دین کے طریقہ ہائے تربیت کو مٹا کر جو تعلیمی طریقے رائج ہوئے ان پر بے پناہ دولت خرچ کرنے کے بعد بھی کیسی کیسی برائیاں اور قابل نفرت خرابیاں معاشرے میں ترقی کر چکی ہیں)۔

ہمارے مشائخ کرام کی اہمیت

ہمارے مشائخ کرامؒ اپنے فرماں برداروں کے تزکیۂ نفس پر بہت توجہ فرماتے تھے حتیٰ کہ ان کے دل مذکورۂ بالا دنیوی برائیوں سے نفور اور اللہ کے عشق سے معمور ہو جاتے تھے جس کے باعث مذکورۂ بالا خطرناک خرابیاں آہستہ آہستہ معاشرے سے دور ہو جاتی تھیں اور ان کی جگہ باہمی اخوت و محبت، ہمدردی و رواداری، وسعت نظری، خوش اخلاقی، دین داری اور امن و امان کی فضا ترقی پاتی تھی۔

ان برکتوں اور خوبیوں کی فضا میں انسان کا دل تخلیہ میں عبادت کی لذت

اور قرب الٰہی میں محویت کا حقیقی لطف حاصل کرتا تھا۔ اور یہی دنیا نیک نفس انسانوں کے لئے جنت ارضی بن جاتی تھی۔ بقول کسے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

غرضیکہ خانقاہوں کی "اعتکافی فضا" ماحول کی پاکیزگی۔ عشق حق کا تقدس اور اس کا نکھار۔ "امیر کارواں مرشد" کا مقدس نمونہ، اطاعت امیر اور ضبط و نظم کی عادت خلوص و للّٰہیت کے ساتھ۔ تبتل الیہ تبتیلا کا رنگ، روحانی و اخلاقی ترقی۔ سکون قلب وغیرہ وہ خوبیاں تھیں جنھوں نے فرماں برداروں اور اللہ کے عاشقوں کے لئے دنیا ہی میں جنت کی فضا مہیا کر دی تھی اور طالبانِ حق کا ایک لشکر جرار امن و سکون کے ساتھ مذکورہ نعمتوں سے مشرف ہو کر آہستہ آہستہ نور کے سانچوں میں ڈھلتا رہتا اور اپنی پاکیزہ نفسی و نیک عملی کی بدولت پورے معاشرے کو نکھارتا رہتا تھا۔

برصغیر کی تاریخ گواہ ہے کہ وہاں دین کی اشاعت ان ہی بزرگوں اور ان کے تربیت یافتوں کی مرہون منت رہی ہے۔ جو مذکورۂ بالا فضائل کے ذریعہ عوام و خواص کے دل جیت لیا کرتے تھے۔ تاریخ اس حقیقت کی بھی گواہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کو پاکیزہ اور مطمئن معاشرہ انہی بزرگوں کی بدولت ملا۔ جس سے انکی حکومت کی جڑیں مضبوط رہیں۔ جب "ذی اقتدار" حضرات نے ان بزرگوں کی تعلیم و تربیت سے منہ موڑا یا انھیں اپنا حریف سمجھا اللہ نے ان کی حمایت چھوڑ دی۔ ایسے حکمراں رفتہ رفتہ ہر قسم کی ذلت سے دوچار ہوئے اور ان سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ تاہم مشائخ کرام "دل برداشتہ نہیں ہوئے۔ سخت سے سخت مصائب اور بڑے سے بڑے حالات میں بھی انھوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ حالانکہ سیاسی انتشار اور بدامنی سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ لیکن انھوں نے عزم و استقامت

کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھا اور آج بھی باقی بچی ہوئی خانقاہوں اور ان سے باہر مشائخ کرام کے نائبوں کی نگرانی میں، حتی الامکان اصلاحی کام جاری ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اطاعت گزار بہت کم ہیں اور ان میں بھی "جذبۂ عشق" رکھنے والے خال خال بلکہ عنقا ہیں۔ کاش برادران اسلام اس نکتے کو پھر دلنشیں کر سکتے کہ دلوں میں جب تک خدا و رسولؐ کا پُرخلوص عشق نہ ہو گا، اور جب تک دنیا کی نعمتوں سے نفرت نہ پیدا ہوگی اس وقت تک خدا کی عطا کردہ نہ عزت ملے گی نہ فتح و نصرت۔ یوں وہ مالک ہے جسے جس طرح چاہے نوازے، کسی کو اس کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہونا چاہئے۔ لیکن یہ عام قاعدہ نہیں ہے عام قاعدہ اور سنت الہٰیہ دینی فضائل کی وہی راہ ہے جس پر لاکھوں اولیاؑ اللہ اور کروڑوں عاشقین صادقین ہمیشہ گامزن رہے ہیں۔ ان ہی کا راستہ راہ مستقیم ہے اور اسی کے حصول کی دعا ہر نماز میں یوں کی جاتی ہے:۔

اھدنا الصراط المستقیم - صراط الذین انعمت علیھم۔۔۔

(اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان بزرگوں کی راہ جنھیں تو نے نعمتوں یعنی رضا اور اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

پس معلوم ہو گیا کہ از روئے قرآن "صراط مستقیم" مطلق نہیں مقید ہے اور مقید بھی ان حضرات کے ذکر سے جنھیں قرآن و حدیث میں جا بجا انبیاءؑ۔ اولیاؒ، شہداؒ اور صالحین" کے ناموں سے یاد فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ یہی حضرات "الذین انعمت علیھم" کے زمرے میں آتے ہیں۔

ایک تنبیہہ

اسلام میں حکومت و اقتدار اور مادی قومی قوت (فوجی دفاعی تنظیمات وغیرہ)

کو ہرگز مسترد نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کی اہمیت سے متعلق احکام قرآن واحادیث میں جا بجا مذکور ہیں۔ علاوہ بریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے خلفاء راشدینؓ کے عہد کی تاریخ مادی اجتماعی قوت کی تعمیر و ترقی اور اس کے استعمال کی مثالوں سے پُر ہے۔

تاہم اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ یہ تمام امور خدا و رسولؐ کے پرخلوص عشق کے تابع اور مقاصد الٰہیہ کی ترویج و تبلیغ کے لئے تھے اور ہمیشہ رہیں گے۔ مذکورہ امور کی حیثیت بنیادی تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ ان کے بغیر تمام مادی نعمتیں دشمنان اسلام کی "نعمتیں" بن جاتی ہیں مسلمانوں کی نعمتیں نہیں رہتیں۔ کیونکہ الذین انعمت علیہم کے زمرے میں انبیاء، اولیاؒ، شہداؒ وصالحینؒ ومومنینؒ آتے ہیں دشمنان اسلام نہیں اور وہ تمام نہاد "مسلمان" بھی نہیں آتے جو احکام قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر دشمنان اسلام کے فلسفوں اور نظریوں کو اپناتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

مادی ذرائع قوت کافر و مرتد کے پاس بھی ہوتے ہیں اور مسلم مملکت کے پاس بھی۔ دونوں میں امتیاز پیدا کرنے والی قدر صرف پاکیزگی قلب ہے اسی لئے مشائخ کرامؒ نے ہمیشہ اپنی خانقاہوں کے ذریعہ پاکیزگی قلب (اسلامی اخلاق و روحانیت بذریعہ عشق خدا و رسولؐ) پر اپنے مساعی حسنہ کو مرکوز رکھا ہے۔ کیونکہ سلامتی قلب کی نعمت، باقی تمام نعمتوں پر مقدم ہے

القرآن (۹۱ - ۹ ، ۱۰) بے شک فلاح پائی اس نے جس نے اس کا (یعنی قلب کا) تزکیہ کیا اور بے شک خرابی میں پڑا جس نے اسے خراب کیا۔

فصل ۔ ۲

اسلامی خانقاہیں، مسجد و خانقاہ نبوی کی نقل ہیں :

ایک حدیث جسے مسلمان بھول گئے اور تباہ ہوئے۔

مسلمانوں کو آگاہ کردیا گیا تھا کہ الشیخ فی جماعتہ کالنبی فی امتہ ۔ یعنی مر اپنی جماعت میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو کسی نبی کو اس کی امت میں حاصل ر ہے۔ اس مختصر سے جملے میں، شیخ الطریقت کی مرکزی حیثیت، اس کی اہمیت، اس کے اختیارات، اس کی اطاعت و فرماں برداری کا مریدوں کے لئے واجب ہونا، اس کے نتائج و عواقب یعنی جماعت کا اتحاد، ضبط و نظم اور اس کی اتحادی قوت، یک جہتی ترقی، دین داری اور حصول خیر و برکت وغیرہ سب کچھ بیان کردیا گیا ہے۔ اس اصول کو نظر انداز کردینے سے بعض مشائخ کرام اپنا وقار کھو بیٹھے اور مریدین کی جماعتیں پہلے اور پھر ان کے بعد پورا معاشرہ تباہ و برباد ہوا۔

سلف صالحینؒ نے پورا اتباع کیا۔

ہمارے قدیم بزرگوں نے اس تاکید پر مکمل عمل کیا۔ اسے پوری طرح اپنایا اور ان کی خانقاہیں اس کی زندہ تفسیریں اور جیتی جاگتی تصویریں بن گئیں

معیاری اسلامی خانقاہ اور مسجد نبویؐ میں مکمل مماثلت

سلف صالحینؒ نے مذکورۂ بالا زرین اصول کی پابندی، ظاہری و معنوی طور

پر کی اور اس حد تک کی کہ نہ صرف وہ حقیقتاً جانشین رسول ؐ کہے جانے کے مستحق ہوئے بلکہ ان کی خانقاہیں بھی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر یا نقل بن گئیں۔ جن حضرات کو خوش قسمتی سے مسجد نبوی ؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس مقدس بارگاہ کے احاطہ کے اندر ہی حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاحیات مع اہل وعیال سکونت پذیر رہے۔ بعد وصال آپؐ کے حجرۂ مبارک میں جسد مبارک کو دفن کیا گیا۔ البتہ ازواج مطہرات ؓ وہاں دفن نہیں ہیں اور ان کے حجروں کی جگہ بڑا سا ہال ہے جو مقفل رہتا ہے۔ اور جو صرف صفائی کے لیے یا منفرد شخصیتوں کی حاضری کے وقت کھلتا ہے، حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس مقدس ہال کا کل حصہ خود حضور اقدس ؐ اور جملہ اہل بیتِ کرام ؓ کے سکونتی حجروں پر مشتمل تھا۔

اس مقدس بارگاہ میں باب جبریل ؑ سے داخل ہوتے ہی بائیں جانب مذکورہ ہال اور داہنے ہاتھ پر "اصحاب ؓ صفّہ" کا چبوترہ ہے (جہاں سرکار دو عالم ؐ اپنے ان عاشقوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارا کرتے تھے اصحاب صفّہ ؓ ہمیشہ وہیں رہتے تھے اور انھیں اپنے شیخ اعظم یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں رہنے اور اپنے خدائے عزوجلّ کی بندگی وعبادت کے سوا دنیا کے کسی کام سے کوئی خاص سروکار نہ تھا۔

اسی سے ملحق (اس مقدس ہال کے دوسری جانب اور روضۂ مبارک کے برابر) مسجد نبوی ؐ کا باقی حصہ ہے جس میں وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی رہی ہے یہیں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محراب امامت ہیں۔ لوگ بالعموم صرف اس حصہ کو "مسجد نبوی ؐ" سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت میں پورا رقبہ جس میں روضۂ مبارک، مقدس ہال، "اہل صفّہ ؓ کا چبوترہ" وغیرہ ہیں مسجد نبوی ؐ کے حدود میں شامل

ہیں اور ہر جگہ جماعت کے افراد (بالخصوص ایام حج میں) کھڑے ہوتے اور نماز ادا کرتے ہیں۔ صرف حضور انورؐ کے روئے اقدس کے سامنے (تھوڑے سے حصے میں) لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پشت ہوتی ہے جو حضورؐ کے ادب کے منافی ہے وہاں روزانہ (جماعت کے اوقات کو چھوڑ کر) تقریباً ہر وقت حضور اقدس کے عشاق نہایت عاجزی اور آہ وزاری لیکن پورے احترام کے ساتھ کھڑے کھڑے دست بستہ صلوٰۃ وسلام بالجہر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ قریب ہی درجنوں افراد مسجد کے دیگر حصوں میں نماز پڑھنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے میں معروف رہتے ہیں۔ زمانۂ حج میں خاص طور پر عشاق کے ہجوم سے بے پناہ گہما گہمی رہتی ہے اور ہر مزور بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام اور دعا کے الفاظ ادا کرتا اور اس کے ساتھ آنے والے حجاج وزائرین بھی اسی طرح بلند آواز سے اس کے الفاظ دہراتے ہیں۔ کوئی کسی کتاب سے کچھ پڑھتا ہے کوئی ستونوں یا سامنے کی دیوار کا سہارا لئے مستغرق نظر آتا ہے کسی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ کوئی آہ وزاری میں مبتلا کوئی خاموش محو دعا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ (۱) اسی ایک بارگاہِ اقدس کے اندر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات مع اہل وعیال سکونت فرمائی۔ (۲) اسی کو تعلیم وتبلیغ کا مرکز بنایا (۳) اسی میں مسجد (۴) وہیں مدرسہ وتعلیم گاہ (۵) وہیں اصحاب صفہؓ کا قیام (۶) ان کی عبادتوں میں وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً کا رنگ (۷) اور ان کی روحانی تربیت کے نمونے موجود رہے۔ (۸) بعد وصال جسد مبارک وہیں دفن ہوا وہی جگہ مزار مبارک اور گنبد خضریٰ میں تبدیل ہو گئی (۹) اب وہی بارگاہ مسجد نبوی کہلاتی ہے۔ (۱۰) وہیں ان کے دو مقرب صحابہ کرامؓ اور

خلفاء عظامؓ کو بھی حضور اقدسؐ ہی کے پہلو میں جگہ ملی اور (۱۱) پوری عمارت زیارت گاہ عالم ہے (۱۲) خاص خاص تاریخوں میں وہاں مخصوص اجتماعات ہوتے ہیں۔ خاص اہتمام سے فرش فروش۔ صفائی اور چراغاں وغیرہ کے انتظامات ہوتے۔ زائرین کی حفاظت اور ان کے لئے سواری کا معقول بندوبست حکومت کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

دنیائے اسلام کی ہر معیاری خانقاہ، خانقاہ نبویؐ ہی کی نقل ہے

چنانچہ سلف صالحینؒ نے ان ہی اصولوں پر عمل کیا اور لاکھوں نے ساری دنیا میں جگہ جگہ مسجد و بارگاہ نبویؐ کے طرز پر۔ حضورؐ ہی کی تقلید میں معیاری خانقاہیں قائم کیں۔ اور ہر جگہ شاندار نتائج برآمد ہوئے۔ بڑے سے بڑا مورخ اور معترض بھی مذکورہ بالا حقائق کا انکار نہیں کر سکتا۔ ناچیز مصنف نے ان حقائق پر (۱) تا (۱۲) نمبر شمار لگا دیئے ہیں تاکہ بالوضاحت ذہن نشین ہو جائیں اور معترضین اچھی طرح جان لیں کہ ہر مشہور خانقاہ میں مشائخ کرامؒ کے اعراس اور اعراس کی تقریبات، بلکہ وہاں کے سربراہ کی زندگی اور اس کا نظام درس و تربیت وغیرہ تمام امور کم و بیش انہی بارہ شقوں کی تقلید میں انجام پاتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے[1]

---

[1] کہیں کہیں یا کبھی کبھی بعض حضرات اس معیاری راہ سے ہٹ جاتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داری خود ایسے حضرات پر عائد ہوگی نہ کہ بزرگانِ سلفؒ یا ان کے معیاری اصولوں پر۔ اگر مذکورہ انحراف وقتی تقاضوں کے مطابق کسی اجتہاد پر مبنی ہے تو تقاضوں اور اجتہاد و مجتہد سب کی تحقیق ضروری ہے۔ اگر (باقی صفحہ آئندہ پر)

صرف مسئلہ سماع ان شقوں کے ذیل میں براہ راست نہیں آتا۔ اسی طرح چند دیگر امور اور بھی ہیں جن پر مشائخ کرام عامل ہیں۔ ان کے جواز کی مفصل بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس کی مدلل اور مسکت بحث اہل سنت والجماعت بالخصوص مشائخ چشت رح کی کتابوں میں موجود ہے شائقین ان کتب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ انشاءاللہ وہ اکابرین مشائخ کرام رح کے کسی عمل کو قرآن وسنت کی روح کے منافی نہ پائیں گے۔

ہاں اگر نیت میں نقص ہو تو عمل قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ لیکن نیت کا معاملہ نازک ہے۔ اسے خدا ہی کے سپرد کرنا انسب ہوگا ورنہ معترضین کے نماز و روزہ پر بھی بر بناء نقص نیت، اعتراضات کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

اجتہاد فی الدین کی بابت علامہ اقبال (جو دور حاضر کے عظیم مفکر ہیں اور جدید ذہنیت رکھنے والے دانشوروں کی اکثریت جن کی معتقد ہے) ایک جگہ فرماتے ہیں۔

~ ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر   اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

اور ایک دوسری جگہ اپنے مرشد رومی رحمتہ اللہ علیہ کی تقلید میں فرماتے ہیں

~ کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے   بوسہ زن بر آستانِ کاملے

چنانچہ اولیاءُ اللہ کے مسلک میں بھی (جو مغزِ قرآن اور روح دیں ہے اور جو خدا تک پہنچا دینے والا سیدھا اور اولیائے کرام رح کا آزمایا ہوا راستہ ہے "عالمان کم نظر" کے "اجتہاد" کی گنجائش نہیں ہے اس مسلک میں "اقتدا بر رفتگان

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اول الذکر دو امور صحیح ہیں اور مجتہد بھی مستند اور اہل ہے تو وہ انحراف نہیں بلکہ فروع میں ضروری ترمیم متصور ہوگی (مصنف)

محفوظ تر" اور "پیش مرد کاملے پامال شو" ہی کے اصول بنیادی اہمیت رکھتے ہیں علاوہ ازیں "حق الیقین" کے ساتھ مرشد سے عشق صادق اور اس کی کامل پیروی ۔ جیسا کہ ایک طالب علم اور استاد یا ایک مریض اور طبیب کے مابین کامیابی کے لئے ضروری ہیں ۔ راہ سلوک میں بھی ضروری ہیں ۔ فرق صرف نتیجہ کی مادی اور روحانی عروج کی کیفیتوں اور صورتوں کا ہے ۔ طالب علم اپنی کامیابی اور مریض اپنی صحت مندی کی شکل میں اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کا تماشا فوری طور پر دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے ۔ لیکن راہ عشق نازک ہے ۔ اس کے متعلق اولیائے کرام مسلسل جدوجہد کی تاکید کرتے اور فرماتے ہیں :-

عمرہا باید کہ یار آید بکنار

اس راہ میں ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمتی ۔ اور تذبذب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ یقین کامل ۔ عشق صادق ، مسلسل جہد و ریاضت اور تسلیم و رضا ہی کشود کار کے ضامن ہیں ۔

خلاصۂ بیان

گزشتہ سطور کے مطالعہ سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ بزرگان سلف خانقاہیں کیوں قائم کرتے تھے اور وہ کس معیار کی ہوتی تھیں نیز یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی خانقاہوں کے سربراہ اہل علم بھی ہوتے تھے اور اہل دل بھی ، وہ غیر اسلامی خانقاہوں کے سربراہوں کی طرح "راہب" نہیں ہوتے تھے بلکہ ایک مرکز میں بیٹھ کر معاشرے اور عمال حکومت پر اخلاقی کنٹرول رکھتے تھے ۔ وہ سراپا عمل ہوتے تھے لیکن ان کا عمل ، سیاسیات سے علیحدہ رہ کر مخلوق کی خدمت و ہمدردی اور ان کے

دل و دماغ دونوں کو سنوارنے بلکہ انھیں عشق الٰہی میں غوطہ رکھنے تک محدود رہتا تھا۔ قرآن اولیٰ میں البتہ وہ سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے لیکن نامناسب حالات نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ سیاست سے الگ رہیں چنانچہ وہ رفتہ رفتہ اس سے الگ ہو گئے۔ لیکن مقاصد الٰہی کی ترویج و تبلیغ کے سلسلے میں جب بھی ان کی یا ان کے متبعین کی مدد کی ضرورت پیش آئی انھوں نے حق کی حفاظت کے لئے لشکر اسلام کے ساتھ مل کر تیغ و تفنگ کے جوہر بھی دکھائے اور پھر اپنے مستقل اصلاحی کام میں لگ گئے۔

یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ خانقاہی تعلیم و تربیت وسیع النظری اور وسیع القلبی کا عادی بناتی دماغ کو تعلیمات فقر و درویشی سے بھرتی اور دل کو دنیا کی محبت سے خالی کر کے نور کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی انسانی شخصیتیں تیار کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ذی ہوش غیر مسلم افراد بھی ہماری خانقاہوں کی جانب رجوع کرتے اور ان کے سربراہوں کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے کروڑوں افراد نے ہمارے مشائخ کرام ہی کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور ان ہی مشائخ کرام کی بدولت برصغیر کا گوشہ گوشہ نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔

یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھئے کہ خانقاہی تعلیم و تربیت کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔ عشق و محبت کے ساتھ اطاعت سربراہ ہی اس کا معاوضہ تھا۔

فصل ۔ ۳

اس فضا و ماحول پاکیزہ کی فراہمی اور ان فیوض و برکات روحانی کے حصول کی غرض سے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے حضور قبلہ قطب عالم

مدار اعظم شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز نے بمقام بریلی اپنے خس پوش مکان کے قریب ہی (جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے) ایک خس پوش خانقاہ بھی قائم کی جو بہت جلد بقول مفتی غلام سرور "معدنِ فیوض ربانی و مطلع انوارِ سبحانی" بن گئی۔[1]

مرزا محمد اختر دہلوی، خلف اکبر محمد دارابخت میراں شاہ دہلوی بن ابوالظفر بہادر شاہ ثانی، تذکرۂ اولیا میں فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔۔ بعد عطائے خرقۂ خلافت پیشگاہِ مرشدؒ سے، بحفظِ بالنس بریلی مامور ہوئے[2] وہاں پہنچ کر ہدایت خلق اللہ میں مشغول ہوئے۔ ہزارہا آدمی سلسلۂ ارادت میں آئے اور مردمانِ کابل و قندھار و بدخشاں شیراز و فارس و عرب و شام و روم و کوہ قاف آ آ کر مستفیض ہوئے اور خلفا حضرتؒ کے ہر چہار سمت عالم مامور ہوئے۔۔۔۔"

فیوض و برکات خانقاہ عالیہ نیازیہؒ کا مفصل ذکر آئندہ باب میں ملاحظہ ہو۔

---

[1] دیکھو اقتباس نمبر ۶، باب ۱، کتاب ہذا

[2] ۱۱۸۵ھ میں

مکمل اقتباس نمبر ۲، باب ۱۱، کتاب ہذا

باب ۱۹

فیوض و برکات خانقاہِ عالیہ نیازیہؒ

روحانی تعلیم و تربیت کے اصول اور طریقے

(۶ فصلیں)

اس باب کو ہم ذرا تفصیل سے لکھ رہے ہیں کیونکہ ہماری تحقیق میں اسلامی اخلاق و روحانیت کی تعلیم و تربیت، عالم انسانیت اور اس کے کمالات کا اہم ترین جزو ہے، یہی فقراو مشائخ کرام کی اہم ترین خدمت انسانیت بھی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس کے لئے معیاری اسلامی خانقاہوں اور ان کے معیاری سربراہوں کا وسیع تعداد میں ہونا ناگزیر ہے۔

ہماری قومی و ملی خوش قسمتی تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی ہدایت کے لئے قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز حضرت شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز جیسا عظیم المرتبت روحانی رہنما عطا فرمایا۔ جس نے اپنے مدرسہ و خانقاہ کے ذریعہ لاکھوں متلاشیان حق کو منزل مقصود پہ پہنچا دیا۔ اور ہزارہا ایسے چراغ روشن کر دیئے جن سے متلاشیان حق رہتی دنیا تک ہدایت کی روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ہم فیوض و برکاتِ خانقاہ نیازیہؒ بریلی کو حسب ذیل فصول کے تحت بیان کریں گے تاکہ بزرگانِ سلفؒ کی روحانی تعلیم و تربیت کے اصولوں اور ان کے طور طریقوں کی اہمیت واضح ہو سکے:-

اب ان فصول کے تحت، ضروری نکات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

فصل (۱)

مقدس فضا۔ ہمت افزا ماحول وغیرہ

ہر قسم کی ترقی کے لئے فطری اصول یہی ہے کہ کام کرنے والے کو ایسا ماحول اور ایسی فضا ملے جو اس کے جذبۂ عمل کو ہر قدم پر تیز تر کرے۔ اپنے رفقائے کار کو دیکھ کر اس کی ہمت افزائی ہوتی ہو۔ وہ سکونِ دل۔ جمعیت خاطر اور کامیابی کے پختہ یقین کے ساتھ محنت و مجاہدہ کر سکے اور اسے اپنے استاد کی بزرگانہ شفقت اور خاص توجہ حاصل ہو۔

ظاہر ہے کہ مذکورۂ بالا نوعیت کے ماحول میں راہ کی مشکلیں آسان ہو جائیں اور مسافر جلد منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔

راہِ سلوک میں یہ تمام نعمتیں خانقاہ کی مقدس فضا اور اس کے ہمت افزا ماحول میں میسر آتی ہیں۔

چنانچہ خانقاہ عالیہ نیازیہ" بریلی میں" بانی خانقاہ حضرت قطب عالم شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز نے پورے خلوص و استقلال اور کمال توجہ و انہماک کے ساتھ طالبان حق کے لئے مذکورۂ بالا نعمتیں اپنی خانقاہ کے ذریعہ مہیا کیں اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ ہر طالب کو اس کی استعداد کے مطابق بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی عطا فرمایا۔

طالبانِ حق ہزاروں بلکہ لاکھوں[1] کی تعداد میں داخلِ سلسلہ ہو کر یکسوئی اور انہماک کے ساتھ یادِ حق میں لگ گئے۔ اس طرح خانقاہ کی شہرت دور دور پہنچی اور طالبان حق نہ صرف برصغیر کے گوشہ گوشہ سے کھنچ کھنچ کر دیوانہ وار آنے اور شمع راز و نیاز حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز پر پروانہ وار نثار ہونے لگے بلکہ وہ اطراف واکناف عالم مثلاً بلخ، بخارا، ایران، توران ترکستان، غزنی، کابل، قندھار، عرب اور افریقہ جیسے دور دراز ممالک سے آتے، مدتوں خانقاہ شریف میں مجاہدہ کرتے اور تکمیل سلوک کے بعد بعض سندِ خلافت سے سرفراز ہو کر اور بعض اس کے بغیر ہی، اپنے اپنے وطن واپس جاتے۔ سند خلافت لے کر جانے والے حضرات جن مقامات پر مامور کئے جاتے وہاں سلوک و معرفت کی شمعیں روشن کرتے۔ ان خلفاء کی فہرست اور ان میں سے بعض کے مختصر حالات آئندہ صفحات میں مناسب مقامات پر مذکور ہیں۔

ان جانثاروں میں بعض تو ایسے آئے کہ بریلی ہی کے ہو رہے اور

---

[1] مولف نازو نیاز نے گیارہ لاکھ بتائی ہے دیکھو ناز و نیاز حصہ اول صفحہ ۱۸

خانقاہ شریف کی خدمت اور اپنے پیر و مرشدؒ کے فیضانِ نظر کو چھوڑ کر وطن واپس جانا گوارا نہ کیا۔ مثلاً مولوی عبیداللہ صاحب[1]

دارالاقامہ

بیرونجات سے آنے والے طالبانِ حق کے لئے قیام و طعام کا انتظام ضروری تھا تاکہ وہ سکون کے ساتھ تحصیل علم اور کسب فیض کر سکیں۔ لہٰذا حجرے تعمیر ہوئے اور طعام کا بندوبست کیا گیا۔ مثلاً شیانِ حق دور دراز مقامات سے آتے مہینوں خانقاہ میں رہ کر تعلیم بھی حاصل کرتے اور شب بیدار رہ کر عبادت و مجاہدات میں بھی مصروف رہتے۔ حضور قبلہؒ بنفس نفیس نگرانی فرماتے انھیں جملہ مراحل سلوک سے گزارتے اور اپنی نظر کرم سے انھیں پکے اللہ والے بنا کر مختلف علاقوں میں مامور فرما دیتے۔

مقدس ماحول روحانی فضا

حضور قبلہؒ روزانہ نماز عشاء اور قلیل طعام شب سے فارغ ہو کر خانقاہ شریف میں تشریف فرماتے "خانقاہ اہل ولایت سے بھری رہتی تھی۔ اس کا دروازہ بلاامتیاز مذہب و ملت ہر شخص کے لئے کھلا رہتا تھا۔ صاحبانِ خانقاہ اور اہلیانِ خانقاہ میں ایسی للّٰہیت اور جاذبیت پائی جاتی تھی کہ آنے والا شخص بے انتہا متاثر ہو جاتا۔ ربودگی طاری ہوتی۔ دنیا سے دل سرد ہو جاتا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ کیفیت مستقل و دوامی بن جاتی تھی اور کسی تدبیر سے کم نہ

---

[1] مزار خانقاہی مسجد کے احاطے میں ہے آپ صاحب کمالات تھے۔

ہوتی۔ جیسا کہ حضور قبلہؒ فرماتے ہیں۔

؎ سخت مشکل ہے ولا اس کا پھر آنا اِس طرف
وہ ہذا ان مردوں میں ہے جن کو مسیحا لے جلا" [۱]

دل پر دنیا کی بے ثباتی کے گہرے نقوش اور اللہ کی یاد کے مستحکم اثرات سالک کو حق الیقین کی منزل پر فائز کر دیتے تھے۔ یہ سب خانقاہ کی روحانی فضا کی خوبی تھی۔ گویا وہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔(یعنی شامل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔) کی جیتی جاگتی تصویر اور زندہ مثال تھی۔ بڑے سے بڑا فاسق و فاجر تائب ہو کر روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتا تھا۔ ہر طبقہ کے لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی پارسی، عالم، جاہل، فاسق، فاجر، عابد، زاہد سبھی ہوتے تھے۔

سینکڑوں نہیں ہزاروں بندگان خدا آپ کی بدولت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

خانقاہ اور اہالیانِ خانقاہ کا کردار مثالی ہوتا تھا اور حضور قبلہؒ کی عظمت کے اثر نے خانقاہ شریف کو اتنا عظیم المرتبت بنا دیا کہ تمام شہر اس کا بے حد احترام کرنے لگا۔ تشنگانِ معرفت دور دراز مقامات سے پاپیادہ آ کر حاضری دیتے تھے۔ یہ اس کی مقبولیت کی دلیل تھی۔ "بانس بریلی۔" بریلی شریف" بن گیا اور محلہ کا نام خواجہ قطب مشہور ہو گیا۔ خانقاہ کیا تھی فیوض و برکات کا ایک اتھاہ سمندر تھا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جہاں سلسلۂ عالیہ قادریہ کے

---

[۱] ماخوذ از بیاض مسعود نظامی صاحب

اذکار۔ چشتیہ کے مراقبات، نقشبندیہ قدیمہ کے لطائف عشرہ، سہروردیہ کے اوراد و وظائف وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ شب و روز لوگ مجاہدہ کرتے۔ کوئی ذکر یا لجہر میں مصروف تو کوئی کسی مراقبہ میں مشغول نظر آتا۔ کوئی ہو حق کے نعروں میں محو تو کوئی اپنے خیال میں مستغرق۔ کسی پر بے خودی طاری تو کسی آنکھ سے آنسو جاری۔ حضور قبلہؒ اپنی ایک غزل میں ان ہی امور کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

سرزمینِ چشت کی آب و ہوا کچھ اور ہے
دین و دنیا سے نرالا اور ہی کچھ طور ہے

پھر رہے ہیں ہر گلی کوچہ میں از خود رفتہ
عشق کی واں سلطنت ہے بیخودی کا دور ہے

کوئی سبحانی کہے کوئی انا الحق بڑبڑائے
بل بے تیرا بڑبڑانا یہ مقامِ غور ہے

کوئی شغلِ نیستی میں نیست اور نابود ہے
کوئی نظارہ میں حق کے اک تماشا طور ہے

بے حضورِ حق تعالیٰ ان کی کب ہے بود و باش
دیکھنے میں خلق کے گو دہلی و لاہور ہے

خندہ و گریہ بہم ہمدم ہیں ان یاروں کے بیچ
جو کوئی روتا ہے پھر ہنستا وہیں فی الفور ہے

جبکہ دکھ سکھ ہو انھیں اور بیقراری ہو قرار
پھر تو مہر و لطف سے خوشتر جفا و جور ہے

کیا ہی تیزی اور تندی رکھتی ہے ان کی نگاہ
جا پڑے جس پر نظر رہتا وہیں وہ ٹھور ہے

ورنہ جو اک عرصہ میں ہوتا ہے میسر اور جائے
یا وری سے عشق کی حاصل یہاں فی الفور ہے

یہ تو سب سچ ہے مگر ان میں سے گنتا آپ کو
ہرزہ گوئی ہے نیازؔ اور لاف ناخوش طور ہے

وہ تو الماس نگیں ہیں یا کہ ہیں دُرِ ثمیں
کانچ کی تو پوت ہے یا ریزہ بلّور ہے

الحاصل : خانقاہ حقیقتاً ایک ایسی روحانی تربیت گاہ تھی۔ جہاں سالکین نور کے سانچوں میں ڈھل کر اللہ سے واصل ہو جاتے تھے۔

(۲) اصلاح عقیدہ

(الف) تصوف کا مرکزی نقطہ صحیح توحید ہے۔ توحید کے مختلف پہلو ہیں اور ہر پہلو میں زاویۂ نگاہ کو صحیح رکھنے سے قوس و قزح کی طرح خوشنما رنگ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ تاہم اگر یہی زاویۂ نگاہ بنیادی طور پر بدل جائے تو محدب شیشہ کے غلط فاصلہ کی طرح ہر رنگینی غائب ہو جائے گی بلکہ کچھ بھی نظر نہ آئے گا۔ یعنی توحید صحیح نہ رہے گی۔

علماء محققین نے توحید کی چار قسمیں قرار دی ہیں توحید شریعت، توحید طریقت، توحید حقیقت اور توحید معرفت اور ان کے مقابلہ میں شرک کی بھی چار قسمیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ اس کی مفصل بحث کتاب تعلیم غوثیہ میں دیکھئے۔ حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز توحید وجودی حقیقی

کے قائل تھے (جس کی کچھ تفصیل تعلیمات نیازیہؒ کے تحت آئندہ بیان ہوگی)
اور اسی کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ وہ اپنے مریدوں کے ذہن نشین
فرماتے تھے۔ کیونکہ ہر مسلمان کے لئے بالخصوص سلوک قادریہ چشتیہ سہروردیہ
نقشبندیہ قدیمہ میں اس کی اہمیت بنیادی ہے۔ عقیدۂ توحید کی صحت اور کلمۂ
توحید پہ صحیح و مکمل ایمان ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اس کے بغیر نہ
کلمہ درست ہوتا ہے نہ کوئی عمل مقبول ہو سکتا ہے۔ نہ بندہ خدا سے واصل
ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ و رسولؐ سے متعلق بنیادی عقائد اور ان کی صحت و
اصلاح ہر شخص کی انفرادی ذمہ داری ہے جس کے لئے وہ اپنے خدا کے
سامنے جواب دہ ہے۔

قوم و ملت سے متعلق ذمہ داریوں کا جواب بھی فرداً فرداً دینا ہوگا۔ یعنی
کوئی شخص عاقبتی باز پرس کے کسی مرحلے میں اپنی ذاتی و انفرادی ذمہ داریوں
سے متعلق یہ جواب نہ دے سکے گا کہ اس سوال کا جواب میری قوم یا حکومت
یا فلاں کونسل کمیٹی یا انجمن سے پوچھا جائے۔

بے شک ہر مسلمان پر اجتماعی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ ان سے نہ انکار
ممکن ہے نہ گریز۔ وہ اپنی جگہ ہیں اور ہر مسلمان پر ان کی ادائیگی لازم ہے
تاہم ان کے لئے بھی فرداً فرداً ہی ہر مسلمان ذمہ دار ہے اور ہر مسلمان سے
فرداً فرداً ہی اس کی کوتاہیوں کا جواب لیا جائے گا۔

ہمارا موضوع بحث یہاں "اصلاح عقائد" ہے بالخصوص "عقیدۂ توحید"
کی اصلاح، جس کے لئے ہر فرد ذمہ دار ہے اور اس کی یہ ذمہ داری
بنیادی بھی ہے۔ یعنی پہلے کلمۂ توحید پر صحیح ایمان بنیاد ہے۔ اعمال کی عمارت

اسی پر بعد میں قائم ہوتی ہے۔

تنبیہہ: یہ جملۂ معترضہ اس لئے درمیان میں آگیا کہ دورِ جدید میں "وحدت" کے ایک جدید تصور کا اظہار و ابلاغ ہر سیاسی لیڈر اور لیڈر قسم کا ہر دانشور نہایت زور و شور سے کرتا رہتا ہے۔ وہ دراصل سیاسی لحاظ سے قوم و ملک کے فکر و عمل کی وحدت کی تبلیغ ہے۔ دینی و اسلامی توحید اور چیز ہے۔ وہ دراصل اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت توحید ہے جو "قومی وحدتِ فکر و عمل" سے قطعاً مختلف ہے۔ تاہم دین و دنیا کی فلاح کے لئے دونوں "وحدتوں" کا اچھی طرح سمجھنا اور ان پر خلوص دل سے عمل کرنا ضروری ہے۔

فقراءِ اسلام اور مشائخ کرام دونوں کی تبلیغ کرتے ہیں انہوں نے ہمیشہ پوری ملت اسلامیہ کی وحدت اور اس کی وحدت فکر و عمل کی تبلیغ فرمائی ہے۔ کیونکہ تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہی حقیقی پیغام اسلام روحِ اسلام اور کمال اسلام ہے۔

آج دنیا کی تمام متمدن اقوام کسی نہ کسی "مشترک سیاسی نصب العین کو مرکز بنا کر اسی پر جمع ہونے اور جمے رہنے کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے "دینوں" کو تو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لیکن سیاست یا ملک پرستی کی بنیاد پر متحد رہنے کی کوشش کو اپنا لیا ہے۔ اس طرزِ عمل کو وہ "سیکولرزم" (لادینی اصول حکومت) کہتے ہیں لیکن اس لادینیت سے انسانیت کو ہرگز فروغ حاصل نہیں ہوسکتا۔ دیگر اقوام کو تباہ کرنے کے لئے وہ ایک پردہ ہے۔ اسلام میں حکومت، سیاست، معیشت اور معاشرت وغیرہ ہر شعبۂ حیات، قرآن و سنت کے تابع ہے۔ جس کی بنیاد کلمۂ توحید ہے۔ جو عالم گیر محبت، اخوت اسلامی

اور وحدت کا صحیح پیغام اور جامع نعرہ (SLOGAN) ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کے مقرر کردہ "توحید انسانیت" کے اصول پر تمام انسانوں کو جمع کرتے ہیں اور دوسری قومیں "سیاسی مرکز" پر جمع ہونے کی دعوت دیتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری دینی و ملی وحدت عرصہ ہوا پارہ پارہ ہو چکی ہے اور ہم بھی اسی دلدل میں پھنس گئے ہیں جس میں قرآن و سنت پر ایمان نہ رکھنے والے پھنسے ہوئے ہیں۔ یاد رکھئے کہ ایسی "ایٹمی اور میزائلی" "کامیابیاں" عاقبت کی کامیابیاں ہرگز نہیں ہو سکتیں جو حق و انصاف کو پامال کر کے کمزوروں اور بے گناہوں کا خون بہا کر اور ان کے مکانوں اور اثاثوں کو تباہ کر کے حاصل کی جائیں۔ جیسا کہ اکثر ہوا اور ہوتا رہتا ہے۔ ہمارے صوفیہ ؒ الخلقُ عیال اللہ کے اصول پر وحدت انسانیہ کی عملی دعوت دیتے ہیں ان کی فکر و نظر کلی ہوتی ہے اور اسی کے تحت ان کا عمل، انسانیت نواز ہوتا ہے اور ان کے اخلاق میں خلوص و کشش ہوتی ہے۔ انھوں نے توحید کے پلیٹ فارم پر سب کو متحد کرنے کی کوشش کی اور یار و اغیار سب کو محبت سے گلے لگایا، یہی ان کی کامیابیوں کا اصل راز تھا۔

اگر ہم بحیثیت امت محمدیؐ اپنی دنیا و عاقبت دونوں جگہ خدا اور رسولؐ کی مرضی کے مطابق باعزت اور کامیاب زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تو (۱) مشائخ کرامؒ سے تزکیہ نفس، خشیت الٰہی پر خلوص عبادت گزاری اور عشق رسولؐ کی نعمتیں حاصل کریں اور (۲) ہر قسم کے تعصب سے دل کو پاک کر کے اخوت اسلامی اور وحدت ملی کو فروغ دیں۔ جیسا کہ بزرگان دین نے کیا ہے۔ (۳) اور دینوی علوم و فنون، دنیوی درس گاہوں میں ضرور سیکھیں جو قوم و ملت کی ترقی اور اس کے دفاع کے لئے ضروری ہوں لیکن اس سے پہلے اور اس سے زیادہ سچے مسلمان اور پکے مومن بھی بنیں۔ افسوس ہے کہ یہاں مزید

تفصیل کی گنجائش نہیں ہے جو کچھ تحریر ہوا بطور معترضہ ہوا ہے اور صرف یہ ذہن نشین کرنے کے لئے ہے کہ قوم و ملت کا علاج ، دو اداروں کے ہاتھوں میں ہے (۱) علما و مشائخ کرام (۲) حکومت اور علوم و فنون کے ادارے اول الذکر ، اصلاح عقائد اور تعمیر اخلاق و روحانیت کے ماہر ہیں اور ثانی الذکر ادارے قوم کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے ذمہ دار ہیں ۔

یہاں ہم صرف اول الذکر سے بحث کر رہے ہیں اور خدمات مشائخ کرام کی صرف ایک شق یعنی اصلاح عقائد کا ذکر کر رہے ہیں ۔ اسی کے تحت ہم حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی خدمات کا خلاصہ بیان کریں گے ۔

واضح رہے کہ دنیا میں کوئی سلسلۂ تصوف ایسا نہیں ہے جو عقیدۂ توحید کو نظر انداز کرتا ہو ۔ ہر سلسلے میں اذکار و اشغال اور مراقبات وغیرہ وضع و متعین کرنے کی اصل غرض ہی یہ ہے کہ سالک کے دل و دماغ پر توحید پوری طرح مسلط ہو جائے ۔

چنانچہ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نیازیہ میں بھی اسی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس کے تمام اشغال و مراقبات کی روح یہی ہے کہ سالک پوری طرح توجہ الی الحق میں مستغرق رہ کر فانی فی اللہ و باقی باللہ بن جائے ۔ اور اس جذبے میں ڈوب کر دنیا کے تمام کام انجام دے (دل بہ یار دست بکار) یہ صورت حال بے عملی یا زندگی سے فرار نہیں ہے بلکہ کار حق ، عمل و عشق مصطفےٰ، کرار ی علی مرتضیٰ ، منہاج شریعت و طریقت ، طریقۂ کار خلفاء راشدین ، عشق و سلوک حسین علیہ السلام ، راہ عمل انبیاء اور اصول کار اولیاء و دیگر شہدائے کرام کا مجموعہ ہے ۔

ان ہی کے عمل کو اللہ و رسول نے پسند فرمایا ہے اور ان ہی کو ہمارے

لئے بہترین رفیق و رہنما قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۞ (۴ - ۶۹ ، ۷۰)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ و رسولؐ کا حکم مانتے ہیں ایسے اشخاص ان حضرات کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاءؑ، صدیقینؓ اور شہداءؓ و صلحاؒ اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ ان کے ساتھ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا۔

(ب) دیگر عقائد

واضح ہو کہ "عقائد" تو بے شمار ہیں جن کی اصلاح سلسلہ منیازیہؒ میں داخل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ ہوتی رہتی ہے۔ لیکن ان سب کے ذکر سے یہ کتاب بہت طویل و ضخیم ہو جائے گی۔ لہٰذا اس سے احتراز کیا جاتا ہے۔ البتہ چند اہم عقائد کا ذکر حضرتؒ کی تعلیمات کے تحت ملے گا۔

(۳) اصلاح اخلاق و عادات

(۱) تعمیر سیرت

انسان کی سیرت حسنہ اس کے نیک اخلاق و کردار پر مشتمل ہوتی ہے اچھے اخلاق ہی کو انسانیت یا شرافت بھی کہتے ہیں بہ الفاظ دیگر انسانیت یا سیرت حسنہ ایک مجموعی و عملی صورتِ حال ہے جو اسلامی اخلاقِ حسنہ اور عادات حمیدہ و پسندیدہ کا آئینہ ہوتی ہے۔

لیکن جب تک (۱) مناسب ماحول اور موزوں فضا میں انسان کی پرورش اور تربیت نہ ہو (۲) جب تک انسان کی طبیعت اچھا اثر قبول کرنے کی استعداد نہ رکھتی ہو (۳) جب تک انسان اچھا اثر قبول کرنے کی نیت سے اپنا وقت اچھے ماحول میں نہ گزارے اور (۴) اپنے غلط خیالات سے دل کو پاک کر کے نئی فضا کی نئی برکتوں کو نہ اپنائے وہ "مومن" یا "دین دار انسان" نہیں بن سکتا۔ نہ اس کی "انسانیت" مستحکم ہو سکتی ہے۔

ان تمام امور کے لئے (۱) مرشد و مرید کی نسبت کا قیام (۲) مکمل اطاعت و ادب کا جذبہ اور (۳) خانقاہی فضا میں مرید کی جدوجہد کا بالاستقلال قائم رہنا اشد ضروری ہے تاکہ تربیت مکمل ہو سکے۔

ایسی ذہنی، اخلاقی اور اصلاحی فضا مروجہ درس گاہوں، اسکولوں اور کالجوں میں نہیں پیدا کی جا سکتی کیونکہ ان کا نصب العین مختلف ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زمانۂ سلف میں مشائخ کرامؒ مدرسوں کے ساتھ ساتھ خانقاہی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ صرف کرتے تھے اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص ملک و ملت کے قابل قدر افراد ہوتے تھے یہ حضرات ایک طرف تو مخلوق کے بے لوث خدمت گزار ہوتے تھے اور دوسری طرف اللہ و رسولؐ کے فرماں بردار بندے وہ خصائل حمیدہ اور عادات پسندیدہ کے حامل بھی ہوتے تھے اور درویش کامل بھی۔ غرضکہ وہ دانش و بینش، قلب و قالب دل و دماغ، دونوں کے مالک اور دونوں کے ماہر ہوتے تھے (نظام خانقاہی کو برباد کرنے والوں کی غلط "فکر و نظر" نے جیسے خطرناک "انسان" پیدا کئے اور المناک فتنے برپا کئے ہیں وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ لہٰذا فلاح انسانیت کی ضمانت اسی میں ہے کہ ہم علوم و فنون مروجہ کے ساتھ ساتھ، اہل اللہ کی محبت و رفاقت

بھی اختیار کریں اور ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرکے ان کے علم اور ان کی تربیت سے فیض یاب ہو کر اللہ و رسول ؐ کے عاشقوں کی حیثیت سے زندگی بسر کریں تاکہ معاشرہ اس رنگ میں رنگ جائے جو اللہ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔)

چنانچہ سلف صالحین رحمؒ کی تقلید میں حضرت قبلہ نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز نے مدرسہ و خانقاہ دونوں کے ذریعہ اپنے کمالاتِ دل و دماغ سے لاکھوں بندگانِ خدا کو تقریباً اسی سال مستفیض فرمایا۔

(آپؒ ۱۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ سال کی عمر میں دستار بندی ہوئی اور پچانوے سال کی عمر پاکر ۱۲۵۰ ہجری میں آپ نے وصال فرمایا۔ لہٰذا آپ کی باقاعدہ درس و تدریس اور فیض رسانی قلب و روح کی مدت دستار بندی کے بعد وصال تک اسی سال ہوئی۔) جن خوش نصیب اشخاص کو آپؒ سے براہ راست دینی تعلیم اور خانقاہی تربیت حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ وہ بہترین دل و دماغ رکھنے والے خدارسیدہ انسان بن گئے اور انھوں نے ہمیشہ مخلوق خدا کو فیض پہنچایا چنانچہ آپؒ کی مجموعی خدمات کا اہم ترین حصہ آپ کی یہی خدمات ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

(۵) تزکیۂ نفس، تطہیر قلب، تجلیہ روح، تخلیہ وغیرہ۔ (الف) اصطلاحی زبان میں صوفیانہ تعلیم و تربیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تزکیۂ نفس، تطہیر قلب اور تجلیہ روح ہو اور انسان خدا و رسول ؐ کے عشق میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے کے عادی بنیں۔ اسی صورت حال کی انتہا تخلیہ یا "خدا رسی" ہے اسی لئے فقرائے کرام رحمؒ اور مشائخ عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین روحانی تعلیم و تربیت کو "انسانیت" کا لازمہ اور اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ خیال و عقیدہ کی اصلاح کے بعد یا اس کے ساتھ ساتھ فقرائے اسلام مخصوص اذکار و اشغال اور خاص مراقبات کے ذریعہ انسان کو منزل کمال پر پہنچاتے ہیں اس سلسلے میں ان کے "نصاب تعلیم" اور "عملی تربیت" کے طریقے عام مدارس اور مروجہ تعلیم گاہوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ مشائخ کرام کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر اسلامی اخلاق حسنہ بیدار ہو کر انسان کی سیرت کا جزو بنتے اور روح قوی ہوتی ہے۔ عشق حقیقی کی آگ بھڑکتی اور رفتہ رفتہ انسان "واصل بحق" ہو جاتا ہے۔

اگر اس کی زندگی کا کچھ حصہ خانقاہ میں گزرے تو تمام مرحلے جلد طے ہو جاتے اور ایسا روحانی عروج نصیب ہوتا ہے جو حدود الفاظ و بیان سے باہر ہے۔ خانقاہی فیوض و برکات زندگی کا جزو بن جاتے ہیں۔

سلسلۂ عالیہ نیازیہ میں حضرت قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز کی بدولت مشہور سلاسل طریقت، قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ وغیرہ کے تقریباً تمام خاص خاص اذکار و اشغال اور مراقبات کا بیش بہا خزانہ صحیح و مستند صورت میں موجود ہے اسی طرح مجرب اعمال و وظائف بھی بے شمار ہیں۔ جو طالب کے خلوص طلب اور اس کی استعداد کے مطابق عطا کئے جاتے ہیں۔ اذکار و اشغال اور مراقبات کے ناموں کی فہرستیں پہلے دی جا چکی ہیں۔ البتہ ان کے طریقے، آثار و ثمرات وغیرہ بصیغۂ راز تعلیم کئے جاتے ہیں۔ باقی طالب کی محنت اور اللہ کے کرم پر منحصر ہے۔ جسے جو کچھ مل جائے۔

واضح رہے کہ خلفا پر زیادہ توجہ صرف کی جاتی ہے اور انھیں خاص

خاص ضروری اشغال و مراقبات اور وظائف واعمال عطا کئے جاتے ہیں لہٰذا انھیں، بالخصوص خلفا کے خلفا اور پھر ان کے پیچھے آنے والے ذمہ دار حضرات پہ لازم ہے کہ وہ مرکز بریلی سے رابطہ مضبوط رکھیں اور اپنے اعمال و وظائف، اذکار و اشغال اور کتب و رسائل کی نقلوں کی اصلاح و تصدیق کراتے رہیں تاکہ اغلاط کی اصلاح ہوتی رہے ورنہ محنت رائیگاں جانے کا اندیشہ ہے۔

۵ (ب)۔ اشغال و مراقبات کا تعلق اسلامی فلسفۂ حیات، عقل و عشق، اور علم النفسیات وغیرہا سے ہے اس پر مزید بحث درج ذیل ہے۔

ذکر و اشغال و مراقبات کے متعلق کسی مفصل فلسفیانہ بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہے تاہم چند نکات کا ذکر ضروری ہے۔

مشائخ کرام نے بالعموم اور قادریہ چشتیہ سلسلے کے مشائخ کرام نے بالخصوص، مریدوں کی روحانی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ان کے حالات ان کی ذہنی استعداد، ان کی نفسیات اور ان کی افتادِ طبع کا بیحد خیال رکھا ہے۔

برصغیر میں خاص طور پر چشتیہ سلسلے کے مشائخ کرامؒ نے معاشی و معاشرتی اور نو مسلموں کے سابق مذہبی اثرات کو بھی ملحوظ رکھ کر تربیتی طریقے اختیار کئے ان کے اشغال و اذکار اور مراقبات، قرآن و احادیث اور علم النفس پر مبنی اور ان سے ماخوذ ہیں۔

واضح ہو کہ حقیقت الحقائق تک رسائی کے دو ہی ذرائع خاص ہیں،

(۱) علم توحید و الٰہیات - ۲ - وجدانِ بصیرت

علم استدلالی کی بابت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ ؎ پائے استدلالیاں چوبیں بود　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اس کے علاوہ منطق و استدلال سے ہم صرف ایک حد تک حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں، لیکن خدا کو سمجھنے سے زیادہ اس کی یافت ضروری ہے، جس کے لئے عشق قلب سلیم اور وجدان صحیح کی ضرورت ہے۔

۱۔ اسی لئے چشتیہ سلسلے کے مشائخ عشق کی آگ اور محبت کے سوز و گداز کو بڑھا کر وجدان و بصیرت کو بیدار کرتے ہیں۔ وجدانی کیفیات کا تعلق ایک طرف انسانی قلب و روح اور دوسری طرف معشوق حقیقی سے ہوتا ہے۔ اس رابطہ کی کیفیات ہر سالک کے ساتھ مختلف ہوتی ہیں لیکن قدر مشترک عشق ہی رہتا ہے۔

۲۔ تمام اشغال و مراقبات، سالک کی توجہ کو معشوق حقیقی پہ خیال اور مشاہدہ کے ساتھ مرکوز کرتے ہیں تاکہ نفس و قلب، ذمائم کی طرف مائل ہی نہ ہو سکیں اور روح کو قوت و عروج نصیب ہو۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ وَهُوَ فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔

ترجمہ:۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے ۔۔۔۔۔ ہم تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہیں ۔۔۔۔۔ وہ تو تمہارے نفوس میں موجود ہے کیا تم نہیں دیکھتے۔

ان آیات کے پیشِ نظر مشائخ کرام انفس و آفاق میں حقیقت مطلقہ کی موجودگی اور مظاہر حقیقت میں اسی کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے کی عادت ڈالتے اور جملہ شکوک و شبہات کو رفع کر کے تسکین و طمانیت کی منزل پہ پہنچادیتے ہیں۔

ان فضائل کا بیان تقریر و تحریر میں نہیں سما سکتا۔ ان کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خود ان منازل سے گزرے۔ انہی امور کو تزکیہ نفس تصفیہ قلب

تجلیۂ روح اور تخلیہ یا فقر کی اصطلاحات سے یاد کیا جاتا ہے (یہ چند اصطلاحات ہیں) مشائخ کرامؒ نے صدہا اصطلاحات وضع کی ہیں کیونکہ وہ اشارات میں بات کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ درحقیقت ان کے اشغال و مراقبات کے تمام نام اصطلاحات واشارات ہی ہیں جن کے پیچھے حقائق کا بے پناہ ذخیرہ پوشیدہ ہے۔ ان کے سمجھنے اور ان کے ذریعہ اپنے اندر انقلاب پیدا کرنے کے لئے اساتذہ یعنی مشائخ کرام کی بیعت واطاعت کی ضرورت ہے۔

اب ہم چند مزید نکات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ (۴) عقل۔ قلب اور نفس ــــ کو لطائف ثلاثہ کہتے ہیں۔

الف:۔ عقل۔ حقائق و معارف کے ادراک میں مدد دیتی ہے لیکن اگر اس پر بہیمیت غالب آجائے تو وہ انسان کو راہ حق سے ہٹا دیتی ہے حق کی تصدیق کرنے کے لئے عقل پر نورانیت کا غلبہ ہونا چاہئے اور یہ نورانیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر علم الٰہی سیکھے اور اخلاق حسنہ پیدا کرے۔ اذکار، اشغال اور مراقبات سے عقل نورانی بنتی ہے اور پھر وہی عشق بن جاتی ہے جس سے فراست و وجدان ترقی پاتے ہیں۔ اصطلاح صوفیہ میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عقل اول بھی کہتے ہیں۔ عشق کی بدولت سالک کو نور محمدیؐ کا وجدان حاصل ہوتا ہے۔

ب/قلب:۔ اصطلاح طب میں "قلب" ایک آلۂ جذب و دماغ ہے اور جسم میں خون کو گردش دینا اس کا خاص کام ہے اسی پر جسمانی صحت اور بقائے حیات کا دارومدار ہے اس دھڑکتے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کو بعض احادیث میں قلب کہا گیا ہے مثلاً فرمایا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا

فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ۔

ترجمہ:۔ دیکھو جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے یہ لوتھڑا قلب ہے ۔

یہ لوتھڑا قدرت کا ایک طلسم ہے وہ وجدان اور کشف والہام کا مرکز بھی ہے اور ایک مشین بھی اس کی حرکت بالذات ہے۔ جسم کے تمام اعضا اس کے طفیلی ہیں یہ کسی کا طفیلی نہیں اس کا محرک بالذات ہونا ہی اس امر کی شہادت ہے کہ اس کا تعلق روح اعظم یعنی مالک حقیقی سے ہے جبھی تو جنین میں نظام عصبی کی پیدائش سے پہلے ہی نقطۂ قلب پیدا ہو کر "خود بخود" [1] حرکت کرنے لگتا ہے اور اسی سے حیات کا آغاز ہوتا ہے۔ روح حیوانی عناصر کے امتزاج کا نیتجہ ہے اس لحاظ سے مذکورہ "قلب" انسانی حیات طبعی اور حیات حقیقی (یا یوں کہہ لیجیے کہ روح حقیقی اور روح حیوانی) کا مقام اتصال ہے غالباً اسی خیال کو حضرت مولانائے روم ؒ نے یوں ادا کیا ہے ۔

؎ اتصالے بے تکیف بے قیاس ۔ ہست رب الناس را با جانِ ناس

اور اس لحاظ سے قلب انسانی ، روح و مادہ عالم امر و عالم خلق اور حق و عبد کے درمیان ایک برزخ یا درمیانی کڑی ہوتا ہے جو اگر فلاح پا گیا تو عروج کی طرف مائل ہو جاتا ہے ورنہ انسان کو عالم اسفل میں گرا کر مردود بنا دیتا ہے ۔

---

[1] بظاہر خود بخود لیکن درحقیقت حکم ربی سے متحرک ہوتا ہے ۔
روح : امر ربی ہے ۔

ترجمہ:۔ بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اس کا (یعنی قلب کا) تزکیہ کیا اور بے شک وہ برباد ہوا جس نے اسے خراب کیا۔

صوفیائے کرام رح کی اصطلاح میں قلب ایک لطیفہ یا جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح و نفس انسانی کے مابین ایک درمیانی چیز ہے، حکما اسے نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ بندے کا قلب اللہ کا عرش ہے جس میں حق تعالیٰ بالذات ظاہر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے جس کی ایک چمک تمام مخلوقات و موجودات کا خلاصہ ہے وہ فرماتا ہے ما وسعنی ارضی ولا سمائی ووسعنی قلب عبدی المومن ۔ (یعنی میں زمین و آسمان میں نہیں سماتا لیکن مومن بندے کے قلب میں سما جاتا ہوں) گویا قلبِ مومن کی وسعت، زمین و آسمان کی وسعتوں سے زیادہ ہے۔ قلب مومن ہی ایمان کا مسکن ہے وہی مہبط وحی ہے۔ وہی سلیم بن کر خدا سے واصل ہوتا ہے۔ ان تمام امور کا ثبوت آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی میں موجود ہے۔

فلاحِ انسانیت کا دار و مدار قلب پر ہے اور ہدایت کا شرح صدر پر

(فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ) (۱۸ - ۱۳۰)

دل میں وسوسہ پیدا کرنے والے شیطان کو خناس کہتے ہیں سورہ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ میں اس کا ذکر ہے۔ طعام ناجائز، لقمہ حرام و مشکوک اور غفلت عبادات سے خناس فربہ ہوتا ہے توبہ استغفار، مخالفت نفس، پاس انفاس، ذکر و فکر اور مراقبات سے وہ ضعیف ہوتا اور دل کی نورانیت بڑھتی ہے۔ حبسِ دم سے بھی تصفیۂ قلب ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے بموجب " قلب چار قسم کے

ہوتے ہیں ایک اجرد (یعنی پاک صاف دل ہے جیسے ایک روشنی بکھیرتا ہوا چراغ ہو۔ دوسرا اغلف مربوط گویا جسے باندھ دیا گیا ہو۔ تیسرا قلب معکوس یعنی اوندھا، چوتھا قلب مصفح (جس میں ایمان نفاق دونوں جمع ہوں)۔ قلب اجرد مومن صادق کا قلب ہے کہ ایمان کا چراغ روشن رہتا ہے اور قلب اغلف کافر کا قلب ہے جس پر مہر لگی ہوتی ہے قلب معکوس خالص منافق کا دل ہے جو حق کو جانتے ہوئے اس کا انکار کرتا ہے۔ چوتھا اس شخص کا قلب ہے جس میں ایمان کے ساتھ نفاق کی آمیزش ہو۔

(احمد بن حنبلؒ۔ مسند ابی سعید ثالث)

(مزید معلومات کے لئے ناچیز مصنف کا وہ مضمون دیکھئے جو صلاح و فلاح قلب انسانی کے عنوان سے رسالہ ندائے حق لاہور کے شمارہ نمبر ۵ جلد دوم ماہ اپریل ۱۹۶۰ء میں شائع ہو چکا ہے اور انشاءاللہ عنقریب دیگر مضامین کے ساتھ کتابی صورت میں شائع ہو جائے گا۔)

(ج) نفس :۔ نفس انسان کی ذات یا طبیعت ہے نفس انسانی کی حقیقت اس کی روح ہے اور روح کی حقیقت حق تعالیٰ ہے۔ نفس کا کام خواہش و آرزو ہے جب انسان کی طبعیت بہیمیت کی طرف مائل ہو تو اسے نفس امارہ کہتے ہیں جب اسے اپنی ضلالت کا احساس ہو اور وہ گناہ پر ملامت کرے تو اسے نفس لوامہ کہتے ہیں. جب وہ اصلاح و تہذیب کے اعلیٰ مراتب پہ پہنچ جائے جب وہ خدا ورسولؐ کا پوری طرح مطیع ہو جائے تو اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں نفس کی تین اقسام ہیں۔ ان کی وضاحت قرآن پاک میں مذکور ہے۔

صوفیائے متقدمین وسلف صالحین میں سے کسی نے بھی نفس کشی کی تعلیم نہیں دی کیونکہ وہ رہبانیت ہے۔ وہ تہذیب نفس کی تربیت دیتے ہیں۔ اسی

کا نام تزکیہ نفس ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں فرائض نبوی بتاتے ہوئے ویزکیھم کہہ کر کیا گیا ہے ۔

تہذیب نفس یا تزکیۂ نفس کے دو اجزاء ہیں ۱۔ نفی ۲۔ اثبات ۔

۱۔ نفی یہ ہے کہ نفس امارہ اور اس کے راستے پر چلنے کی مخالفت کی جائے اور

۲۔ مخالفت اس لئے کریں تاکہ موافقت حق حاصل ہو ۔

پھر "اثبات بالقصد" بھی ضروری ہے جس کے طور طریقے مشائخ کرام رض سے سیکھنا ضروری ہے کیونکہ وہی اس فن کے ماہر ہوتے ہیں ۔

اس مجاہدے کا اصل مقصد یہ ہے کہ نفس امارہ ، نفس مطمئنہ بن جائے اسی کو بعض صوفیوں نے فنا و بقا کہا ہے بعض اپنے وہمی وجود کی نفی کر کے حقیقی وجود کا اثبات کرتے ہیں ۔ یہی صحیح ترین خیال ہے کیونکہ اس کی تائید قرآن و احادیث دونوں سے ہوتی ہے بہر حال صوفیوں کی "فنا" نیستی نہیں ہے بلکہ بقا میں کمال حاصل کرنا ہے ۔

اسی لئے چشتیوں میں اپنی وہمی خودی کی نفی اور حقیقی خودی کا اثبات عبادت کی جان ہے اور جب اس کے ساتھ ان کا عشق حقیقی اور جوش محبت شامل ہو جاتا ہے ۔ تو عام رسم و راہ کی پابندیوں کو وہ "کفر" سمجھتے ہیں اور جوش و غلبۂ عشق سے ان بیڑیوں کو توڑ کر جھومتے ہوئے لانبی لانبی جستوں کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز نے اسی صورت حال کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے ۔

ے خانقاہ چشت میں جس نے قدم پہلا رکھا
دوسرا اس کا قدم پھر عرش کے بالا پڑا

قاب قوسین اس کے آگے ایک ہے ادنٰی مقام
واں پہنچ کر کچھ نہ پوچھو کیا سے کیا بھر کیا ہوا

مختصر یہ ہے کہ چشتیہ سلسلے میں عشق حقیقی کے ذریعہ نفس کو مہذب بنایا جاتا ہے یہی نہیں بلکہ اپنی خودی کی جگہ حقیقی اور بلند ترین خودی کو قائم کیا جاتا ہے تمام اذکار و اشغال، تمام مجاہدات، تمام وظیفے اور چلے وغیرہ مذکورہ نوعیت کے تزکیۂ نفس کے وسائل ہیں لیکن سوزِ محبت سب پر بھاری ہے عشق میں دل کی ہر تڑپ اور ہر کسک تزکیۂ، تصفیہ اور تجلیہ کا کام کرتی ہے اس کے بغیر ہر عبادت ہر وظیفہ اور ہر چلہ بے کار ہے۔

"تزکیۂ نفس"، "تصفیہ قلب" اور "تجلیہ روح سے اندرونی قوتیں بیدار ہوتی ہیں اور "الذر کا انسان" تعمیر و تکمیل کے بعد ابھرتا ہے اس دوران سالک کو کٹھن مرحلے پیش آتے ہیں جن سے مرشد کی دستگیری گزار دیتی ہے۔

تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب و دل اور تجلیہ روح سے سکونِ قلب منزلِ یقین اور لطف عبادت حاصل ہوتا ہے۔ یہی روحانیت ہے۔ اہل فلسفہ کو یہ نعمتیں حاصل نہیں ہو سکتیں کیونکہ فلسفہ میں تخمین و ظن، شکوک و شبہات اور تذبذب کے سوا کچھ نہیں۔ ان امور کی قرآن پاک نے صاف الفاظ میں یہ فرما کر تردید کر دی ہے کہ۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○ تاکید جالو کہ حق (کی یافت) کے لئے تخمین اور ظن (انسانی فلسفہ اٹکل پچو باتیں) ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتیں۔

ہمارے صوفیائے کرامؒ نے تزکیہ و تصفیہ کے اصول۔ اوامر نواہی کے احکام وغیرہ سب قرآن و سنت سے لئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مقلدوں کو سکونِ قلب اور یقین کامل جیسی نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں اسی لئے

ہمارا یہ دعویٰ ناقابل تردید ہے کہ ہمارا تصوف یا ہماری روحانیت دنیا کے کسی "فلسفہ" سے ماخوذ نہیں ہے نیز یہ کہ ہماری اسلامی روحانیت "تمام انسانی" فلسفوں کی اصلاح کے لئے نہ کہ ان سے سبق سیکھنے کے لئے ہے۔

فصل - ۶

خانقاہی طالبانِ حق کی ریاضت

بقول مصنفِ "کرامات نظامیہ" حضور قبلہؒ کے خانقاہی طلبا کی ریاضت کا یہ حال تھا کہ دن کو ایک وقت کھانا کھاتے تھے اور شب کو چلتے پر گزارتے تھے یعنی روزانہ رات کو اپنے اپنے شغل میں بیٹھتے تو صبح کر دیتے تھے۔

بعد وصال جناب قبلہؒ کے حضرت تاج الاولیا قدس سرہ العزیز کے زمانے میں بھی مولوی عبیداللہؒ صاحب (خلیفۂ بزرگ حضور قبلہؒ) کے زمانے تک طلبا کی یہی حالت رہی۔ جب کسی طالب کو غفلت ہوتی یا کوئی بغیر خیال کے ویسے ہی بیٹھا ہوتا تو مولوی عبیداللہ صاحبؒ مغفور۔ جنھوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا تھا، آکر ڈانٹ بتلاتے اور ان کو متنبہ کر کے اپنے کام سے لگا دیتے تھے۔ اس طرح آخر کو وہ پارس بن کر نکلتے تھے"۔

"ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جناب نیازؒ بے نیاز نے طلبا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کوئی ایسا ہے جو اس گیندے کے درخت کو اپنے خیالی سے خشک کر دے۔ شاہ جی شرف الدینؒ نے عرض کیا کہ حکم ہو تو میں اس عمل کو کروں آپ نے حکم دیا۔ انھوں نے اپنی توجہ سے اس درخت کو خشک کر دیا۔ دو ایک روز بعد پھر آپؒ نے خطاب کیا کہ کوئی ایسا ہے جو اس خشک شدہ درخت کو پھر ہرا کر دے۔ مرزا اسداللہ بیگؒ

نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس عمل کو کروں ۔ چنانچہ ان کی نظر پُر تاثیر سے وہ خشک درخت سرسبز ہو گیا۔ جب طلبا کی یہ حالت تھی تو جو خلفاء مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے تھے ان کے تصرفات کیا ہوں گے۔ پھر حضور قبلہ ؒ کے تصرفات کا کوئی کیا احاطہ کر سکتا ہے۔"

خانقاہی طلبا کو جناب قبلہ کا یہ حکم تھا کہ شب کو شہر کے باہر جا کر ذکر کیا کریں ایک روز ان سب میں یہ مشورہ ہوا کہ اس قدر دور جانا کیا ضرور ہے (فلاں شخص کے باغ) میں بیٹھ کر ذکر کرنا چاہیئے چنانچہ اس باغ میں جا کر دو تین روز انہوں نے ذکر کیا ان کے ذکر سے باغ کی یہ حالت ہوئی کہ اس کے پتے اور میوے خشک ہو ہو کر گرنے لگے ۔ مالی نے یہ دیکھ کر مالک سے عرض کیا کہ خزاں کا زمانہ نہیں مگر درختوں کے پتے اور میوے خشک ہو ہو کر گرے جاتے ہیں ۔ مالک نے وجہ پوچھی اس نے کہا کہ کوئی ارضی و سماوی وجہ تو معلوم نہیں ہوتی البتہ دو تین روز سے میاں صاحب کی خانقاہ کے آدمی رات کو کو کا کرتے ہیں۔ مالک باغ نے جناب قبلہ ؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے طلباء نے میرے باغ کو اجاڑ دیا۔ آپ کو یہ خیال ہوا کہ اس کے باغ میں سے شاید انہوں نے میوہ توڑا ہو گا۔ اس نے ساری کیفیت بیان کی اس وقت جناب قبلہ ؒ نے ان طلباء کو بلا کر فرمایا کہ میں جو تم کو ذکر کرنے کے لئے جنگل بھیجا کرتا ہوں تو کیا خانقاہ میں جگہ نہیں ہے میں جو تم کو جنگل بھیجا کرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے ذکر کے اثر سے شہر ویران ہو جاتا اس مصلحت سے وہاں بھیجتا ہوں۔ اور تم لوگوں نے ان کے باغ میں ذکر کر کے اس کے باغ کو ویران کر دیا ۔ آئندہ ایسی باتوں کی احتیاط چاہیئے ۔۔۔۔۔"

فصل ۔ ۷

خانقاہ شریف کے ذریعہ حضرت نیاز بے نیاز

قدس سرہ العزیز کی اہم ترین خدمات کا خلاصہ

حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی عظیم ترین قومی وملی خدمات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی خانقاہی تعلیم وتربیت کے ذریعہ اپنے لاکھوں مریدین ومعتقدین کے عقیدۂ توحید کی اصلاح کی اور اس طرح ان کا ایمان درست کیا۔

* انھیں عشق خدا ورسول ؐ کی لذت عطا کی۔
* انھیں خدا ورسول کی محبت میں جینا اور انہی کے عشق میں مرنا سکھایا۔
* انھیں علماء ظواہر کے مناقشات سے بچا کر اپنی نگرانی وتحفظ میں اولیاء اللہ کی راہ پر چلایا۔ جن کی مقبولیت کی شہادت قرآن وحدیث میں دی گئی ہے۔ (اسلام کے تمام گروہوں میں صرف ایک کو جنتی قرار دیا گیا ہے اور وہ گروہ اولیاء اللہ کا ہے) قرآن پاک کی یہ واضح آیت: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ دو دو تاکیدوں کے ساتھ اولیاء اللہ کی مقبولیت ومحبوبیت کی سند ہے)
* حضور قبلہؒ کی تعلیم وتربیت کی بدولت یہ دنیا ہی ان کے مریدوں کے لئے جنت بن گئی اور جنت میں وہ اعلیٰ وارفع انعاماتِ حق کے مستحق ہو گئے۔

* پھر انہوں نے دوسروں کو ہدایت کی روشنی دکھائی
* ان کی بدولت معاشرہ صالح بنا۔
* آپؒ کے ذریعہ ہزار ہا غیر مسلموں نے نہ صرف اسلام قبول کر لیا بلکہ اللہ والے بن گئے۔ (اس کا ذکر آئندہ باب میں کیا گیا ہے)
* کیا دنیا میں کوئی اہل انصاف ان خانقاہی فیوض و برکات پہ کوئی اعتراض کر سکتا ہے؟ اور کیا دنیا نے کوئی دوسرا نظام تعلیم و تربیت (اخلاقی و روحانی) اس سے بہتر پیش کیا ہے؟

باب ۔ ۲۰

حضرت شاہ نیاز بریلوی بحیثیت شاعر

فصل ۔ ۱

حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہ العزیز ایک عظیم المرتبت اور قادر الکلام صوفی شاعر تھے ۔ ان کا بلند پایہ کلام چار زبانوں یعنی عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں ہے اور ان کے مروجہ مختصر دیوان کی صورت میں ۲۵ یا ۲۶ بار پاک وہند کے مختلف اشخاص اور اداروں کی جانب سے طبع ہو چکا ہے[1] ۔ آخری ایڈیشن پاکستان میں جناب سید حسن کاظمی نیازی (پیارے میاں مرحوم) خلف حکیم سید علی الکریم قسطاکی نظامی نیازی نے نہایت خوب صورت شائع کیا ہے ۔ اور اس سے تھوڑے ہی عرصہ قبل ایک ارزاں ایڈیشن (سائز درسی کتب) حضرت محترم قبلہ "صاحبزادہ" سید ح محمد نیازی اجمیری مرحوم، (خلیفہ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد عرف حضرت ننھے میاں صاحب نبیرہ وجانشین دوم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہم) نے کراچی سے شائع کیا تھا جس کا ہدیہ رفاہ عام کی نیت سے محض لاگت کے برابر صرف دو روپیہ رکھا گیا تھا تاکہ غریب شخص بھی استفادہ کر سکے لیکن اب یہ ہدیہ پانچ روپیہ ہے[2]

---

[1] مسعود نظامی صاحب ۔ خانقاہ نیازیہ ۔ بریلی ۔ (۲ نمبر حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"دیوان نیازؔ" کا ایک نسخہ حضرت ملا مزمل خان صاحب سرحدی کا چھپوایا ہوا ہے۔ یہ نسخہ ۱۳۴۸ھ میں آگرہ اخبار پریس، آگرہ میں حضرت میکشؔ صاحب مدظلہ العالی کی معرفت شائع ہوا تھا۔ یہ دیوان نیازؒ کا چوبیسواں ایڈیشن ہے۔ دیوان مذکور کے تین حصے کئے جا سکتے ہیں۔ حصہ اوّل میں فارسی کی ۱۰۱ غزلوں کے علاوہ ایک غزل ذولسانین (یعنی جس کا پہلا مصرعہ فارسی اور مصرعہ دوم عربی میں) ہے اور ایک غزل پوری عربی میں ہے ۱۵۰۰ اشعار کی دو مثنویاں۔ چالیس اشعار پر مشتمل پانچ مستزاد اور شروع میں ۹۲ اشعار پر مشتمل ایک پُر اثر مناجات ہے مناجات میں عربی کے الفاظ اور مصرعے نہایت روانی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

"دوسرے حصے میں اردو کلام ہے اس میں اردو کی ۶۶ غزلیں ہیں جن کے اشعار کی تعداد سوا پانچ سو(۵۲۵) سے زیادہ ہے۔"

تیسرے حصہ میں ہندی کا کلام ہے اس کی زبان اور مضامین کو پڑھ کر ہندی کلاسیکی دور کے عظیم الشان شاعر ملک محمد جائسیؒ کے شاہکار پدماوت کے بارہ ماسہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اس حصہ میں پچیس ہولیاں اور ایک پھاگ ہے (جن میں تصوف کا رنگ ہے) .... حضرتؒ کے

(۲۵ پچھلے صفحہ کا حاشیہ ہے) بہت سے نسخے تو مفت ہی تقسیم ہوئے اب صرف دو تین درجن بچے ہیں جو بنا چیز مصنف تذکرہ ہٰذا الحاج پروفیسر شاہ محمد عبدالغنی نیازی نظامی ۱۳۴ ۔ ڈی، پی ای سی ایچ کراچی سے ہدیہ و محصول ڈاک ادا کر کے مل سکتے ہیں یا چند نسخے حضرتؒ قبلہ کے صاحبزادگان مولوی سید محمد ظہور صاحب نیازی اجمیری و مولوی سید عبدالرؤف صاحب نیازی اجمیری کریانہ اسٹور نفیر کا پیڑ حیدرآباد سندھ سے مل سکتے ہیں۔

۲۶ مراسلہ حضرت میکشؔ مدظلہ، ہماری زبان۔ بابتہ ۸۔ جون ۶۳ء

اشعار کی مقبولیت کا اندازہ ایڈیشنوں سے لگایا جا سکتا ہے اس کے علاوہ معاصرین سے لے کر اب تک ہر علم و ذوق کے صاحبانِ قلم نے حضرتؒ کے اشعار سے اپنے اپنے مضامین کو مزین کیا ہے اتنا زمانہ بیت جانے کے باوجود آج بھی حضرت کے نغموں کے سُر مدھم نہیں پڑے اس بیسویں صدی میں مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بقول حضرت میکش صاحب۔ آج بھی کوئی عرس و قوالی کی محفل ایسی نہیں ہوتی، جہاں حضرتؒ کی غزلیں قوال نہ گاتے ہوں (ہماری زبان ۸ رجون ۶۳ء)[1] بیسویں صدی کے مصنفین میں مولانا اشرف علی صاحب[2] سے لے کر عظیم بیگ چغتائی[3] اور شوکت تھانوی[4] تک تقریباً ہر صاحب علم و فن نے آپؒ کے اشعار اپنی تخلیقات میں نقل کیے ہیں"[5]

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز توحید وجودی کے قائل تھے۔ اور شراب عشق حقیقی میں ہر وقت مستغرق و بے خود رہتے تھے لہٰذا شعر بہت کم کہتے تھے (ورنہ آپؒ کا دیوان اتنا مختصر نہ ہوتا) آپ نے جو کچھ لکھا ہے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر لکھا ہے لہٰذا پورا کلام محض آمد ہے اس میں آورد کا نشان تک نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشکل سے مشکل ردیفوں میں بھی ایسے رواں

---

[1] مسودہ نظامی۔ خانقاہ نیازیہؒ بریلی۔

[2] تصوف و سلوک از مولانا عبدالباری عثمانیہ یونیورسٹی صفحات ۲۰۹ و ۲۹۳۔

[3] مسز کرٹھلے،

[4] سونا چاہ میں ص ۵۵۔

[5] مسودہ نظامی۔ خانقاہ نیازیہؒ بریلی۔

٭ ٭ ٭

اشعار ملتے ہیں جیسے سبک رفتار صاف وشفاف پانی بہہ رہا ہو۔ پروفیسر خلیق نظامی مشائخ چشت میں لکھتے ہیں:۔

"شاہ نیاز احمد صاحب (قدس سرہ العزیز) کو سوز و گداز سے بھری ہوئی طبیعت ودیعت کی گئی تھی عشق ان کے خمیر میں تھا۔ جذبات عشق ومحبت کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ شاہ صاحب شعر بہت کم کہتے تھے اسی وجہ سے ان کے اردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت میں کم نہیں ان کی فکر رسا نے تصوف کے نہایت باریک مسائل کو انتہائی حسن و دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں آورد نہیں وہ واردات قلبی کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سوز و گداز۔ درد اور علو معانی کے علاوہ نفاست، سلاست اور روانی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں"۔ [۱]

حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہ العزیز نے اپنے وصال (۱۲۵۰ھ) سے پچیس سال قبل شعر کہنا چھوڑ دیا تھا[۲] اور قیاس کہتا ہے کہ ۱۵-۱۶ سال کی عمر (یعنی تکمیل علوم کسبیہ کی دستار بندی) کے بعد ہی آپؒ نے شاعری شروع کی ہوگی۔ لہٰذا آپ کا زمانہ شعر گوئی ۱۱۷۰ھ سے ۱۲۲۵ھ (سال وصال سے ۲۵ سال قبل) تک تقریباً ۵۵ سال پر مشتمل ہوگا۔ یہ زمانہ شعرائے طبقہ متوسطین [۳]

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت۔ صفحہ ۵۶۴

[۲] مضمون جناب محمود نیازی صاحب (مصنف تلمیحات غالب) مطبوعہ رسالہ بصائر کراچی۔ جنوری ۱۹۶۳ء صفحہ ۶۲۔

[۳] یا اردو شاعری کا تیسرا دور۔ مضمون جناب محمود نیازی صاحب مطبوعہ رسالہ بصائر۔ کراچی۔

(اساتذۂ دہلی) کا زرین عہد سمجھا جاتا ہے۔ اس مدت میں یعنی زمانۂ شعر گوئی حضرت شاہ نیاز رحمۃ اللہ علیہ بریلوی (۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء تا ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۲ء) کے دوران مرزا مظہر جانِ جاناں۔

(۱۷۲۱ء تا ۱۷۸۱ء) خواجہ میر درد (۱۱۳۳ھ تا ۱۱۹۹ھ)

میر سوز ۱۱۳۳ھ تا ۱۲۱۳ھ) سودا (۱۲۲۵ھ تا ۱۱۹۵ھ)

میر حسن (متوفی ۱۲۰۱ھ میر تقی میر متوفی ۱۲۲۵ھ

اور طبقہ متاخرین کے

اساتذۂ دہلی میں

انشا (متوفی ۱۲۳۳ھ) اور مصحفی (۱۱۶۴ تا ۱۲۴۰ھ) وغیرہ کی موجودگی ثابت ہے۔ گو ان میں نہ سب "اہلِ باطن" تھے نہ سب حضرت شاہ نیاز قدس سرہ العزیز کے ہم عمر۔ لیکن جوہرِ کمال کے لحاظ سے اللہ پاک کبھی چھوٹوں کو بھی بڑائی عطا فرماتا ہے اور کبھی بڑوں کا سر جھکا دیتا ہے، مصحفی نے حضرت شاہ نیاز قدس سرہ العزیز سے دہلی کے مدرسۂ فخریہ میں بعض درسی کتابیں پڑھی تھیں اور آپ کی (بقول خود) "شانِ وجاہت دیکھی تھی" اس کے بعد وہ بہت جلد مشہور ہوگئے حتیٰ کہ جب ان کی شہرت کا آوازہ حضرت نیاز قدس سرہ العزیز کے گوشِ مبارک تک پہنچا تو آپ نے اپنی ایک غزل ان کے مطالعہ کے لیے بھیجی۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہ العزیز کافی سن رسیدہ تھے جب ایک مرتبہ حضرت نیاز بے نیاز نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے اپنی ایک غزل اپنی ہی زبان سے سنائی تو حضرت شاہ نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے ہر شعر پر ان کا سر عالم بے خودی میں جھکتے جھکتے زمین تک پہنچ جاتا تھا۔

مدعائے تحریر یہ ہے کہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے

زمانہ شاعری میں متعدد نامور اساتذۂ فن موجود تھے (بعض شروع سے آخر تک اور اور بعض زمانۂ مذکور کے معتد بہ حصہ میں موجود رہے) لیکن حضرتؒ نے نہ کسی کو فن شعر میں استاد بنایا نہ کسی سے مشورۂ سخن کیا اور نہ ہی کسی باکمال شاعر کا رنگ اختیار کیا آپؒ اپنے رنگ میں منفرد تھے اور جو کچھ لکھا اسی رنگ میں لکھا اُن کے بعد آج تک کسی شاعر کا کلام الف سے یٰ تک ایک ہی رنگ توحید و عشق میں یکساں ڈوبا ہوا نہ ہوا گویا حضرت شاہ نیازؔ بریلوی قدس سرہ العزیز اس اعلیٰ و منفرد طرز شاعری کے بانی بھی تھے اور خاتم بھی۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا عشق حق حضرتؒ کے خمیر میں تھا۔ توحید وجودی آپ کا مسلک و مشرب تھا۔ آپؒ مجسم پیکر سوز و گداز تھے یہ تینوں خصوصیات بمعہ اُن اوصاف و کمالات کے جن کا ذکر پہلے ہوا یا آئندہ صفحات میں ہوگا، بیک وقت آپ کے کسی ہمعصر شاعر روحانی یا غیر روحانی میں نظر نہیں آتیں۔ البتہ خواجہ میر دردؒ کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے حالانکہ ان کے کلام میں بھی وہ جوش و خروش وہ سوز و گداز، وہ شدت احساس اور اظہار وحدت الوجود سے متعلق اتنی بے باکی و تفصیل نہیں ہے نہ محققانہ انداز بیان ہے جو حضرت شاہ نیاز قدس سرہ العزیز کے کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

آپؒ کی شاعری کسی دیگر شاعر کی مرہون منت نہیں ہے وہ بارگاہ حق نعم کا خاص عطیہ ہے اسی لیے نہ کسی استاد کی محتاج رہی نہ اس نے زمانے کا رنگ اختیار کیا آپؒ صحیح معنی میں تلمیذ الرحمٰنؒ تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا منشا دیہ تھا کہ عشق حقیقی اور توحید حقیقی کے باریک مسائل حضرت شاہ نیازؔ بے نیازؒ کے ذریعہ ان کی ذاتی تربیت روحانی کے علاوہ۔ بصورت اشعار بھی عوام و خواص تک پہنچ سکیں اور

رہتی دنیا تک پہنچتے رہیں اسی لیے اس نے آپؒ کو عربی و فارسی کے علاوہ (جو خواص کی تحریری و علمی زبانیں تھیں) اردو ہندی (پوربی) میں بھی (جو اس دور کی عام زبانیں تھیں۔) ایک قادر الکلام "شاعر" کی حیثیت عطا فرمادی تاکہ آپؒ دل میں گھر کر جانے والے انداز میں مشکل مسائل فقر و توحید خواص و عوام تک پہنچا سکیں۔ اور بموجب اس اصول کے کہ "عشق حقیقی کی گرمی عاشقان حق کی صحبت ہی سے میسر آسکتی ہے" خود حق تعالیٰ نے آپؒ کو سوز و گداز عشق اور محبت حقیقی کا ایک کوہ آتش فشاں بنا دیا تھا جس سے ہر وقت دھواں اٹھتا رہتا تھا بلکہ کبھی کبھی ان کا یہ سوز و درد مادہ آتشیں کی طرح جوش مار کر بصورت اشعار ابل پڑتا گویا منشاء حق یہی تھا کہ خواص و عوام (طالبان حق) آپ کی صحبت بابرکت اور آپؒ کے کلام حقیقت التیام سے آتش حق اور سوز محبت کی گرمی حاصل کرتے رہیں۔ اسی لیئے آپؒ کا دیوان از اول تا آخر "گنجینۂ آتش حق" اور "سرچشمۂ سوز و گداز ہے"۔

تاہم قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو صرف بحیثیت "شاعر" جانچنا یا کسی شاعر سے ان کا مقابلہ کرنا اصولاً غلط ہے۔ وہ نہ "شاعری" کے لیے شاعر تھے نہ ان کی عظمت کی بنیاد شاعری تھی۔ شاعری ان کی بارگاہ میں خواص و عوام تک پیغام حق پہنچانے اور طالبان حق کی تعلیم و تربیت کا محض ایک ذریعہ تھی۔

یوں محض بلحاظ "فن" و "محاسن شاعری" بھی بڑے سے بڑے شعرائے فارسی و اردو سے ان کا موازنہ و مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ انشاء اللہ حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہ العزیز کا پلہ بھاری نکلے گا۔ لیکن تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس کے لیئے علیحدہ ہی ایک مقالہ سپرد قلم کرنے کی ضرورت ہے۔

زبان کے لحاظ سے بھی خواہ عربی فارسی ہو خواہ اردو یا ہندی (پوربی)

ان کی زبان شاعری ان کے دور کے نقائص لسانی سے پاک ہے ۔ ان کی فارسی و عربی تو انتہائی معیاری، صاف و شستہ اور فصیح و بلیغ ہے ۔ ان کی اردو بھی ان کے ہمعصروں سے کہیں زیادہ صاف ستھری ہے اسے پڑھ کر یہ نہیں محسوس ہوتا کہ وہ آج سے پونے دو سو برس پہلے کی زبان ہے ۔ بعض چھوٹی بحر کی غزلیں تو بالکل آج کی معلوم ہوتی ہیں ۔ ہندی بالخصوص، پوربی بولی میں حضرت نے جو عارفانہ نکتے بیان فرمائے ہیں اور موسمی قدرتی فضاؤں اور ہنود کے قومی تہواروں کے پس منظر میں جس طرح توحید و عشق کے مضمرات ہنود کے لیے بیان کئے ہیں اور فقر و عشق کے مضمرات ہنود کے لیئے بیان کئے ہیں اور فقر و روحانیت کا پیغام اس طبقہ تک پہنچایا ہے صوفیانہ شاعری میں اس کا جواب نہیں ہے واضح رہے کہ سینکڑوں ہندو بھی آپؒ کے مرید تھے (وہ سب محض "نام" کے "ہندو" لیکن حقیقت میں مسلمان بلکہ مومن تھے) ان کے لیئے ان کی زبان میں اشعار ضروری تھے ۔ ہندو ہی نہیں قصباتی مسلمانوں کی بھی وہی زبان تھی اور حضرتؒ نے ہولی اور سہاگ کے پردوں میں وہی عارفانہ نکتے بیان فرمائے ہیں جو فارسی اور اردو کلام میں ہیں ۔

ان اشعار میں جو پوربی زبان استعمال کی گئی ہے وہ اس قدر سہل و شیریں ہے کہ آج تک سلسلۂ نیازیہؒ کی محفل سماع میں (بلکہ دیگر اہلِ دل کی محفلوں میں بھی حضرتؒ کا ہندی کلام پڑھوا کر لطف روحانی حاصل کیا جاتا اور آتش عشق پر تیل چھڑکنے کا کام لیا جاتا ہے ۔

آپؒ کے تمام کلام میں کیفیاتِ روحانی اور وارداتِ قلبی کی صداقت و شدت ۔ اسلوب بیان کی فصاحت و بلاغت ۔ روانی و سلاست زور بیان ۔ حسنِ بیان ۔ موزوں تشبیہات ۔ دل نشین استعارات وغیرہ تمام محاسن موجود ہیں ۔

جابجا آیات و احادیث اور تلمیحی اشارات کا استعمال کیا گیا ہے لیکن صفائی

اور روانی ایسی ہے کہ استعمال مذکور سماعت پر بار نہیں معلوم ہوتا۔

بحیثیت مجموعی آپؒ کا کلام الف سے ی تک آمد ہی آمد ہے۔ تصنع یا آورد کا نشان تک نہیں ہے۔ کسی استاد کے تلمذ کے بغیر اور زمانہ کی روش یا کسی دوسرے شاعر کی تقلید سے ہٹ کر ایسی شاعری کرنا جو آج تک نہ صرف صوفیائے کرام، درویشوں اور مشائخوں میں قبول عام کا شرف رکھتی ہے بلکہ آج بھی مستند علماء و ادبا اپنی تصانیف میں حضرتؒ موصوف کے اشعار نقل کرتے رہتے ہیں۔ ایسی شاعری اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاص عطیہ نہیں تو کیا ہے؟

پروفیسر خلیق نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے: "شاہ صاحبؒ عشق حقیقی کے نشے میں چور رہتے تھے درد عشق ان کا سرمایۂ حیات تھا یہ آگ ہر وقت ان کے سینے میں سلگتی رہتی تھی کبھی کبھی اس کے شرارے شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے وہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن جب بھی کہتے اپنا دل نکال کر رکھ دیتے۔ اس کے لفظ لفظ سے اثر ٹپکتا ان کے شعر اعماق روح سے نکلتے اور دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اس زمانہ کے صوفیا میں بہت مقبول ہوا۔ [1]"

صرف اس زمانہ میں نہیں۔ آج کی محفلیں بھی جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ ان کے کلام سے گرمائی رہتی ہیں بشرطیکہ شرکائے محفل کے مذاق پر دور حاضر کے فلمی گانوں کا رنگ یا زنگ نہ چڑھ گیا ہو۔ بالفاظ دیگر وہ صحیح معنیٰ میں "اہل سماع" ہوں۔

ناچیز مصنف تذکرہ ہذا کی نظر میں حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، صفحہ ۵۶۱

"فانی فی اللہ شاعر سبحانی" اور "آواز رحمانی" تھے۔ طالبانِ حق کے لیئے بھی ان کا پیغام یہی تھا۔ یعنی بقول خود۔

پاک منزہ پورے ہو کے سبحانی گن گاؤجی
نیازؔ گیا جب اللہ لوگو۔ کون رہا فرماؤ جی!

یعنی جب اللہ میں فنا ہو گیا۔

فصل-۲

کلام فارسی

قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز بریلوی قدس سرہ العزیز کے بے مثال کلام فارسی کے متعلق کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

حکیم سنائیؒ، مولانائے رومؒ، حضرت عطارؒ اور حضرات حافظؒ و جامیؒ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، فارسی میں صوفیانہ شاعری کے میدان کے شہسوار سمجھے جاتے ہیں لیکن وہ سب اپنے اپنے رنگ میں منفرد ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ اپنا ایک خاص مقام اور مخصوص انفرادی رنگ رکھتے ہیں ان کے ہمعصروں یا ان سے قبل یا بعد کے صوفی شعراء میں سے کسی کو ان کا ہمسر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ عشق حقیقی اور توحید حقیقی کی ترجمانی اور وکالت جس شدت جس صداقت اور جس خلوص کے ساتھ اور جیسے محققانہ و مجتہدانہ انداز میں حضرت شاہ نیاز بریلویؒ نے کی ہے اس سے تمام دوسرے صوفی شاعر محروم ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ مختصر غزلوں، بلکہ بعض اوقات صرف ایک شعر میں ایسے ایسے نازک مسائل تصوف و معرفت سلجھا دیتے ہیں۔ جو مشہور طویل مثنویوں میں بھی سلجھے ہوئے نہیں ملتے۔

اسی طرح وہ واردات عشق جو ایک عاشق صادق کے تجربات قلبی ہوتے ہیں اور وہ بھرپور سوز وگداز جو حقیقی عشق و محبت کا لازمہ ہے کسی نے اس تفصیل و شدت کے ساتھ نہ محسوس کیا نہ بیان کیا ہے جس تفصیل اور شدت کے ساتھ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے محسوس بھی کیا اور بیان بھی کیا ہے اسی لیئے آپؒ کا کلام (بالخصوص کلام فارسی) زور بیان اور حسن بیان کی مثالوں سے پُر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صوفی شعراء عاشق کم اور شاعر زیادہ تھے۔ اور ان کے کلام کے تاثرات میں بھی حال اور قال کا فرق ہے۔

دیگر صوفی شعراء توحید حقیقی کا صرف ذکر کرتے ہیں لیکن حضرت شاہ نیاز بریلویؒ "مجسم عشق" اور "سراپا توحید" تھے بقول پروفیسر خلیق نظامی "ان کے شعر اعماق روح سے نکلتے اور دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے"[1]

دیگر محاسن کلام جو اردو شاعری کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں وہی۔ بلکہ ان سے دس بیس گنا زیادہ فارسی کلام میں موجود ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے اس کے لیے بھی ایک مبسوط مقالہ علیحدہ ہی درکار ہے۔ اگر زندگی اور صحت نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ الگ کتاب لکھوں گا۔

آپؒ کی زبان فارسی معیاری اور ٹکسالی ہے بلکہ شیرینی اور روانی کے لحاظ سے قابلِ رشک ہے۔

تنگیٔ وقت و گنجائش کے پیشِ نظر انتخاب اشعار حذف کر دیا گیا۔ اہلِ ذوق حضرات کی لطف اندوزی کے لیے پورا دیوان بلکہ اس کا ہر شعر دعوت مطالعہ دے رہا ہے علوِ معانی زور بیان۔ حسن بیان۔ صداقت اور اثر وغیرہ کے پیشِ نظر

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۶۱

آپؒ کا فارسی کلام قابلِ مطالعہ ہے انتخاب سخت دشوار ہے۔ بقول خود:

کس کس کو چمن کے باغ سے تیرے سجاؤں گھر
دعویٰ ہے پھول پھول کا میں لاجواب ہوں

(ناچیز غنیؔ)

آپؒ کا عربی کلام بہت مختصر ہے۔ لیکن اس کے تاثر اور زور میں کلام نہیں بطور نمونہ صرف ایک غزل دی جاتی ہے ملاحظہ ہو:۔

مَرِیضُ الْعِشْقِ مَفْتُوْنٌ وَمَجْنُوْنٌ — سَکُوْبٌ عَیْنُہٗ وَالْقَلْبُ مَحْزُوْنٌ
وَمَنْ یَعْلَمْ تَدَاوِیْہِ سِوَی الْحُسْنِ — فَیَحْظِیْ تَبَّۃٌ فِیْہِ فَلَا طُوْنٌ
نَجِیْ مَحْبُوْسَۃٌ مِنْ کُلِّ حَبْسٍ — فَمَا مَسْجُوْنُ ھٰذَا السِّجْنِ مَسْجُوْنٌ
اَلَا یَا صَاحِبَ الْوَجْہِ الْحَسِیْنِ — تَعَالٰی حُبُّنَا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ،
تَرَحَّمْ وَالْتَفِتْ نَحْوَ الْعُشُوْقِ — فَاِنْ بَاعَدْتَ عَنْہُ مَاتَ مَجْنُوْنٌ

بَلَاءُ الْعِشْقِ یَا اُمِّیُّ بَدْءٌ
وَاَلْاٰنَ الْمُصَابُ فِیْہِ مَشْحُوْنٌ

عربی میں آپؒ کا تخلص اُمّیؔ ہے۔

آپ کے ہندی کلام کا نمونہ

دعوت میں لذیذ کھانوں کے ساتھ جب تک دسترخوان پر چٹنی۔ اچار یا مربّہ نہ ہو تو مزہ نہیں آتا۔ آپؒ نے دو قسم کی ہندی لکھی ہے ایک بالکل آسان عوامی اردو ہے دوسری پوربی (بولی)

افسوس ہے کہ تنگیٔ وقت کی وجہ سے مثالیں نقل نہیں کرسکا۔ ناظرین دیوان شریف کا مطالعہ فرمائیں۔

باب ۔ ۲۱

آپ کی تعلیمات آپکے کلام کے آئینے میں

آپؒ کے کلام کی معنویت ایک بحرِ ذخار کی سی ہے جس سے تعلیمات کے آبدار موتی نکالنا تائیدِ الٰہی اور پیرانِ سلسلہؒ کی خاص عنایت و اعانت کے بغیر ناممکن ہے ان کا کرم شاملِ حال رہا تو انشاء اللہ یہ دشت بھی گلزار ہو جائے گا ہم اس باب کو سہولت کے پیشِ نظر چار فصلوں میں تقسیم کریں گے جن کی ذیلی تشقیق مندرجہ ذیل ہوں گی:۔

۱۔ توحیدِ حقیقی اور اس سے متعلق توضیحی نکات۔

۲۔ عشقِ حقیقی اور اس کے اثرات و مضمرات۔

۳۔ عملی راہ

۴۔ متفرقات

پہلے ہمارا خیال تھا کہ صرف اردو کے اشعار دیئے جائیں تاکہ ناظرین کی اکثریت آسانی سے سمجھ سکے لیکن پھر خیال آیا کہ حضرتؒ کے فارسی کے کلام میں زیادہ زورِ بیان زیادہ فصاحت و بلاغت اور عجیب شیرینی و لذت ہے انہیں نظر انداز کرنا باذوق حضرات پر ظلم ہوگا اور وضاحت کا حق بھی ادا نہ ہو سکے گا۔ اس لیئے اب ہم پہلے اردو پھر فارسی کے اشعار پیش کریں گے۔ [1]

---

[1] آخر میں چند اشعار یکجا بھی دیئے گئے ہیں۔

اس سے ہر فرد لذت اندوز بھی ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر طور پر تعلیمات نیازیہ کے نقوش ذہن و قلب پر منقوش و مرتسم ہو سکیں گے۔

فصل - ا (الف)

توحیدِ حقیقی - مراتب ظہور و اشعار حضرت شاہ نیاز رح

"توحید حقیقی" اس وقت تک اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک ہستی حقیقی اور اس کے "مراتب ظہور" کو مرتبہ ہاہوت سے "مرتبۂ انسان" تک مع جملہ مضمرات کے اچھی طرح ماہرین سے سمجھ کر ذہن نشین نہ کیا جائے یہاں صرف قطب عالم مدار اعظم قبلہ نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز کے اشعار بطور اشارات دیئے جاتے ہیں۔

ا۔ ہاہوت احدیت - وجود بحت ذات بحت - ذات ساذج منقطع الاشارات عین مطلق وغیرہ

ازل سے لے کے ابد تک وہی جو ہے سو ہے
بہ رنگ بحر رواں جس میں ہے نہ توڑ نہ جوڑ

لامکاں کی منزلت پاتا ہے کب کون و مکاں
ہو کے ویرانے کے آگے ہے کی بستی کچھ نہیں

نہ تصور میں حسن آوے نہ بیان کر سکے
چہ تصور چہ بیاں یارو یہ ہے سب لاشئے
سوجھتا ہے وہی جو کچھ کہ تخیل بندھ جائے
حق جسے کہئے وہاں یارو یہ ہے سب لاشئے
ماعرفناک کہیں صاحب لولاک جہاں
بس وہاں وہم و گماں یارو یہ ہے سب لاشئے

۲۔ لاہوت۔ وحدت۔ تعین اوّل، مرتبۂ ثانی، حقیقت محمدیؐ، نور محمدیؐ۔

تجلی اول برزخ کبریٰ۔ عقل اوّل ظہور اوّل وغیرہ

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا

اسرار احمدیؐ سے آگاہ ہو سو جانے
تو نور ہر بشر ہے ہر سنگ طور تیرا

ہر آنکھ تک رہی ہے تیرے ہی منہ کو پیارے
ہر کان میں ہوں پاتا معمور شور تیرا

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگار کثرت
گر سرّ معرفت کو پاوے شعور تیرا

گر حرف بے نیازی سرزد نیازؔ سے ہو
چلنے میں خاک کے ہے پیار سے غرور تیرا

فارسی کی وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے:۔

خود تجلی کرد بر خود آں بت عیار ما
شاہد روئے خود آمد یار گل رخسار ما

....

بے تعین بود کنز مخفی اندر کنج غیب
در تعین آمد آں گنجینۂ اسرار ما

جلوۂ نوری نمود و نور احمدؐ نام ساخت
پس بود احمدؐ احد از روئے ایں گفتار ما

از تعین اول و وحدت بیانے کردہ ام،
اے نیازؔ آور بگوش ایں گوہر شہوار ما

دیگر مراتب ظہور حسب ذیل ہیں:۔

۳۔ جبروت۔ واحدیت۔ حقیقت الانسانیہ۔ تعین ثانی۔ معدن کثرت۔ اعیان ثابتہ۔ علم بالتفصیل۔ عالم امر۔ عالم اسماء۔ حضرت الاسماء والصفات۔ حقائق عالم اجسام و ارواح وغیرہ

۴۔ ملکوت۔ عالم ارواح تعین ثالث۔ عالم نفوس مجردہ جو صورت اور مادہ سے خالی ہیں۔ "روح اعظم" جو درحقیقت روح انسان ہے بلحاظ ربوبیت ذات حق کی

مظہر ہے اسے ذات حق کے سوا کوئی نہیں پہچان سکتا۔ تمام عالم میں ہر وقت جاری و ساری ہے۔

۵۔ عالم مثال ۔ یعنی اشیائے کونیہ لطیفہ جو تجزیہ والقسام کو قبول نہیں کرتیں عالم مجردات و عالم اجسام کے درمیان برزخ۔ ہر شئے کی مثالی صورتیں مگر مادّے سے خالی، نفوس مجردہ مادّی صورت اختیار کر کے عالم اجسام میں ظاہر ہوتے ہیں مگر خود مادّی نہیں ہوتے حالانکہ مادّی عالم سے ہر وقت تعلق رکھتے ہیں۔

۶۔ ناسوت : عالم حس و شہادت۔ عالم اجسام۔ عالم مادّی۔ اشیائے کونیہ کثیفہ جو طول و عرض و عمق رکھتی ہیں اور تجزیہ انقسام کو قبول کرتی ہیں یہ جسم کثیف رکھتی ہیں اور جمادات۔ نباتات و حیوانات پر مشتمل ہیں ان کی روح جمادی ——— نباتاتی اور حیوانی کہلاتی ہے۔ روح انسانی روح اعظم ہے جو روح حیوانی سے بلند و برتر ہے اسے فنا نہیں کل جہان روح اعظم کی صورت ہے وہ حکم ربی ہے اور اُس کی منشا، کے تحت جو صورت چاہے اختیار کر سکتی ہے۔

۷۔ مرتبۂ جامع یعنی "حضرت انسان" تمام مراتب مذکورۂ بالا کا جامع ہے۔ اسے آخری تجلی آخری لباس، انسان کامل بھی کہتے ہیں وہ قدم میں قدیم اور حدوث میں حادث ہے وہ اپنے بطون و ظہور سے تمام مراتب الٰہیہ و کونیہ کا حامل ہے۔ جمیع اسرار الٰہیہ "حضرت انسان" میں موجود ہیں اور اسی طلسم میں سب کچھ ملتا ہے۔ ھوالاول۔ والآخر والظاھر والباطن۔ یہاں انسان" سے مراد حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے بعد ان کے ماتحت انبیائے کرام اور پھر آپؐ کی امت کے اولیا و صالحین ہیں۔

حقیقتِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم مراتب الوہیت و رسالت کی جامع ہے اور نور محمدیؐ تمام کائنات کی اصل ہے۔ کائنات کی ہر شئے اپنی اصل۔ نور محمدی

تک پہنچ سکتی ہے لہٰذا انسان بھی "واصل نور محمدؐ" ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہی صورت وصالِ حق کی ہے۔ صاحب ایمان و عرفان کا محور عشق مرکزِ عبادت منزلِ مقصود سب کچھ نورِ محمدیؐ اور صرف نورِ محمدؐی ہے وصالِ محمدیؐ ہی حق رسی ہے اسی لئے مولانا ئے روم نے فرمایا:۔

مغزِ قرآں، جانِ ایماں، روحِ دیں
ہست حبِّ رحمۃ للعالمینؐ

اور حضرت نیازؒ بے نیاز فرماتے ہیں:۔

دلا خاکِ رہ کوئے محمدؐ شو محمدؐ شو ۔۔۔ ز ہر سوئے بیا سوئے محمدؐ شو محمدؐ شو
بہردم سجدۂ جاں سوئے ابروئے محمدؐ کن ۔۔۔ بروئے قبلۂ روئے محمدؐ شو محمدؐ شو
تجرد پیشہ گیر از قیدِ عالم وارہاں خود را ۔۔۔ اسیرِ حلقۂ موئے محمدؐ شو محمدؐ شو
باخلاقِ الٰہی متصف بودن اگر خواہی ۔۔۔ سراپا سیرت و خوئے محمدؐ شو محمدؐ شو
بکن خالی مشام از بوئے گلہائے جہاں اے دل ۔۔۔ بیا و لدادۂ بوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

نیازا اندر دولت گر بعرفانِ خدا باشد
فدائے شانِ دلجوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

ہر شعر کے آخر میں "محمد شو" کی تکرار کچھ یونہی نہیں ہے۔ اس کی معنویت اور لطافت سے اہلِ نظر ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

ایک دوسری نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

زہے عز و علائے منتہائے اوجِ انسانی ۔۔۔ نبیِ یثربی و مہبطِ تنزیلِ فرقانی
ظہورِ کاملِ ذات و صفاتِ حضرتِ یزداں ۔۔۔ حبیبی سیدی محبوبِ خاص الخاص ربّانی
حق اندر شانِ تشبیہی محمدؐ نامِ خود خواندہ ۔۔۔ محمدؐ غیرِ حق نبود بحکمِ ذوقِ عرفانی
چہ وسعت دادہ یارب بظرفِ آں عظیم الشاں ۔۔۔ کہ آں عبدہٗ گویند بجائے قولِ سبحانی

نیازؔ اندر دلت گر برزخ کبرائش جاگیرد
نہ بینی تا ابد روئے پریشانی و حیرانی

جو خاکہ اوپر دیا گیا ہے وہ ہستی حقیقی کے مراتب ظہور کا اجمالی خاکہ ہے۔ انہیں "مراتب نزول بھی کہتے ہیں" ان مراتب میں بہ لحاظ زمانہ تقدم و تاخر نہیں ہے بلکہ ہستی حقیقی بہ یک وقت جملہ مراتب بطون و ظہور (غیب و شہادت) میں موجود ہے۔ دوسرا اہم نکتہ ذہن میں یہ رکھنا چاہیئے کہ تعداد مراتب بھی محض سمجھنے سمجھانے کے لیے ہے۔ کسی نے پانچ بتائی ہے کسی نے چھ اور کسی نے سات۔ اور کہیں صرف غیب و شہادت تنزیہہ و تشبیہ باطن و ظاہر کہہ کر مقصد بالاجمالی بیان کر دیا جاتا ہے یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ حضور قبلہ شاہ نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز نے تفصیلی بحث رسالہ راز و نیاز اور بعض دیگر رسائل میں کی ہے حضورؒ کے جانشینوں اور ان کے سلسلے کے بعض خلفاء نے بھی اپنی تصانیف میں قابل قدر بحث کی ہے [۱]

جہاں تک دیوان شریف کا تعلق ہے اول الذکر دو مراتب (احدیت و وحدت) اور آخری دو مراتب (عالم حس و شہادت) اور (حضرت انسان) سے متعلق زیادہ اشعار ملتے ہیں۔ باقی درمیانی مراتب کا ذکر ضمنی ہے۔ بالراست اصطلاحات کے تحت نہیں ہے لیکن ہے ضرور۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی مثنوی (یار من کمال رعنائی۔ خود تماشہ و خود تماشائی) نہایت غور سے پڑھیے۔

واضح رہے کہ توحید حقیقی کلمۂ توحید کی شرح۔ عشق حقیقی اور سلوک نادر [illegible]

---

[۱] مثلاً حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام السالکین ؒ۔ حضرت مولانا قطب الدین نیازیؒ غازی پوری حضرت مولانا مفتی محمد خالق صاحبؒ حضرت مولانا میکش صاحب نیازی اکبرآبادی اور اس ناچیز مصنف کی بعض تصانیف میں مفصل بحث موجود ہے

چشتیہ کے مذکورۂ بالا مراتب ظہور و بطون حق" پر مبنی ہے ۔ اور جملہ توضیحات انہی مراتب کے گرد گھومتی ہیں ۔ کلام شاہ نیاز ؒ میں ان موضوعات کی کوئی مفصل و مربوط بحث نہیں ہے ۔ تاہم جاننے والوں کے لیے انہی میں سب کچھ موجود ہے ۔

آپؒ کے کلام سے ہم صرف بعض نکات کی تائید حاصل کر رہے ہیں ۔ اور درمیان میں کہیں کہیں مختصر وضاحتی بیان قارئین کی سہولت کی خاطر دے رہے ہیں ۔ تاکہ اشعار سمجھنے میں آسانی ہو ۔

"توحید حقیقی" میں موجودات عالم کو مظاہر حق مرأت الہی، آیات حسن حقیقی اور اللہ کی نشانیاں وغیرہ کہا جاتا ہے لوگ انہیں بہ لحاظ حقیقت عین حق اور بہ لحاظ تجسّم و تعین غیر حق سمجھتے ہیں لیکن چونکہ تعینات بھی وجود حقیقی کی نشانیاں یا شانیں ہیں نہ اس سے جدا ہیں نہ اس سے باہر نہ ذات کے مقابل خود بخود قائم لہذا ہستی حقیقی کو بلا تجزیہ و انقسام دیکھنے والا اس کی کسی "شان" کو اس کا غیر نہیں سمجھتا اس کی نظر میں معشوق حقیقی کی ہر شان اس کے حسن کی شان اور عشق کو تیز تر کرنے والی ادائیں ہیں لہذا وہ اسے بھی عین حسن سمجھتا ہے اس کی ادائیں تو بے شمار ہیں لیکن ان کا منبع ایک حسن ہی ہے اسی طرح مظاہر ہستی بے شمار ہیں لیکن "ہستی" ایک ہے ۔

اب تو علوم سائنسی نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ مادّے کی اصل قوت برقی ہے ۔ اور تجزیہ کرنے کے بعد ایٹم جوہری توانائی ثابت ہوتا ہے اور کچھ نہیں ۔ پس معلوم ہوا کہ مادہ کی اصل "توانائی" ہے شکل و صورت خواہ کچھ ہو اسی طرح کائنات کی اصل نور محمدی ہی ہے اور ہر صورت میں اسے دیکھنا اور اس سے عشق کرنا اہل ایمان عاشق صادق کا مطمح نظر اور نصب العین حیات ہے ۔ اور جب اس کا

یہ شعور بیدار ہوتا ہے کہ وہ خود خلیفۂ حق ہے اور تمام شئے کے مقابلہ میں ہستی حقیقی کی سب سے بڑی تجلی ہے تو اس سے مل جانے کی تڑپ اس کی زندگی بن جاتی ہے۔ اسی کو عشق حقیقی کہتے ہیں اور جب یہ عشق کمال کو پہنچتا ہے تو قطرۂ انا البحر اور بندۂ انا الحق کہے بغیر رہ نہیں سکتا حضرت نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز اس جذبۂ حق کے پُر زور اظہار میں سب سے آگے نظر آتے ہیں اس کا بیان آگے ملے گا۔

فصل ۔ ۱ (ب)

تعین و تجسم سے متعلق حضرت نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز کی رائے

حق ۔ ہستی ۔ حقیقی ۔ حقیقت اعلیٰ ۔ موجود حقیقی حقیقت الحقائق ۔ وغیرہ سب قریب قریب ہم معنی ہیں اس سلسلے میں تعین یا تجسم کے مفہوم کی نزاکت نظر انداز نہیں کی جاسکتی اس کی کچھ وضاحت صفحہ ماقبل پر کر دی گئی ہے اب چند اشعار حضرت نیازؔ بے نیاز ملاحظہ ہوں مثلاً مناجات فارسی کے نصف آخر کے اشعار جنہیں بخوفِ طوالت حذف کر رہا ہوں ۔

اس کے بعد مثنوی فارسی کے تمام اشعار ناظر و منظور ساجد و مسجود کی حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں ۔ بالخصوص یہ شعر ؎

جُز عدم نیست غیرِ ذات خدا　　　پس بود عین زیر او ہمہ اشیا ۔

اس شعر پر گزشتہ باب میں کافی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

امر ربی ست روح و سرّ خداست　　　ذکر بے کام و بے زبان او راست

حیف در بند جسم در ماندے　　　تنتوی صورت پاک رحمانی

متعدد اشعار کے بعد فرماتے ہیں :۔

بشنو آں بانگ پسر ور از گوش | کن فراموش خویش راؤ ہی ہوش
غرق شو در میانِ بحرِ محیط ! | ذات بے کم و کیف نور بسیط
نورِ بے رنگ ہست وحدتِ ذات | ویں تعین بود ہمہ ظلمات
دیدہائے دلت کہ نابینیست | پیش نو نور یر سر انیست
ورنہ وحدت کجا و کثرت کو ! | بوئے عنبر کجا۔ کجا بد بو۔
تو کہ ہرگز نہ دیدۂ آں نور | چہ بدانی حقیقت مستور

پھر فرماتے ہیں۔ (خلاصہ) کہ جب تک نور خدا کی شعاع تیرے دل پر نہ پڑے تجھے یہ نور بھی تاریک نظر آئے گا۔ ذاتِ مطلق گلاب کے پھول کی طرح ہے۔ جس کی خوشبو ہر دماغ کو معطر کرتی ہے اس کے پاس خار بھی ہے تم جیسے چاہو اسے لے لو۔ اسی طرح ذاتِ مطلق مبدءِ فیض جزو و کل ہے۔ اس میں کانٹے بھی ہیں پھول بھی۔ جو چاہو بن جاؤ۔ اور جسے چاہو حاصل کرو تاہم یہ نکتہ نہ بھولو کہ خار و گل میں تمیز کرنا ضروری ہے اگرچہ وہ ایک ہی گلشن سے متعلق ہیں۔

اُردو کے شعار بھی بہت ہیں صرف ایک سُنئے ؎

اس تعین کی گرفتاری سے اۓ دل چھوٹ چھوٹ | آ جا بگ سا یا دریائے حقیقت پھوٹ پھوٹ

فصل ۱۔ ج

عالم کثرت

آیئے دیکھیں کہ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز مظاہر عالم سے متعلق کیا فرماتے ہیں اس کے بعد ہم ان کے عشق سے متعلق کچھ عرض کریں گے۔

تنزیہہ ہی بصورت تشبیہ ظاہر ہے۔

تعینات کے نقطوں سے ہے کثیر احد
وہی ہے ایک یہ دس سو ہزار لاکھ کروڑ

سوائے ہستی حق کے جو کچھ نظر آوے
یقین جانو کہ دیو خیال کی ہے کھوڑ

ازل سے لے کے ابد تک وہی جو تھا سو ہے
برنگ بحرِ رواں جس میں ہے نہ توڑ نہ جوڑ

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگارِ کثرت
گر سرِ معرفت کو پاوے شعور تیرا

ہیں دیدۂ بینا میں ہم سارے کم و لبسیار ایک
کثرت نمایاں اتنی ہو جتنی کرتے تکرار ایک!

عالم کہے جس کو جہاں یعنی جہانِ جسم و جاں
شانیں ہیں سب اُس ذات کی جس کو کہے سنسار ایک

بے امتیازِ بیشی و کم وا نرمیں ہیں یہ سب بہم
بیخ و درخت و شاخ و گل انبوہ برگ و بار ایک

طوطی ہو جب درشاں سراسو سو طرح سے دے نوا
ہر موم نئی سے صدا اور ہے وہاں منقار ایک

عجز و نیاز اپنی طرف ناز و غرور اُس کی طرف
جب ہر طرف وہ آپ ہو پھر تو یہیں ہر چار ایک

کلام فارسی سے مثالیں

فارسی کے سیکڑوں اشعار نقل کئے جا سکتے ہیں لیکن چونکہ اختصار مد نظر ہے لہٰذا صرف چند حوالے دیئے جاتے ہیں۔ دیوان نیاز میں ان غزلیات کا مطالعہ فرمایئے جن کے مطالیع حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نیست جز ہستی حق پیدا و پنہاں در وجود
چشم دل بکشا و بنگر بے حجاب اے ہوشمند

۲۔ کسیکہ سِرِ نہاں ست و در علن ہمہ اوست
عروس خلوت و ہم شمع انجمن ہمہ اوست

۳۔ اے جلوہ گہہ رویت ہر وجہے و ہر ردئے
راہ تو و کوئے تو ہر راہے و ہر کوئے

۴۔ تمام نظمیں جو بشکل مستزاد آخر میں دی گئی ہیں:۔ مثلاً

اے دوست ببیں در ہمہ سو روئے خدارا۔ باعین نگاہے۔
می داں بہ یقین ایں ہمگی ماو شمارا مرآتِ الٰہی۔ وغیرہ

فصل - ۱ - (د)

تائید توحید وجودی

تفسیر ھوالباطن - ھوالظاھر

(از سیّد قطب مصری مرحوم)

ہر شے کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن - اگر ہماری نظر جزئیات پر ہو تو ہر ظاہر کی متعدد شانیں اور باطن کے متعدد درجے معلوم ہوں گے لیکن بحیثیت مجموعی ظاہر کو ظاہر اور باطن کو باطن ہی کہیں گے (دوم) یہ کہ ظاہر و باطن باہمہ شیون و صفات ایک ہی شے ایک ہی شے ایک ہی وجود یا ایک ہی ذات پر دلالت کریں گے - نہ کہ برخلاف حقیقت ہر شان کے لیے ایک علیحدہ مستقل بالذات "شے" "وجود" یا "ہستی" خیال کی دنیا میں قائم کر لی جائے - ایسا کرنا ایک شے کے ظاہر و باطن کو الگ الگ دو چیزوں میں یا ایک وجود کو دو وجودوں میں تقسیم کرنا ہوگا جو خلاف عقل بھی ہے اور خلاف حقیقت بھی اور اگر ایسی غلطی ہستی حقیقی سے متعلق ہے تو وہ خلاف توحید اسلامی ہوگی - اور خاتم ایمان بھی ہوگی -

قرآن پاک کی سورۂ حدید میں موجود "حقیقی" یعنی حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو ھوالظاھر والباطن - کہہ کر اسی حقیقت کو واضح کیا ہے - تاکہ یہ فہم انسان "عقل کل" ہوتے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کہیں ذات ھو کو دو ہستیوں میں تقسیم نہ کر دیں ورنہ اس تقسیم کا دروازہ وسیع ہوتے ہوتے ہر شان و صفت کے لیے الگ الگ خدا، قائم کر لیے جائیں گے - چنانچہ ظاہر و باطن کی اس غیریت یا دوئی کو "شرک" قرار دیا گیا اور اس سے بچنے کی شدید تاکیدیں منجانب اللہ کی گئیں - انبیاؑ و مرسلین

بھیجے گئے اور اولیائے کرام ان کی تعلیمات کو زندہ رکھنے کے لیے ہر معاشرے میں ظاہر ہوا کیے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ان سب کی "بنیادی تعلیم" اسی توحید سے متعلق رہی جو اوپر بیان ہوئی ہے کیونکہ کسی نبی یا ولی نے شرک کی تعلیم نہیں دی۔

حق تعالیٰ کے اس "آسمانی انتظامات" کے باوجود ہر وقت ہر معاشرے میں ایسے "شیطانیت پناہ" اور "کج فہم عالمانِ کم نظر" بھی موجود رہے جنہوں نے انبیائے ذی احترام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے ذوالاکرام کی بزرگی اور ان کی تعلیمات توحید حقیقی کی ہمیشہ مخالفت کی اور ان کے پیرو نہ صرف گمراہ ہوئے بلکہ "مشرک" جیے اور "مشرک" ہی مرے۔

تاہم ان میں بعض خوش نصیب ایسے بھی نمودار ہوتے رہے جنہیں اللہ ہی نے علم اکتسابی کے ساتھ کشف صدر اور نور ایمانی کی دولت بھی بخشی جس کے باعث وہ حق بات کہنے پر، زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے میں، مجبور ہو گئے ایسے بہت سے نام پیش کیے جا سکتے ہیں اور ان کی تحریریں بھی لیکن یہ کتاب اس طوالت کی متحمل نہیں ہو سکتی لہٰذا صرف ایک مثال پر اکتفا کی جاتی ہے جو ہمارے موجودہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ کیا ضدی اور فرقہ پرست "علماء ظواہر" اس سے سبق حاصل کریں گے؟۔

سید قطب مصری جو اب مرحوم ہو چکے ہیں، مصر کے بہت بڑے عالم اور مشہور مفسر قرآن گزرے ہیں۔ ان کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے ان کی تفسیر "فی ظلال القرآن" مصر میں بہت اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ مفسر موصوف عقائد میں ابن تیمیہ کے پیرو ہیں لیکن آیت کریمہ ھوالاول والاخر والظاھر والباطن کی تفسیر میں انہیں بھی "وحدت الوجود" کے برملا اعتراف پر مجبور ہونا پڑا ہے۔

ذیل میں مصنف مرحوم کی عربی عبارت کا وہ ترجمہ درج ہے جو میری درخواست

پر علامہ عصر پروفیسر سلیم چشتی اور مد فیوضنہٗ نے لاہور سے مجھے بھیجا ہے اس عنایت پر پروفیسر صاحب موصوف نہ صرف میرے بلکہ جملہ موحدین قادریہ و چشتیہ نیز دیگر سلاسل طریقت کے تشکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کی تلاش سے ہمیں اپنے دعاوی کے ثبوت میں وحدت الوجود سے متعلق ایسی زبردست شہادت ہاتھ آگئی ہے جس کا ابطال ممکن نہیں۔

امام ابن تیمیہ کو امام ماننے والوں میں اگر عدل و انصاف ہے تو وہ اپنے اس امام کی پیروی کریں جن کی تفسیر کا ترجمہ دیا جارہا ہے اور ان کی طرح توحید وجودی کا اقرار فرما کر اس کے خلاف اگلا ہوا تمام پھیلا زہر خود ہی پی جائیں تاکہ آئندہ کوئی ان کے پھیلائے ہوئے زہر کو استعمال نہ کر سکے ورنہ "شرک ذاتی" پر موت یقینی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔

غور سے پڑھیئے۔

(ترجمہ) تفسیر سورۂ حدید۔ مندرجہ "فی ظلال القرآن" جلد ہشتم۔ صفحہ ۱۵۶۔ از سید قطب مصری مرحوم۔

تفسیر۔ ھوالاول والآخر والظاھر والباطن ...... الخ

"اوّل و آخر کی اصطلاحیں حقیقت زماں کو شامل ہیں جبکہ ظاہر اور باطن کی اصطلاحیں حقیقت مکاں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں یہ دونوں حقائق مطلقہ ہیں چنانچہ قلب انسانی۔ بجز ذات باری کے کسی شئے کا کوئی وجود نہیں پاتا۔ وجود کے یہ لوازم تنہا اسی ذات میں پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ کہیں اور نہیں پائے جاتے۔ یہاں تک کہ قلب انسانی بھی اپنا وجود اسی سے مستعار

لہ پروفیسر سلیم چشتی صاحب لاہور میں ہیں اور تفسیر مذکور موصوف کے پاس موجود ہے۔

لیتا ہے۔ چنانچہ ذات باری کا وجود ہی حقیقی وجود ہے جس سے ہر شے اپنا وجود مستعار لیتی ہے وہی وہ حقیقت اولیٰ ہے جس سے ہر شے اپنا وجود مستعار لیتی ہے اس کے علاوہ کائنات میں نہ کوئی حقیقت ذاتیہ کا وجود ہے نہ کسی وجود ذاتی کا۔ وھو بکل شیءٍ علیم ٭

حقیقت کاملہ کا علم رکھنے والا۔ کیونکہ ہر شے کی حقیقت کا انحصار حقیقت الٰہیہ پر ہے اور اس کا صدور بھی اسی سے ہے چنانچہ وہ لازمی طور پہ ذات باری کے علم لدنی میں پائی جاتی ہے یہ وہ علم ہے جس میں اس کی نوعیت۔ صفت اور طریقہ کے اعتبار سے، کوئی ذات باری کا شریک نہیں۔ خواہ مخلوق کا علم، طور ہر اشیا کے متعلق کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے۔

جب یہ حقیقت کبریٰ کسی قلب میں اپنا گھر کر لیتی ہے تو وہ اللہ سبحانہٗ کے سوا کسی کی جانب التفات نہیں کرتا۔ کیونکہ کسی شے کا حتیٰ کہ اس کے قلب کا بھی کوئی وجود نہیں اور اگر ہے تو اسی حد تک جس حد تک کہ ہر چیز اس حقیقت کبریٰ سے مستعار لیتی ہے ہر شے ایک وہم و خیال ہے جو فنا ہونے والا ہے[1] اور اس طرح لوازم وجود ولقا کے ساتھ صرف اللہ کی ذات رہ جاتی ہے۔

---

[1] نوٹ: اولیائے حق نے ہر شے کو "فی الحال فانی" کہا ہے اور آیت انک میت وانھم میتون ہ کی یہی تفسیر کی ہے۔ یہاں بھی یہی مفہوم لینا چاہیئے ورنہ اس کے بعد کے جملے کے ساتھ تضاد پیدا ہو جائے گا اور اگر "فنا ہونے والا" خیال کے لیے ہے تو بھی کچھ نہیں ہے معدوم کا خیال کیا بہر حال لا موجود الا اللہ ہر صورت میں ثابت ہے۔

جب یہ حقیقت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو اس کو (یعنی دل کو) بھی اس حقیقت کا ایک جزو بنا دیتی ہے مگر اس نتیجے تک پہنچنے سے قبل قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے تاکہ اس پر غور کیا جائے اور اس کے مدلول کا تصور کیا جائے۔ حتیٰ کہ یہ مدلول ذہن میں متشکل ہو جائے"

ماخوذ از تفسیر موسومہ "فی ظلال القرآن"

اس کے آگے محترمی پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔

سید قطب عقائد میں ابن تیمیہ کے پیرو ہیں مگر اس آیت هوالاول ــ الخ کی تفسیر میں وہ شیخ اکبرؒ کے مقلد نظر آتے ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر وحدتِ وجود کے علاوہ اور کسی نہج سے ہو ہی نہیں سکتی۔ حضرات شاہ ولی اللہؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سب نے اسی آیت سے وحدتِ الوجود کا اثبات کیا ہے یہ آیۃ اس عقیدۂ حقہ پر نصِ قطعی الدلالۃ ہے"۔

دستخط عبدہٗ سلیم چشتی

دیکھا آپ نے کہ اولیائے حق کے عقیدۂ وحدت الوجود کا اثبات مخالف فرقوں کے جید علماء بھی کرنے پر مجبور ہیں جب اول و آخر اللہ ہی اللہ ہے اور ظاہر و باطن بھی حق ہی حق ہے تو پھر مخالفین کا "غیر اللہ" یا "غیر حق" کس فضا یا خلا میں سانس لے رہا ہے۔ یا ان کا خدا "صرف باطن تک کیوں محدود رہا یا اس جہان کے مظاہر کے علاوہ ان کے لیے خاص طور پر "ظاہر" کے کوئی دوسرے معنی مقرر کر دیے گئے ہیں۔ جیسے وہ "غیر حق" کہتے ہیں۔ بہر حال "غیر حق" عقیدہ باطل۔ اور آیۃ مذکورہ بالا کے منافی ہے اسی لیے شرک کو مستلزم ہے۔ اس سے ہر صورت اور بہر حال، بچنا لازم ہے۔ وحدتِ الوجود سے متعلق ہر شک کو قرآن پاک کی یہ آیت اور دیگر آیات نیز متعدد احادیث نبویؐ دور کر رہی ہیں لہٰذا اپنی طرف سے کھینچ تان

کرنا ۔ اور "وحدتِ حقیقی" کے عقیدے کو "خلافِ شریعت" قرار دینا خود قرآن اور صاحبِ قرآن علیہ السلام کا بطلان ہے۔

لہٰذا بحث و تکرار کے بجائے سب سے پہلے صاف الفاظ میں توحیدِ وجودی پر ایمان کا اعلان ضروری ہے ۔ مزید واقفیت کے لیے ناچیز کی تصنیف "مخزنِ انوارِ توحید" ملاحظہ فرمائیے۔

مذکورۂ بالا تفسیر میں جو نکات موجود ہیں ان کی زندہ مثالیں اولیاء اللہ رح کے واصل بحق و جود میں ملتی ہیں اور ان کے ایسے اقوال مثلاً "انا الحق" "سبحانی ما اعظم شانی" وغیرہ اسی عالم سے صادر ہوتے ۔ جہاں بقول حضرت مفسرؒ ، لوازمِ وجود و بقا کے ساتھ صرف اللہ کی ذات رہ جاتی ہے "یا جب یہ حقیقت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے فنا سے بھی اسی حقیقت کا ایک جزو بنا دیتی ہے"

یا بقول حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اولیاء اللہ مثل نے (بانسری) کے ہوتے ہیں اور ان سے جو کچھ سنا جاتا ہے وہ ان کی باتیں نہیں بلکہ نے نواز (یعنی خود حق تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے) کیونکہ جب وہ اللہ میں فانی ہو چکے تو وہ کہاں رہے جو ان کا کلام سمجھا جائے۔

سہ یہاں میں رہا ہوں جب تو سخن نیازؔ بولوں
سنو گے زبانِ نے سے وہی جو کہے گا نائی

اسی مقام سے حضرتؒ نے وہ تمام اشعار ارشاد فرمائے ہیں ۔ جن میں سے (یعنی نے نواز) جن میں وحدت الوجود یا ہمہ اوست کا رنگ ہے اور جن سے آپؒ نے ہر دو دیوان (فارسی و اردو) پُر ہیں اس رنگ میں آپؒ جس جوش و خروش ، جس خلوص و صداقت ، جس ولولہ و شدت ، جس فصاحت و بلاغت ،

اور جس بے خوفی و بے باکی کے ساتھ ہزار ہا اشعار، بلکہ مسلسل غزلیں اور نظمیں تحریر فرمائی ہیں ان کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ حقیقت میں یہ تمام خوبیاں توحید حقیقی پر آپؒ کے غیر متزلزل ریختہ اور کامل ایمان کے محکم ثبوت ہیں۔ ایمان تو بنیادی چیز ہے۔ آپؒ عملاً اس سے بہت آگے، مقام وصل پہ فانی فی اللہ باقی باللہ تھے۔

آپؒ کی وہ غزلیں جن کے مطالع حسب ذیل ہیں۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یعنی:

کسی کہ ستر نہانست در علن ہمہ اوست
عروس خلوت وہم شمع انجمن ہمہ اوست

اے طالباں اے طالباں من با شما ہر جا ستم
بیچوں و بے چگونم عنقائے قاف قدم
ملک خدا میں یار وہ آباد ہیں تو ہم ہیں

اسی طرح "مقام وصل" کے عنوان کے تحت جو اشعار درج ہیں (صفحات ۔) وہ تمام اشعار اور مندرجہ بالا غزلیات ۔ بطور مثال ہیں)

ورنہ حقیقت میں کلام فارسی و اردو و ہندی میں ایسے ہی اشعار کی کثرت ہے جن میں ہر ایک توحید حقیقی، شراب چہار آتشہ کا چھلکتا ہوا جام بلکہ میخانہ ہے۔ سمجھ کر پڑھئے اور جھومتے رہیئے۔

کرنا۔ اور "وحدتِ حقیقی" کے عقیدے کو "خلافِ شریعت" قرار دینا خود قرآن اور صاحبِ قرآن علیہ السلام کا بطلان ہے۔

لہٰذا بحث و تکرار کے بجائے سب سے پہلے صاف الفاظ میں توحید وجودی پر ایمان کا اعلان ضروری ہے۔ مزید واقفیت کے لیے ناچیز کی تصنیف "مخزن انوار توحید" ملاحظہ فرمائیے۔

مذکورۂ بالا تفسیر میں جو نکات موجود ہیں ان کی زندہ مثالیں اولیاء اللہ رح کے واصل بحق وجود میں ملتی ہیں اور ان کے ایسے اقوال مثلاً "انا الحق" "سبحانی ما اعظم شانی" وغیرہ اسی عالم سے صادر ہوتے۔ جہاں بقول حضرت مفسرؒ، لوازم وجود و بقا کے ساتھ صرف اللہ کی ذات رہ جاتی ہے "یا جب یہ حقیقت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو اسے بھی اسی حقیقت کا ایک جزو بنا دیتی ہے"

یا بقول حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اولیاء اللہ مثل نے (بانسری) کے ہوتے ہیں اور ان سے جو کچھ سنا جاتا ہے وہ ان کی باتیں نہیں بلکہ نے نواز (یعنی خود حق تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے) کیونکہ جب وہ اللہ میں فانی ہو چکے تو وہ کہاں رہے جو ان کا کلام سمجھا جائے۔

؎ یہاں میں رہا ہوں جب تو سخن نیاز بولوں
سنو گے زبان نے سے وہی جو کہے گا نائی

اسی مقام سے حضرتؒ نے وہ تمام اشعار ارشاد فرمائے ہیں۔ جن میں سے (یعنی نے نواز) جن میں وحدت الوجود یا ہمہ اوست کا رنگ ہے اور جن سے آپؒ نے ہر دو دیوان (فارسی و اردو) بھرے ہیں اس رنگ میں آپؒ جس جوش و خروش، جس خلوص و صداقت، جس ولولہ و شدت، جس فصاحت و بلاغت

جب یہ حقیقت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو اس کو (یعنی دل کو) بھی اس حقیقت کا ایک جزو بنا دیتی ہے مگر اس نتیجے تک پہنچنے سے قبل قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے تاکہ اس پر غور کیا جائے اور اس کے مدلول کا تصور کیا جائے۔ حتیٰ کہ یہ مدلول ذہن میں متشکل ہو جائے"

ماخوذ از تفسیر موسومہ "فی ظلال القرآن"

اس کے آگے محترمی پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔

سید قطب عقائد میں ابن تیمیہ کے پیرو ہیں مگر اس آیت ھوالاول ــ الخ کی تفسیر میں وہ شیخ اکبرؒ کے مقلد نظر آتے ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر وحدت وجود کے علاوہ اور کسی نہج سے ہو ہی نہیں سکتی۔ حضرات شاہ ولی اللہؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سب نے اسی آیت سے وحدت الوجود کا اثبات کیا ہے یہ آیۃ اس عقیدۂ حقہ پر نصِ قطعی الدلالۃ ہے۔"

دستخط عبدہٗ سلیم چشتی

دیکھا آپ نے کہ اولیائے حق کے عقیدۂ وحدت الوجود کا اثبات مخالف فرقوں کے جیّد علماء بھی کرنے پر مجبور ہیں جب اول و آخر اللہ ہی اللہ ہے اور ظاہر و باطن بھی حق ہی حق ہے تو پھر مخالفین کا "غیر اللہ" یا "غیر حق" کس فضا یا خلا میں سانس لے رہا ہے۔ یا ان کا "خدا" صرف باطن تک کیوں محدود رہا یا اس جہان کے مظاہر کے علاوہ ان کے لیے خاص طور پر "ظاہر" کے کوئی دوسرے معنی مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ جیسے وہ "غیر حق" کہتے ہیں۔ بہر حال "غیر حق" عقیدہ باطل۔ اور آیۃ مذکورہ بالا کے منافی ہے اسی لیے شرک کو مستلزم ہے۔ اس سے بہر صورت اور بہر حال، بچنا لازم ہے۔ وحدت الوجود سے متعلق ہر شک کو قرآن پاک کی یہ آیت اور دیگر آیات نیز متعدد احادیث نبویؐ دور کر رہی ہیں لہٰذا اپنی طرف سے کھینچ تان

لیتا ہے، چنانچہ ذاتِ باری کا وجود ہی حقیقی وجود ہے جس سے ہر شے اپنا وجود مستعار لیتی ہے وہی وہ حقیقت اولیٰ ہے جس سے ہر شے اپنا وجود مستعار لیتی ہے اس کے علاوہ کائنات میں نہ کوئی حقیقت ذاتیہ کا وجود ہے نہ کسی وجود ذاتی کا۔ (وھو بکل شیءٍ علیم)

حقیقت کاملہ کا علم رکھنے والا۔ کیونکہ ہر شے کی حقیقت کا انحصار حقیقتِ الٰہیہ پر ہے اور اس کا صدور بھی اسی سے ہے چنانچہ وہ لازمی طور پر ذاتِ باری کے علم لدنی میں پائی جاتی ہے یہ وہ علم ہے جس میں اس کی نوعیت صفت اور طریقہ کے اعتبار سے، کوئی ذاتِ باری کا شریک نہیں۔ خواہ مخلوق کا علم، طور پر اشیا کے متعلق کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے۔

جب یہ حقیقت کبریٰ کسی قلب میں اپنا گھر کر لیتی ہے تو وہ اللہ سبحانہٗ کے سوا کسی کی جانب التفات نہیں کرتا۔ کیونکہ کسی شے کا جتنی کر اس کے قلب کا بھی کوئی وجود نہیں اور اگر ہے تو اسی حد تک جس حد تک کہ ہر چیز اس حقیقت کبریٰ سے مستعار لیتی ہے ہر شے ایک وہم و خیال ہے جو فنا ہونے والا ہے[1] اور اس طرح لوازم وجود لقا کے ساتھ صرف اللہ کی ذات رہ جاتی ہے۔

---

[1] نوٹ: اولیائے حق نے ہر شے کو "فی الحال فانی" کہا ہے اور آیت انک میت وانھم میتون ہ کی یہی تفسیر کی ہے۔ یہاں بھی یہی مفہوم لینا چاہیئے ورنہ اس کے بعد کے جملے کے ساتھ تضاد پیدا ہو جائے گا اور اگر "فنا ہونے والا" خیال کے لیے ہے تو بھی کچھ نہیں ہے معدوم کا خیال کیا بہر حال لا موجود الا اللہ ہر صورت میں ثابت ہے۔

بر علامہ عصر پروفیسر سلیم چشتی اور مدفیوضہٗ نے لاہور سے مجھے بھیجا ہے اس
عنایت پر پروفیسر صاحب موصوف نہ صرف میرے بلکہ جملہ موحدین قادریہ و
چشتیہ نیز دیگر سلاسل طریقت کے تشکر یہ کے مستحق ہیں کہ ان کی تلاش سے ہمیں اپنے
دعاوی کے ثبوت میں وحدت الوجود سے متعلق ایسی زبردست شہادت ہاتھ
آگئی ہے جس کا ابطال ممکن نہیں۔

امام ابن تیمیہ کو امام ماننے والوں میں اگر عدل و انصاف ہے تو وہ اپنے اس
امام کی پیروی کریں جن کی تفسیر کا ترجمہ دیا جارہا ہے اور ان کی طرح توحید وجودی کا
اقرار فرما کر اس کے خلاف اگلا ہوا تمام پچھلا زہر خود ہی پی جائیں تاکہ آئندہ کوئی
ان کے پھیلائے ہوئے زہر کو استعمال نہ کر سکے ورنہ "شرک ذاتی" پر موت یقینی
ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔

غور سے پڑھیئے۔

(ترجمہ) تفسیر سورۂ حدید۔ مندرجہ فی ظلال القرآن[1] جلد ہشتم۔
صفحہ ۱۵۶۔ از سید قطب مصری مرحوم۔

تفسیر۔ ھوالاول والآخر والظاھر والباطن ...... الخ

"اوّل و آخر کی اصطلاحیں حقیقت زماں کو شامل ہیں جبکہ ظاہر اور باطن کی
اصطلاحیں حقیقت مکاں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں یہ دونوں حقائق مطلقہ
ہیں چنانچہ قلب انسانی۔ بجز ذات باری کے کسی شئے کا کوئی وجود نہیں پاتا۔
وجود کے یہ لوازم تنہا اسی ذات میں پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ کہیں اور
نہیں پائے جاتے۔ یہاں تک کہ قلب انسانی بھی اپنا وجود اسی سے مستعار

---

[1] پروفیسر سلیم چشتی صاحب لاہور میں ہیں اور تفسیر مذکور موصوف کے پاس موجود ہے۔

جب یہ حقیقت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو اس کو (یعنی دل کو) بھی اس حقیقت کا ایک جزو بنا دیتی ہے مگر اس نتیجے تک پہنچنے سے قبل قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے تاکہ اس پر غور کیا جائے اور اس کے مدلول کا تصور کیا جائے۔ حتیٰ کہ یہ مدلول ذہن میں متشکل ہو جائے"

ماخوذ از تفسیر موسومہ "فی ظلال القرآن"

اس کے آگے محترمی پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔

سید قطب عقائد میں ابن تیمیہ کے پیرو ہیں مگر اس آیت هو الاول ـــ الخ کی تفسیر میں وہ شیخ اکبرؒ کے مقلد نظر آتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر وحدت وجود کے علاوہ اور کسی نہج سے ہو ہی نہیں سکتی۔ حضرات شاہ ولی اللہؒ۔ شاہ عبد العزیزؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سب نے اسی آیت سے وحدت الوجود کا اثبات کیا ہے یہ آیۃ اس عقیدہ حقہ پر نص قطعی الدلالۃ ہے"۔

دستخط عبدہٗ سلیم چشتی

دیکھا آپ نے کہ اولیائے حق کے عقیدۂ وحدت الوجود کا اثبات مخالف فرقوں کے جدید علما بھی کرنے پر مجبور ہیں جب اول و آخر اللہ ہی اللہ ہے اور ظاہر و باطن بھی حق ہی حق ہے تو پھر مخالفین کا "غیر اللہ" یا "غیر حق" کس فضا یا خلا میں سانس لے رہا ہے۔ یا ان کا خدا "صرف باطن" تک کیوں محدود رہا یا اس جہان کے مظاہر کے علاوہ ان کے لیے خاص طور پر "ظاہر" کے کوئی دوسرے معنی مقرر کر دیے گئے ہیں۔ جیسے وہ "غیر حق" کہتے ہیں۔ بہر حال "غیر حق" عقیدہ باطل۔ اور آیۃ مذکورہ بالا کے منافی ہے اسی لیے شرک کو مستلزم ہے۔ اس سے بہر صورت اور بہر حال بچنا لازم ہے۔ وحدت الوجود سے متعلق ہر شک کو قرآن پاک کی یہ آیت اور دیگر آیات نیز متعدد احادیث نبویؐ دور کر رہی ہیں لہٰذا اپنی طرف سے کھینچ تان

کرنا۔ اور "وحدتِ حقیقی" کے عقیدے کو "خلافِ شریعت" قرار دینا خود قرآن اور صاحبِ قرآن علیہ السلام کا بطلان ہے۔

لہٰذا بحث و تکرار کے بجائے سب سے پہلے صاف الفاظ میں توحیدِ وجودی پر ایمان کا اعلان ضروری ہے۔ مزید واقفیت کے لیے ناچیز کی تصنیف "مخزن انوار توحید" ملاحظہ فرمائیے۔

مذکورۂ بالا تفسیر میں جو نکات موجود ہیں ان کی زندہ مثالیں اولیاء اللہ رح کے واصل بحق وجود میں ملتی ہیں اور ان کے ایسے اقوال مثلاً "انا الحق" "سبحانی ما اعظم شانی" وغیرہ اسی عالم سے صادر ہوتے۔ جہاں بقول حضرت مفسرؒ، لوازمِ وجود و بقا کے ساتھ صرف اللہ کی ذات رہ جاتی ہے۔ "یا جب یہ حقیقت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو اسے بھی اسی حقیقت کا ایک جزو بنا دیتی ہے"

یا بقول حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اولیاء اللہ مثل نے (بانسری) کے ہوتے ہیں اور ان سے جو کچھ سنا جاتا ہے وہ ان کی باتیں نہیں بلکہ نے نواز (یعنی خود حق تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے) کیونکہ جب وہ اللہ میں فانی ہو چکے تو وہ کہاں رہے جو ان کا کلام سمجھا جائے۔

؎ یہاں میں رہا ہوں جب تو سخن نیاز بولوں
سنو گے زبانِ نے سے وہی جو کہے گا نائی

اسی مقام سے حضرتؒ نے وہ تمام اشعار ارشاد فرمائے ہیں۔ جن میں سے (یعنی نے نواز) جن میں وحدت الوجود یا ہمہ اوست کا رنگ ہے اور جن سے آپؒ نے ہر دو دیوان (فارسی و اردو) بھرے ہیں اس رنگ میں آپؒ جس جوش و خروش، جس خلوص و صداقت، جس ولولہ و شدت، جس فصاحت و بلاغت

اور جس بے خوفی و بے باکی کے ساتھ ہزارہا اشعار، بلکہ مسلسل غزلیں اور نظمیں تحریر فرمائی ہیں ان کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ حقیقت میں یہ تمام خوبیاں توحید حقیقی پر آپؒ کے غیر متزلزل ربحۃ اور کامل ایمان کے محکم ثبوت ہیں۔ ایمان تو بنیادی چیز ہے۔ آپؒ عملاً اس سے بہت آگے، مقام وصل پہ فانی فی اللہ باقی باللہ تھے۔

آپؒ کی وہ غزلیں جن کے مطالع حسب ذیل ہیں۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یعنی :-

کسی کہ سرِ نہانست در علن ہمہ اوست
عروس خلوت وہم شمع انجمن ہمہ اوست

اے طالباں اے طالباں من باشما ہر جا نتم
بیچوں و بے چگونم عنقائے قافِ قدم
ملکِ خدا میں یار دآباد ہیں تو ہم ہی

اسی طرح "مقام وصل" کے عنوان کے تحت جو اشعار درج ہیں (صفحات ۔)
وہ تمام اشعار اور مندرجہ بالا غزلیات۔ بطور مثال ہیں)

ورنہ حقیقت میں کلام فارسی و اردو و ہندی میں ایسے ہی اشعار کی کثرت ہے جن میں ہر ایک توحید حقیقی، شراب چہار آتشہ کا چھلکتا ہوا جام بلکہ میخانہ ہے۔ سمجھ کر پڑھیے اور جھومتے رہیئے۔

خلاصۂ بحث کے طور پر پھر یہ نکتے ذہن نشین کر لیجئے کہ ہستی حقیقی مرتبہ ٔ ہاہوت سے ناسوت تک ایک ہی ہے۔ اور وہی اپنے تمام شیون و صفات کے ساتھ اپنی مشیّت اور استعداداتِ اعیانِ ثابتہ کے بموجب جو خود اسی نے اعیانِ ثابتہ کو عطا فرمائی ہیں ہر شئے سے متجلّی ہے۔ اس کا خلیفہ اور سِر (راز) یعنی انسان کامل اور اس کے تابعین یعنی اولیاء اللہ رح قیامت تک موجود حقیقی کے "داعیئے" کی حیثیت سے مخلوق کو اس کی طرف بلاتے رہیں گے۔

قانون الٰہیہ "تجدد امثال" کے تحت ہر آن ہستی حقیقی کی شانیں بدلتی رہتی ہیں لیکن وہ حدیث الاٰن کما کان (جیسا وہ پہلے تھا اب بھی ہے) کے بموجب ایک ہی حال پر قائم ہے لہٰذا تعین۔ تجسم۔ شکل و صورت یا بدلتی ہوئی شانوں ہیں بھی وہی قائم ہے لہٰذا تغیرات کے بجائے اس کی مستحکم ذات کو دیکھو اسی سے عشق کرو اور اسی سے واصل رہو اور یہ یقین رکھو کہ تمام شیون و صفات اسی کی شیون و صفات ہیں۔ اس سے باہر یا اس کے علاوہ کوئی قائم بالذات شان یا شئے نہیں ہے۔ جس شان کو تم اس سے علیحدہ فی نفسہٖ قائم بالذات شئے سمجھتے ہو یہ تمہارا وہم ہے۔ جو تمہیں مشرک بنا دیتا ہے لہٰذا اس شرک سے بچو اور قرآن و احادیث نیز ارشادات اولیاء اللہ کو حق سمجھ کر وہی عقیدۂ توحید اختیار کرو جو ان کا تھا اور آج بھی ہے۔

عشق حقیقی ۔ آثار و اثرات

فصل ۔ ۲ ۔ الف ۔

عشق حقیقی کے بعض پہلوؤں پر ہم نے گذشتہ اوراق میں نہایت خفیف

سی روشنی ڈالی ہے کیونکہ یہ موضوع بے حد وسیع ہے اور بزرگوں نے اس سے متعلق گراں بہا مضامین سپرد قلم فرمائے ہیں ناظرین انہیں ملاحظہ کریں یہاں اس پر سیر حاصل بحث مقصود نہیں ہے صرف حضرت شاہ نیاز رح بے نیاز قدس سرہ العزیز کے بیان کردہ بعض نکات مع اشعار دیے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو عشق حقیقی متعلق حضرت اقدس کے خیالات وارشادات کا علم ہو سکے۔ (اب صرف اردو کے اشعار دیئے جاتے ہیں۔ فارسی کے اشعار ایک جگہ آخر میں ہیں۔ وہاں ملاحظہ ہوں۔)

عشق حق بوالہوس کا کام نہیں

؎ بوالہوس پاؤں نہ رکھیو کبھی اس راہ کے بیچ
کوچۂ عشق ہے یہ رہگزر عام نہیں!

وہ بے نہایت ہے

؎ بے نہایت ہے کہ پایا نہیں جس کا پایاں
جس جگہ پہنچے آغاز ہے انجام نہیں

اس کی دنیا ہی نرالی ہے

؎ عالم عشق کی دنیا ہی نرالی دیکھی
سحر و شام وہاں۔ یہ سحر و شام نہیں

اس میں بدنامی لازمی ہے

؎ عار کیا ہے تجھے لوگوں کی ملامت سے نیاز
عاشقوں میں تو اکیلا ہی تو بدنام نہیں

وہ سراپا دیوانگی ہوتا ہے۔

وہ سحر اور جادو کو بھی مات کرتا ہے

ع عشق ہے سرمایۂ دیوانگی
سحر کب پاتا ہے اس کو اور فسول

بعض دیگر اثراتِ عشق

عاشق صادق بے آرام بے سروپا اور بدنام ہوتا ہے۔

ع عاشق زار ہوں میں طالب آرام نہیں — ننگ و ناموس سے کچھ اپنے تئیں کام نہیں
ع بے سروپائی سے عشاق کو خطرہ کیا ہے — اثر عشق ہے یہ گردشِ ایام نہیں
ع جو سلسلۂ زلف کے ہیں دست گرفتہ — پھرتے ہیں سراسیمہ پریشان بچارے
ع فرشِ زمین ہے خاک نشینوں کا بسترا — بے خان و مانِ عشق کا تکیہ ہے خشت و سنگ

عشق میں بلاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ع بیٹھا جب ہے تو عشق کے دریا میں اے نیاز — دیکھا نہیں ہے اسکی بلا کا مگر نہنگ
پڑا ہو جس کو سروکار عشق سے آکر — وہ جیتے جی میاں اپنے تئیں موا جانے

غم عشق بری بلا ہے، مگر لذیذ ہے۔ عقل ساتھ چھوڑ دیتی اوسان خطا ہوجاتے اور ہوش و حواس گم ہوجاتے ہیں

ع غم نے تو ہمدم بگاڑ دی مری سب حیثیت — مانوں تجھے میں اگر لے مجھے پہچان تو
سرگرد دوانہ کیجیو اس غم کی اے نیاز — سب راحتوں سے غم کو مزہ دار دیکھنا
جب بردر دل حضرتِ عشق آن پکارے — گو شہ ہوئی عقل اور ہوئے اوسان کنارے
جو نہی ہلا آمد عشق کا مجھے دل غمزدہ سنا دیا — خرد حواس و شکیب نے وہیں کوس کوچ بجا دیا

صبر و قرار شکیب تاب و توان عقل و دیں
سب نے تو لی اپنی راہ رہ گئی اک جان تو

ہڈیاں پھنک جاتی ہیں انسان سوز و گداز کا مجسمہ بن جاتا ہے

سے بے سر سے قدم تک ہوں جلا شمع کی مانند
شاید کہ میاں عشق کا انجام یہی ہے!

تجھے عشق دل ہی سے کام تھا نہ کہ استخوانوں کا پھونکنا
غضب ایک شیر کے واسطے تو نے نیستاں کو جلا دیا

سے رگ و پے میں آگ بھڑک اٹھی پھنکے ہے پڑا سبھی تن بدن
مجھے ساقیا مئے آتشیں کا یہ جام کیسا پلا دیا!

سوز دل سے پھنک گیا سب رخت تن
اب ہے دست آتشیں داماں اشک!

پڑھا لکھا سب دل سے محو ہو جاتا ہے سوائے معشوق کے سب جل جاتا ہے

سے تو نے اپنا جلوہ دکھانے کو جو نقاب منہ سے اٹھا دیا
وہیں محو حیرت بے خودی مجھے آئینہ سا بنا دیا

سے وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سو کشش سے دامن ناز نے اسے بھی زمیں سے مٹا دیا

سے جبھی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا لیا
جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

سے لاگ کی آگ لگتے ہی پنبہ نمط یہ جل گیا!
رخت وجود جان و تن کچھ نہ بچا جو ہو سو ہو

احساس ہجر

روح کا قید جسم ناسوتی میں رہنا ہی حقیقی فراق ہے:-

ے کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

ے سیرِ چمن حسن میں کیا لطف فسزا تھا
کیدھر سے نکل آئے تم اے ہجر کے خار و

ابتدائے عشق میں ہجر کا احساس شدید ہوتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں اسے "قبض" یا "انقباض" کہتے ہیں:۔

ے رات تیری یاد میں اتنا میں رویا پھوٹ پھوٹ
ٹوٹے پانی آنسوؤں کا آئیں آنکھیں پھوٹ پھوٹ

ے تھیں یہ آنکھیں مورنِ نور بصر۔
آج کل کچھ ہو گئی ہیں کانِ اشک

ے رات دن غم سے تیرے ہجر میں لڑتا ہے نیاز
یہ دل آزاری مری جان بھلا کام نہیں

ابتدائے عشق تو کہنے کی بات ہے۔ روح اپنے مبداءِ واصل سے ملنے کے لیے ہر وقت مضطرب رہتی ہے خواہ جذبۂ عشق ظاہر ہو یا نہ ہو۔ روح کا یہ اضطراب مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتا رہتا ہے اسے دبا کر رکھنا اور بھی غضب ہو جاتا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز سنائی دیتی تھی جیسے کوئی دیگ جوش کھا رہی ہو:۔

ے کیا کروں رازداروں کو آگے چھپ سکتا نہیں
ضبط کر کر تھا چھپایا اب تلک تو گھوٹ گھوٹ

ے اس تعین کی گرفتاری سے اید ل چھوٹ چھوٹ

اسباب آسا بدریائے حقیقت ٹوٹ ٹوٹ

ے لاہوت سے اتر کے ہوں ناسوت میں پڑا

کیا کچھ ہوئی مقام کی تغیر الغیاث

ے سوز و گداز آہ تپش نالہ و فغان

سب کچھ ہوئے و ے نہیں تاثیر الغیاث

موتوا قبل انتموتوا

پڑا ہو جس کو سرو کار عشق سے آکر

وہ جیتے جی میاں اپنے تئیں موا جانے

عشق کی انمول نعمتیں

فصل ۔ ۲ ۔ ب

عشق کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ "بے نشان" کا جلوہ ہر ذرّہ میں دکھاتا ہے،

عشق میں اسی لیے سوز وگداز اور غم فراق میں عاشق صادق کو عجیب وغریب لذت ملتی ہے اور وہ بہ آسانی آتش عشق میں کود پڑتا ہے۔

جسے دیکھنا ہی محال تھا نہ تھا جس کا نام ونشان کہیں
سو ہر ایک ذرّہ میں عشق نے ہمیں اس کا جلوہ دکھا دیا

عشق اور توحید ایک ہیں

وحدت کے ہیں جلوے نقش ونگار کثرت
گر سرِ معرفت کو پا وے شعور تیرا
ہر آنکھ تک رہی ہے تیرے ہی منہ کو پیارے
ہر کان میں ہوں پاتا معمور شور تیرا

تخلیق کائنات عشق کا نتیجہ ہے

جوشش دریائے عشق است ایں جہاں وآں جہاں
گنبد گردوں حبابے باشد از عمان عشق

ملت و مذہب کی قیدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور دین و دنیا کے جھگڑے دل سے نجات مل جاتی ہے. قلب و نگاہ میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے

دیکھ کر نیرنگیاں تیری اسیرانِ ملل
ملت و مذہب کی قیدوں سے گئے سب چھوٹ چھوٹ
دنیا کے نیک و بد سے کام ہم کو نیازؔ کچھ نہیں
آپ سے جو گزر گیا پھر اسے کیا جو ہو سو ہو . . !

گر بادۂ توحید بپئیں اہلِ مشارب — ہفتاد و دو ملت کی ہو تکرار فراموش
یہ سب ادیان و ملل ہیں شاخہائے یک درخت — ایک جڑ سے ہیں یہ نکلیں ڈالیاں سب پھوٹ پھوٹ
جو ہیں آشنائے اسرار کے — وہ ہیں یار ہر یار و اغیار کے

نگاہ عاشق ازل سے ابد تک دیکھتی ہے شیخ و برہمن اور حرم و دیر کے جھگڑے حقیقت سے بے خبری کا نتیجہ ہیں۔

یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عین حق ہے
کہ اک بحرِ ہستی رواں دیکھتا ہوں
کہاں غیر ہے اور کسے غیر بولوں
سوی اللہ کیدھر کہاں دیکھتا ہوں
جو ربُّ الحرم ہے صنم بھی وہی ہے
حرم دیر میں ایک ساں دیکھتا ہوں
اسے برہمن اور اسے شیخ مانے
یہ آپس کا جھگڑا یہاں دیکھتا ہوں

ازل سے ابد تک جو کثرت ہے پیدا
سو وحدت کا دریا رواں دیکھتا ہوں

عشق میں مرنا روح قدسی بنتا ہے ہو تو اقبل انتموتوا کی شان غم عشق ہی زندگی بن جاتا ہے

کہاں یہ عشق کا مرنا کہاں وہ موت سر پڑنا
یہاں اب روح قدسی ہوں وہاں زیر زمین سڑتا
اپنا مدار زندگی اب رہ گیا ہے غم ترا
پھر تو وہ پوری موت ہے یارب اگر غم جل بے

ملت عشق میں
سبحہ و زنار کے جھگڑے نہیں ہوتے

میں عشق کی ملت میں ہوں اے شیخ و برہمن
جا عشق مرا سبحہ و زنار سے کہدو

منزل عشق کو کفر و اسلام سے بلند ہے۔

منزل ہماری پاتے ہیں کب شیخ و برہمن
اسلام و کفر سے پرے اپنا مقام ہے

عاشق صادق رسمی اسلام بے روح زہد و تقویٰ اور ریا و منافقت سے بیزار ہوتا ہے

کافر[1] عشق ہوں میں بندۂ اسلام[2] نہیں
بت[3] پرستی کے سوا اور مجھے کام نہیں

عشق مرشد بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ مسلک فقر میں مرشد، مقام خدا اور رسول کا عین اور تشبیہ میں تنزیہ کا آئینہ ہے۔ بقول مولانائے رومؒ :۔

چوں تو کردی ذاتِ مرشد را قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسولؐ

اسی معنے میں حضرت شاہ نیاز قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں :۔

عشق میں پوجتا ہوں قبلہ و کعبہ اپنا
ایک پل دل کو مرے اس کے بن آرام نہیں

مرشد سے متعلق مزید نکتے اور اشعار گزشتہ باب میں بیان ہو چکے ہیں

ہمارا عشق قیس و فرہاد کا عشق نہیں ہے۔ بلکہ خودی باطلہ سے نجات حاصل کرنے کا نام ہے۔

بنا توڑ ہستی کی لے گنج وصل ⁂ بڑا گنج ہے زیرِ دیوار کے

---

[1] مراد، عشق کا چھپانے والا۔ عاشق صادق
[2] مراد، بے عشق اسلام، محض نمائشی زہد و تقویٰ۔ مُلّائیت
[3] مراد، حسن حقیقی کی پرستش جو ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔

کہاں سے کہاں لے کے پہنچا یہ دل ۔۔۔ لا ٹکا جہاں سے رہے ہار کے
نہیں قیس و فرہاد سا میں نیاز ۔۔۔ کہ ہوں گرد صحرا و کہسار کے

منہ اپنا جو تو نے دکھایا مجھے
دیں پھر جو ڈھونڈا نہ پایا مجھے

خودی باطلہ سے چھٹکارا حاصل کرنا جرأت و جوانمردی ہے۔

بازی وہی لے جائے گا اس کھیل میں آ کر دل ۔۔۔ جو پہلے کٹا مہرہ سرجان کو ہارے
گر رستم و سہراب ہیں ایسے ہمہ سے دلاور ۔۔۔ ہو ویں تو بھلا عشق کے میدان میں تارے
کل دور تو مجنوں تھا نیاز آج ہے اپنا ۔۔۔ نوبت کے بجے بر سرِ دوران نقارے

باطل خودی سے نجات حاصل کرنا ہی خدا سے ملنا ہے۔

عاشقوں کا اسلام یہی ہے یہی صوفیوں کی فنا ہے

گھر کو تو اپنی ہستی کے ویران کر نیاز ۔۔۔ ہستی سے حق کے پھر وہ رہے کا بسا ہوا
چل بچل ہے کار خانہ ہستی موہوم کا ۔۔۔ چل نیاز اب حق سے مل اپنی خودی سے چھوٹ چھوٹ
حباب کی طرح اپنے تئیں بنا کے توڑ ۔۔۔ طریق حق میں یہی توڑ ہے خدا سے جوڑ

کافر ہوں جو میں اپنے تئیں جانوں کہ میں ہوں
جو کچھ ہے سو تو ہے مرا اسلام یہی ہے۔

نقوشِ کائنات میں نقاش کی جلوہ گری ہے
کل یوم ھو فی شان ۔

اپنا ہی کچھ تصرف اوہام ہے کہ ہم
چہرے پہ حق کے پاتے ہیں پردہ نقاب کا

آتی ہے جبکہ نشۂ توحید کی ترنگ
دکھلائے ہے تجلی طوری ہر ایک سنگ

کچھ نہیں سب کچھ ہے یاروا اور سب کچھ کچھ نہیں
غیر اس کے معنی رمز الستی کچھ نہیں !
یہ جو کچھ ہونا ہے کہتے ہیں ہستی ہے یاں
فقر میں ہستی یہی ہے اور ہستی کچھ نہیں

وحدت ایسی ہوئی ہے جلوہ نما
ایک ہے سو ہزار آنکھوں میں
ہم کو نقاش ہے نظر آتا
سب یہ نقش و نگار آنکھوں میں

عالم کہے جس کو جہاں یعنی جہانِ جسم و جاں
شانیں ہیں سب اس ذات کی جس کو کہے سنسار ایک

مقامِ بے خودی

مجھے بیخودی یہ تو نے بھلی چاشنی چکھائی
کسی آرزو کی دل میں نہیں اب رہی سمائی
نہ حذر ہے نہ خطر ہے نہ رجا ہے نے دعا ہے
نہ خیال بندگی ہے نہ تمنّے خدائی
نہ مقام گفتگو ہے نہ محل جستجو ہے
نہ وہاں حواس پہنچیں نہ خرد کو ہے رسائی
نہ مکیں ہے نہ مکاں ہے نہ زمیں ہے نہ زماں ہے
دل بے نوا نے میرے جہاں چھاونی ہے چھائی

نہ وصال ہے نہ ہجراں نہ سرور ہے نہ غم ہے
جسے کہئے خوابِ غفلت سو وہ نیند ہم کو آئی

من و تو اٹھے جہاں ہوں ہو میں وہاں کہاں ہوں
جو دُوی کے تھے لوازم سو رہائی ان سے پائی

یہاں میں رہا ہوں جب تو سخنِ نیاز لو لوں
سنو گے زبان نے سے وہی جو کہے گا نائی

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ ہو کے حق سے دھیان لگاؤ جی
بیرنگی کی سُرت جما کے اپنا آپ گماؤ جی

پاک منزہ پورے ہو کے سبحانی گن گاؤ جی
نیاز گیا جب اللہ ہو گو کون رہا فرماؤ جی

انائے حقیقی ۔ نعرۂ حق ۔ شعورِ ذات

فصل ۔ (۲ ۔ ج)

حقیقت ایک ہی ہے ۔ وہی باطن وہی ظاہر ہے ۔ یہ ہماری کج فہمی ہے کہ ہم ظاہر کو باطن کا غیر سمجھتے ہیں ۔ جب شعور مرکزِ صحیحہ پر قائم ہو جاتا ہے تو میں، تو ۔ ہم اور وہ کے مجازی معنے ختم ہو جاتے اور تمام ضمیروں اور اشاروں کی مرجع و مشارٌ الیہ صرف ہستی حقیقی ہوتی ہے ۔ ۱؎ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (الآیت) اور مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ (الحدیث) اس مقام کی شارع ہیں اور عشاق صادق واصل بحق بن کر اسی مقام کی خبر دیتے ہیں احادیث قربِ فرائض و قربِ نوافل کے بموجب عاشق باقی نہیں رہتا بلکہ باطن ہی ظاہر ہو جاتا ہے اور وہی پھر اس عالم ناسوت میں نعرۂ حق لگاتا ہے ۔ یہ مقام مقام حیرت و

۱؎ یعنی جب وہ فانی فی اللہ ہو گیا ۔

بے خودی کے بعد آتا ہے۔ ان نکات کی روشنی میں حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے مندرجہ ذیل اشعار کو سمجھئے :۔

ملکِ خدا میں یار و آباد ہیں تو ہم ہیں	تعمیر دو جہاں کی بنیاد ہیں تو ہم ہیں
دیکھا پرکھ پرکھ کر آخر نظر چڑھا یہ	گر نقد ہیں تو ہم ہیں نقاد ہیں تو ہم ہیں
شادی و غم یہ دونوں اپنی حالتیں ہیں	دلگیر ہیں تو ہم ہیں اور شاد ہیں تو ہم ہیں
کاریگری کی اپنی یہ سب مصوری ہے	تصویر ہیں تو ہم ہیں بہزاد ہیں تو ہم ہیں
ہستی کے کاغذوں پر ہیں دستخط ہمارے	گر فرد ہیں تو ہم ہیں او صاد ہیں تو ہم ہیں
تعلیم اور تعلّم سب ہے نیاز اپنا	شاگرد ہیں تو ہم ہیں استاد ہیں تو ہم ہیں

جوں مہر کے سمکھ کہے آئینہ انا الشمس	بولوں ہوں انا اللہ سر دار سے کہہ دو

کہتے ہیں نیاز آپ کو اس شکل مری میں	یہ سچ ہے کہ تو پاک ہے یاں نام ہی ہے

من و تو لٹے جہاں ہوں ہوں سیں وہاں کہاں ہوں

جو دوئی کے تھے لوازم سو رہی ان سے پائی

یہاں میں رہا ہوں جب تو سخنِ نیاز بولوں

سنو گے زبان نے (بانسری) سے وہی جو کہے گا نائی[1]

یہ شعور ذات اللہ والوں کا شعور ذات ہے۔ مقربانِ حق کا شعور ذات ہے انبیائے کرام کا شعور ذات ہے۔ درصلین حق اور کاملین صادقین کا دعویٰ

---

(1) بانسری بجانے والا)

حق ہے۔ لا الٰہ الا اللہ ۔ محمد الرسول اللہ کی معراج کی فضاؤں میں پرواز کرنے والا شہباز دل، اور فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ بن جاتے والے مردانِ حق" کے اوصاف ہیں ۔ اور ان ہی کی بدولت یہ کارخانہ ہستی قائم ہے ۔ ان کے نقال بھی کچھ ایسے ہی دعوے کرتے ہیں لیکن انہیں اللہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ نقال، فلسفہ و منطق کے بازوؤں سے اڑتے ہیں اور "مردانِ حق" "عشق خدا اور عشق محمدی" کے بازوؤں کی قوت سے عروج پر پرواز کرتے اور ان کی مقرر کی ہوئی منزل مقصود تک خود بھی پہنچتے اور دوسروں کو بھی پہنچاتے ہیں۔ بقول حضرت رومی علیہ الرحمتہ :

آں انا با وقت گفتن رحمت است
واں انا بے وقت گفتن لعنت است

اس کی "عملی" راہ سے متعلق حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے اشعار آئندہ فصل (۳) میں ملاحظہ ہوں ۔

فصل ۔۳۔

عملی راہ

مذہب اسلام کو "افیون" کہنے والے خدا اور رسولؐ کے باغی ہیں اور وہ لوگ جو فقر و تصوف کو "بے عملی" قرار دیتے ہیں انہوں نے یا تو غلط نمونے دیکھے ہیں یا ان کے ذہن میں "عمل" کا تصور بہت محدود ہے ۔ وہ غالباً عبادت، تزکیہ نفس، حصولِ انسانیت، مظاہرہ اخلاق نبویؐ، عروج روحانی اور ان تمام اعلیٰ ترین اقدار حیات کے سلسلے میں مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت میں مشائخ کرام کی دن رات محنت و مشقت کو "عمل" نہیں سمجھتے حالانکہ خدا اور رسولؐ کی نظر میں یہی خدمات

(اوصاف عملی اور اہم ترین ہیں اور ان کی جزا بھی اعلیٰ ترین ہے۔ اسی لیے فقرائے اسلام نے عشق خدا و رسولؐ کو اصل مقصد حیات اور خدا و رسولؐ کی یافت کو حقیقی منزل حیات قرار دیا ہے اور ان ہی اوصاف کی طرف مخلوق خدا کو بُلانے اور انہیں حق رسیدہ بنانے کے لیے وہ خود بھی دن رات انتھک کوشش کرتے اور اپنے متبعین سے بھی سخت مجاہدے کراتے ہیں۔

ان ہی امور کو گزشتہ صفحات میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ مشائخ کرام کے خاص تبلیغی ذرائع مدرسہ و خانقاہ ہوتے ہیں اور ان کے تیار کردہ مریدان باعمل ہوتے ہیں۔ مدرسہ میں علوم کتابی کی تعلیم ہوتی ہے اور خانقاہ میں تزکیۂ نفس۔ تصفیۂ قلب۔ تجلیۂ روح اور حضوری و وصل الی اللہ کی تربیت دی جاتی ہے۔ یعنی محنت و مجاہدے سے کام لیا جاتا ہے۔

یہی اولیاء اللہ اور مشائخ کرامؒ کا عملی راستہ ہے۔

فصل۔ ۳۔ الف

نسبت قادریہ

قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ العزیز کے خاندان میں قادریہ۔ چشتیہ (نظامیہ صابریہ) سہروردیہ نقشبندیہ (قدیمہ) سلاسل طریقت کے سلوک پر عمل درآمد رہا ہے اور آج بھی ہے واضح رہے کہ مذکورہ سلاسل میں بالاتفاق مرکزی تعلیم توحید وجودیہ عینیہ کی ہے۔ اور اسی مرکزی خیال کو ترقی دینے والے اشغال و اذکار تعلیم کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرتؒ کے دیوان میں نہ صرف سلاسل مذکورہ کے متعدد اکابرین سلف بالخصوص قادریہ و چشتیہ مشائخ کرامؒ کی شان میں بلند پایہ منقبتیں موجود ہیں بلکہ مسالک قادریہ و چشتیہ کی مدح میں بھی ایسے فصیح و بلیغ اشعار فرمائے ہیں جن کا جواب نہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد فرمایا ؎

فیض یاب از بارگاہِ شیخ عبدالقادرمؒ
زیں جہت مارا براہِ فقر شانے دیگر ست

ساری دنیائے اسلام جانتی ہے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولادِ رسول ؐ ہیں اللہ کے محبوب ؐ کے محبوب اور "محبوب سبحانی" ہیں۔ آپ کا قدم مبارک تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ آپ کے سلسلۂ طریقت کے جھنڈے روئے زمین پر گوشے گوشے میں لہرا رہے ہیں۔ اور بالعموم تمام غلامانِ سلسلہ کو فیوض و برکات روحانی کی بشارت قصیدۂ غوثیہ میں موجود ہے۔ ایسی صورت میں حضرت قبلہ شاہ نیازؒ بے نیاز قدس سرہ العزیز کا یہ فرمانا کہ:۔

فیض یاب از بارگاہِ شیخ عبدالقادرم
زیں جہت مارا براہ فقر شانے دیگر ست

فقط شاعری نہیں ہے اس کی حقیقت کی خبر تو خود حضرتؒ کو ہو گی لیکن ہم کم فہموں کی سمجھ میں یہی آتا ہے کہ آپ کو چند خصوصیات ایسی حاصل تھیں جو ہر "قادری" کو حاصل نہیں ہوتیں مثلاً:۔

۱۔ آپؒ کو "خاص امانت سپرد" کرنے کے لیے عمدۃ الاولادِ غوث الاعظم حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رضی اللہ عنہ حضور غوث پاک رضؓ کے حکم سے بغداد شریف سے دہلی تشریف لائے اور جامع مسجد دہلی میں حضرت مولانا فخر دہلویؒ اور چند اکابرین علماء و مشائخ کرام قدس اسرارہم کی موجودگی میں

آپ کو نعمتیں سپرد فرمائیں۔

۲۔ حضرت موصوف رحمتہ اپنی صاحبزادی کی شادی حضور غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کے ایماء و منشا کے بموجب حضرت قبلہ نیاز بے نیاز رحمتہ سے کر دی اور اس طرح حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز خاندان غوثیہ کے ایک فرد مثل فرزندان عزیز حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہم ہو گئے۔

۳۔ آپ رحمتہ کو حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رضی اللہ عنہ کے توسط سے حضور غوث الاعظم رضہ کی جانشینی حاصل تھی۔

۴۔ آپ رحمتہ کو خاص تبرکات جانشینی مثلاً مسند مبارک۔ تکیہ چرمی عصائے مبارک۔ ——— عطا ہوئے

جو آج تک خانقاہ عالیہ نیازیہ رحمتہ بریلی میں موجود ہیں اور حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے مخلص عشاق زیارت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

۵ "مارا براہِ فقر شانے دیگر ست" کے ثبوت میں یہ چند بدیہی امور بطور ثبوت کافی ہیں؛

نیز حضرت نیاز بے نیاز قدس سرالعزیز کا اولاد علی ہونا (جو سب کے مولا۔ باب علم نبیؐ۔ شہنشاہ ولایت ہیں) جملہ دلائل پر حاوی ہے۔ علاوہ بریں بچپن سے حضرت مولا علیہ السلام و جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی سرپرستی۔ ان کی بارگاہ اقدس میں آپ رحمتہ کی حسب دلخواہ حاضری کی قوت۔ اور ان کے روحانی امداد و استعانت سے مشکل مواقع پر حل مشکلات وغیرہ کا ذکر جو گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ ایسے واقعات ہیں جو ہر قادری "شیخ طریقت" کو نصیب نہیں ہوتے۔ ان تمام امور کے پیشِ نظر حضرت قبلہ نیاز رحمتہ بے نیاز قدس سرہ العزیز کا یہ فرمانا کہ :-

سے "مارا براہِ فقر شانے دیگرست" متعدد امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔
ہم غلامان سلسلۂ نیازیہ ایسے آفتاب طریقت اور خورشید ولایت آقا و مولا کی غلامی پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔

حضرت قبلہ (شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز) حضور محبوب سبحانی قطب ربانی جناب غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان میں تحریر کردہ ایک منقبت میں فرماتے ہیں:-

نشانِ شانِ بیچونی بیانِ سرِّ مکنونے ... بسیرت مثل پیغمبر بصورت مرتضیٰ ثانی
شب بخت سیہ را ذرۂ مہرش کند صبحے ... فروزد لمعۂ لطفش رخ شام غریبانی
ببخشد از رہ فیاضی ادنیٰ بے نوائے را ... گدایانِ درش و ہیم شاہی تخت سلطانی

ان اشعار میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جس عظمت و قدرت، جس بلندی شان اور جس اوصاف کریمانہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہ صرف آپؓ کی ولایت و سیرت کی معراج ہے بلکہ تمام عالم انسانیت کے لیے بھی، اگر وہ آپ کے در کی گدائی اختیار کرلے آپ کی نظر کرم کے ادنیٰ سے اشارے پر، نعمتِ خدا رسی کے حاصل کر لینے کی ضمانت کی خوش خبری سنائی جارہی ہے۔ چنانچہ آپ کے نائب و جانشین اور قریبی عزیز (یعنی عمدہ الاولاد غوث الاعظم حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رضی اللہ عنہ کے داماد و جانشین) قطب عالم مدارِ اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز بھی بقدر عطائے خاص، مذکورہ بالا اوصاف خصوصی کے حامل تھے۔ اور اپنے در کے گدایانِ بے نوا کو بہ ادنیٰ اشارہ چشم کرم خدا تک پہنچانے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔
اصولاً یہ فیضان کبھی اسی ذات گرامی یعنی حضور غوثیت پناہ محبوب سبحانی

قطب ربانی غوث الصمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی رضی اللہ عنہ نے اصل چشمۂ کرم سے جاری تھا بظاہر وسیلہ حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

فصل ۳۔ ب

(نسبت چشتیہ نظامیہ و صابریہ رح)

●

حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی چشتیہ نسبت بھی عدیم المثال تھی۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں، حضرت مولانا فخر پاک رح کے خلفا اگرچہ تو سب ہی آسمان ولایت کے شمس و قمر تھے لیکن حضرت نیاز بے نیاز رح جیسی شخصیت کوئی نظر نہیں آتی۔ ایسی کہ جو علوم ظاہر و باطن میں بہ یک وقت یگانہ اور رموز صوری و معنوی میں یکتائے زمانہ ہو۔" لہ

حقیقت میں آپ سپہر روحانیت کے شمس الشموس تھے مشائخین متاخرین میں آپ جیسا شیخ کامل خاندانِ چشت میں کم ہوا ہے۔" ٢ہ اس سلسلہ میں ہم ناظرین کی توجہ مندرجہ ذیل حقائق کی جانب مبذول کراتے ہیں۔

۱۔ حضرت رح کے بچپن کے حالات میں ہم بتا چکے ہیں کہ جب آپ چھ سال کے تھے تو دہلی میں حضرت مولانا شاہ فخر الدین قدس سرہ العزیز کی شخصیت ولایت کا طوطی لوط رہا تھا اور آپ کے مدرسہ کی دور دور شہرت تھی کچھ تو یہ اسباب تھے جن کے باعث حضرت نیاز بے نیاز کے لیے

لہ خزینۃ: صفحہ ۵۱۲

۲ہ برکات اولیاء۔ مصنفہ سید امام الدین احمد۔ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ۔ صفحہ ۱۹۱۔

مدرسۂ فخریہ کا انتخاب کیا گیا لیکن خاص الخاص وجہ یہ تھی کہ محب النبیؐ حضرت مولانا فخر دہلوی قدس سرہ العزیز نے حضرت نیاز بے نیازؒ کے نانا مولا سعید الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے بحکم اپنے والد و مرشد حضرت شاہ شاہاں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اکتساب فیض کیا تھا اور یہ دونوں بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی قدس سرہ العزیز کے جید خلفاء تھے چنانچہ مولانا فخر علیہ الرحمۃ کو اپنے دادا پیر شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کی جانشینی کا شرف حاصل تھا جو حقیقتاً خواجہ خواجگان سلطان الہند غریب نواز، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کی سجادگی کا شرف تھا اور یہی وہ شرف تھا جسے حاصل کرنے کی غرض سے حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی والدہ ماجدہ جو خود "رابعۂ عصر" ولیۂ کاملہ ہونے کے علاوہ حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ کی مرشد زادی بھی تھیں، تکمیل نسبت چشتیہ کی خاطر آخر الذکر کے سپرد فرمایا تھا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت بی بی صاحبہ کا بے حد احترام فرماتے تھے اور ان کے کمالات ولایت سے بخوبی واقف بھی تھے چنانچہ موصوفؒ نے جناب بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی خواہش کے مطابق پوری توجہ کے ساتھ حضرت نیاز بے نیازؒ کو چشتیہ سلوک میں مرتبۂ کمال تک پہنچا دیا اور اپنا جانشین بنا کر (بلکہ حقیقت میں خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ العزیز کا جانشین بنا کر (مع تبرکات جانشینی) بریلی شریف میں مامور فرمایا[1]

حضرت نیاز بے نیازؒ کو حضرت مولاناؒ کی تربیت میں رکھنے کا اصل مقصد تو یہی تھا کہ جس طرح آپ کو قادریہ نسبت میں قوت و کمال حاصل[2] ہے اسی طرح

---

[1] تفصیلات باب ۴ میں مذکور ہیں۔ [2] واضح رہے کہ آپؒ مادر زاد ولی تھے اور مدرسۂ فخریہ میں داخلے سے قبل ہی متعدد کرامات آپؓ سے صادر ہو چکی تھیں تفصیل باب ۲ باب ۳ باب ۴ میں درج ہے۔

چشتیہ نسبت میں بھی کمال حاصل ہو جائے چنانچہ حضرت مولانا فخر دہلوی قدس سرہ العزیز کی زیر تربیت بہ مقصود بہ تمام و کمال حاصل ہو گیا۔ ساتھ ساتھ تکمیل علوم مروجہ ظاہری بھی ہوتی گئی جس کا اختتام حضرت رحؓ کی دستار بندی پر ہوا۔[1]

۲۔ دستار بندی کے بعد ہی حضرت مولانا فخر پاک قدس سرہ العزیز نے آپؒ کو اپنی خلافت عطا فرمائی اور کچھ عرصہ بعد اپنا جانشین بنا کر بریلی میں مامور فرمایا۔ یہ جانشینی در حقیقت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ سلطان الہند غریب نواز اجمیری قدس سرہ العزیز کی تھی کیونکہ حضرت مولانا فخر پاکؒ ہی حضور غریب نوازؒ کے صحیح جانشین تھے۔ بریلی میں مامور فرماتے وقت حضرت فخر پاکؒ نے اپنے تبرکات خصوصی بھی حضرت نیاز بے نیازؒ کو عطا فرمائے تھے۔ اس کی تفصیل باب ۴ اور باب ۹ میں بیان ہو چکی ہے۔

۳۔ بریلی شریف میں ماموری کے بعد بھی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت نیاز بے نیازؒ مع چند مریدین حضرت فخر پاک قدس سرہ العزیز کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے تو حضرت مولاناؒ نے آپؒ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ " او ہو!! ہم نے تو تم کو ایک ملک دیا تھا تم یہ تمام خدائی کے مالک بن کر آئے ہو۔" یہ سن کر حضرت نیازؒ بے نیازؒ جناب مولانا کے قدم بوس ہوئے اور فرمایا کہ آپ ہی کا صدقہ ہے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کا ظہور دوسری ذی قعدہ ۱۲۳۹ھ روز چہار شنبہ دوپہر کے وقت ہوا۔ جس میں صورت مثالی حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ و صورت مثالی حضرت فخر عالم فخر پاک قدس سرہ العزیز معہ ایک صندوقچہ کے نمودار ہونا نورانی افراد کا دربار اور اس میں صندوقچہ کے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو باب ۴۔

قفل کی کنجی حضرت نیاز بے نیازؒ کو دنیا اور صندوقچہ سے ایک سند کا ملنا جس میں بہت سی باتیں درج تھیں منجملہ ان کے حضرت نیاز بے نیاز ؒ کو قطبِ عالم مدارِ اعظم کا لقب عطا ہونا اور اس خوشخبری کا اظہار تھا کہ آپ کے سلسلہ میں ۹۹ قطب ہوں گے اور ان کا زمانہ ایک ہزار سال تک رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان امور کی تفصیل باب ۲۱ میں درج ہے۔ یہ تمام اعزازات جو حضرت نیاز بے نیاز ؒ کو حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت فخر پاک دہلوی قدس سرہ العزیز کے ہاتھوں عطا ہوئے اس کا مطلب یہی ہے کہ مذکورہ فیوض و برکات سلسلۂ چشتیہ کے فیوض و برکات ہیں۔

شاید اسی لیے حضرت نیاز بے نیاز ؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ فخر الدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز کی شان میں یہ بلیغ مصرعہ فرمایا ہے

مصرعہ کمالِ فقر شدہ از ظہورِ فخر الدین ؒ

۴۔ نسبت قادریہ کی طرح نسبت چشتیہ کی قوی ترین استعداد اور اس کے کمالات بھی مشیت الٰہیہ نے آپ ؒ کی سرشت میں ودیعت فرما دیئے تھے ثبوت کے لیے خود حضرت ؒ کا یہ شعر کافی ہے۔

سہ دمے کہ صانع تقدیر طینتم بسرشت

سرشت خاک مرا با شراب صافی چشت

۵۔ چشتیت۔ پوری قوت سے بھڑکتی ہوئی آتش عشق ہے اس کی بھرپور نمائندگی کا حق حضرات نیاز بے نیاز نے ادا فرمایا ہے جس کے ثبوت میں آپ کا پورا دیوان اور آپ ؒ کی سوز و گداز سے معمور زندگی کی داستان ہمارے سامنے ہیں۔ عشق کی اتنی پُر زور وکالت جیسی کہ آپ کے کلام سے ظاہر ہے اور حسن و جمال وحدت کی وہ دلیرانہ نقاب کشائی جس کی جرأت رندانہ کا سہرا آپ کے سر ہے خالص چشتیت کا اثر معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ آپؒ نے مشائخ کبار سلسلۂ چشتیہ کی شان میں جیسی عظیم المرتبت منقبتیں تحریر فرمائی ہیں ان کا جواب نہیں انہیں بغور پڑھ کر ہی نہ صرف اکابر چشتیہؒ کی بلکہ خود مصنفؒ کی عظمت و بزرگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۷۔ حضرت نیاز بے نیاز نے سلوک چشتیہ سے متعلق تین نظمیں مسلسل غزلیات کی شکل میں تحریر فرمائی ہیں ان سے سلوک چشتیہ کی عظمت اور زود اثری کا اندازہ ہوتا ہے وہ تینوں غزلیں ذیل میں درج ہیں :-

(۱)

سرزمین چشت کی آب و ہوا کچھ اور ہے — دین و دنیا سے نرالا اور ہی کچھ طور ہے
پھر رہے ہیں ہر گلی کوچہ میں از خود رفتگاں — عشق کی واں سلطنت ہے بیخودی کا دور ہے
کوئی سبحانی کہے کوئی انا الحق بلبلائے — بل بے تیرا بلبلانا یہ مقام غور ہے !!
کوئی شغل نیستی میں نیست اور نابود ہے — کوئی نظارہ میں حق کے اک تماشا طور ہے
ہے حضور حق تعالےٰ ان کی گلہ بود و باش — دیکھنے میں خلق کے گو دہلی و لاہور ہے
خندہ و گریہ ہم ہمدم ہیں ان یاروں کے بیچ — جو کوئی روتا ہے پھر ہنستا وہیں فی الفور ہے
جبکہ دکھ سکھ ہو انہیں اور بے قراری ہو قرار — پھر تو جور و لطف سے خوشتر جفا و جور ہے

کیا ہی تیزی اور تندی رکھتی ہے ان کی نگاہ
جا پڑے جس پر نظر رہتا وہیں وہ ٹھور ہے !
وہ جو اک عرصہ میں ہوتا ہے میسر اور جائے
یادہی سے عشق کی حاصل یہاں فی الفور ہے

---

(۲)

خانقاہِ چشت میں جس نے قدم پہلا رکھا — دوسرا اس کا قدم پھر عرش کے بالا پڑا

قاب قوسین اس کے آگے ایک ادنیٰ مقام — واں پہنچ کر کچھ نہ پوچھو کیا سے کیا پھر کیا ہوا

نقشِ ہستی مٹ گیا نام و نشاں سب اٹھ گیا — صاف مطلع ہو گیا جو تھا یہاں واں کچھ نہ تھا

سخت مشکل ہے دلا اس کا پھر آنا اس طرف — وہ نہ ان مُردوں میں ہے جن کو مسیحا نے جِلا

کیا ہی جی کو بھاتی ہیں باتیں یہ تیری اے نیاز
قولِ حق ہم تو سمجھتے ہیں میاں تیرا کہا

(۳)

ایک دوسری غزل میں فرماتے ہیں :-

پہلا سبق۔

مدرسہ میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو — اس کا پہلا ہی سبق یارو فنا فی اللہ ہو

یہ سبق طولانی ایسا ہے کہ آخر ہو نہ ہو — بے نہایت کو نہایت کیسی یارب آہ ہو!

دوسرا سبق۔

دوسرا پھر ہو سبق علم الفنا کا انتفا — یعنی اس اپنی فنا سے کچھ نہ وہ آگاہ ہو

دوڑ آگے جب چلے جب چھوڑ ہو پیچھے مدد — اس دقیقہ کو وہی پہنچے جو حق آگاہ ہو

تیسرا سبق۔

تیسرا اس کا سبق ہے پھر کے آنا اس طرف — اب بقا باللہ حاصل اس کو خاطر خواہ ہو

ڈھائی اچھر پریم[1] کے مشکل ہے جن کا ربط و ضبط — حافظ و مُلّا یہاں پر کب دلیلِ راہ ہو

---

[1] عشق۔ محبت

حضرتِ عشق آپ ہو دیں گر مدرس چند روز
پھر تو علم فقر کی تحصیل خاطر خواہ ہو
اے نیازؔ اپنے تو جو کچھ ہو تمہیں ہو بس فقط
حضرتِ عشق آپ ہو اور آپ دام اللہ ہو[1]
اک توجہ آپ کی وافی و کافی ہے ہمیں
کیا ہی قصہ ہو طولانی تو وہ کوتاہ ہو[2]

تین سبق میں پورا سلوک طے کرتے کا بیان ہے جو سلسلۂ نیازیہ ہی کی خصوصیت ہے کیونکہ جن خاص نسبتوں کا یہ ثمرہ ہے وہ کسی دیگر خانوادے میں مجتمع نہیں ہیں۔ البتہ حضورؒ کی توجہ حاصل کرنے کی غرض سے خلوص طلب، عشق صادق، اطاعت مرشد اور یقین کامل کے ساتھ مخلصانہ جدوجہد مریدان سلسلہ کے فرائض ہیں۔

نظامی صابری

حضرت شاہ نیازؔ بے نیازؒ نظامی بھی تھے اور صابری بھی یہ نظامی اور صابری ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسے کسی چہرے پر دو آنکھیں جو دو ہو کر بھی ایک ہی کو دیکھتی

---

[1] آخری دو اشعار میں مرشد کی روحانی استعانت کی پُر خلوص طلب اور اس پر یقین محکم کی تعلیم ہے نیز یہ مراد بھی ہے کہ خود حضرت قبلہ روحانی طور پر اپنے غلاموں کی طرف ہر آن متوجہ ہیں ضرورت اس کی ہے کہ نیازی سلسلہ کے غلام مخلص طالب بنیں۔ [2] آپ کی ادنیٰ سی توجہ سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اس کے بغیر مدتوں مقصد برآری نہیں ہوتی۔

ہیں کسی چیز کے دو ٹکڑے نہیں کرتیں۔ ان اشارات کی تفصیل سے بخوف طوالت گریز کیا جاتا ہے۔ دونوں چشتیہ سلسلے ہی کی شاخیں بلکہ شاخیں ہیں۔

خلاصۂ بیان

خلاصۂ بیان یہ ہے کہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز میدان تفرد تصوف کی دو عظیم شاہراہوں (قادریت وچشتیت) کے سنگم۔ ہر دو زبردست قوتوں کے سرچشمے جلال وجمال کے واحد مرکز دونوں سلوکوں کے واحد خواجۂ خضر اور برکوچک بلکہ ساری دنیا کے طالبین صادقین کیلئے دونوں سلسلوں کے مستند اولیا گر رہنما و جانشین تھے۔ جن کی کامل و مؤثر تعلیمات وفیوض روحانی کے زیر اثر ہزار سال تک ان کے غلاموں میں اقطاب واوتاد پیدا ہوتے رہیں گے۔

اس کے لیے قدرت نے خود آپؒ کو منتخب فرما لیا تھا اسی لیے آپؒ کے حالات شروع سے آخر تک دوسروں سے ممتاز ہے جیساکہ زیر نظر تذکرے میں مندرج ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپؒ کے سلسلہ میں دونوں سلسلوں (قادریہ وچشتیہ) میں بیعت لی جاتی ہے۔ اور مشترک سلوک طے کرایا جاتا ہے۔

فصل (۴)

متفرقات

اب ہم چند ایسے متفرق امور ونکات سے متعلق حضرت قبلہؒ کے افکار پیش کرتے ہیں جن سے سالکان طریقت ومعرفت کو مراحل عشق ومحبت سے گزرتے ہوئے سابقہ پڑتا ہے۔ یا جو "خودشناسی"۔ "خداشناسی" "توحید حقیقی"، "مشاہدہ" "مجاز وحقیقت"، مکان ولامکاں۔ عروج وزوال فنا وبقا سے متعلق ہیں

اور بذریعہ اشعار ذہن میں محفوظ رہ سکتے ہیں۔ مثلاً

اللہ کے طالبوں کو مشاہدۂ حق ہی چاہیئے حور و قصور نہیں

(الف)

ے بھاتا نہیں ہے زاہد جز دیدِ حق مجھے کچھ
تجھ کو رہے مبارک حور و قصور تیرا !

اپنے اندر دیدارِ یار اپنے باہر دیدارِ یار

ے دیدہ و دل ہم ہیں ایک سو جب میں اور بوجھیں
آنکھوں کے سامنے عیاں دل میں بسا جو ہو سو ہو

ے اے دل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا
اپنے ہی بیچ یار کا دیدار دیکھنا

ے نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہو جیو !
ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا

ے نہ تن دیکھتا ہوں نہ جاں دیکھتا ہوں
تجھی کو عیاں اور نہاں دیکھتا ہوں !

اینما تولوا فثم وجہ اللہ

جدھر دیکھو خدا ہی خدا ہے ،

ے نکتہ اینما سے واقف ہو
چہرۂ یار جا بجا دیکھا

۵ بلکہ یہ بولنا تکلف ہے

ہم نے اس کو سنا ہے یا دیکھا

دیکھتا آپ سے سُنے ہے آپ — نہ کوئی اس کا ماسوا دیکھا
دید اپنی کی تھی اُسے خواہش — آپ کو ہر طرح بنا دیکھا

غیب میں وہ ما و شما سے برتر تھا۔ شہادت میں وہی ما و شما ہے۔

تھا وہ برتر شما و ما سے نیاز
پھر وہی اب شما و ما دیکھا
کہتے ہیں نیاز آپ کو اس شکل مری میں
یہ سچ ہے کہ نو پاک پہ یاں نام بھیا ہے

عالم جہاں غیر حق نہیں ہے سیر تباں میں بھی جلوہ حق دیکھو

اگر کوئی جانے جہاں غیرِ حق ہے
سو میں اس کو دھوکا گماں سے دیکھتا ہوں
یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عین حق ہے
کہ اک بحرِ ہستی رواں سے دیکھتا ہوں
کہاں غیر ہے اور کسے غیر بولوں
سوی اللہ کیدھر کہاں دیکھتا ہوں
جسے ذات بیرنگ و بیچوں کہیں ہیں
بہر رنگ جلوہ کناں دیکھتا ہوں

نیازؔ اب ہوا ناتوانی سے تو پیر

ولے عشق تیرا جواں دیکھتا ہوں

اگرچہ میں سیر بتاں دیکھتا ہوں

ولے جلوۂ حق عیاں دیکھتا ہوں

مقام "انسان" "انسان" عاشقِ مولا ہی کو کہتے ہیں وہی خلیفۃ اللہ ہے

خاک کے پتلے تے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور

جن و ملک کے اوپر کر رہا ہے اپنا زور

عشق کے میدان میں آ صورتِ "انسان" بنا

عاشقِ مولا ہوا چاند کا جیسے چکور

سینہ میں قلزم کو لے قطرہ کا قطرہ رہا

بل بے سمائی تری اُف اے سمندر کے چور

جب وہ ہوا جلوہ گر تختِ خلافت اوپر

عالم ملکوت کے اڑ گئے ہاتھوں کے مور

دل میں ہم اپنے نیاز رکھتے ہیں سو طرز ناز

سو جھے ہے یہ بھید اسے جن کی نہ ہو چشم کور

مقام دل "دل" "انسان" کے باطن کو کہتے ہیں۔ وہی عرش حق ہے اور جلوہ گاہ ذات ہے

دریائے دل سے اٹھتی ہے موج الوہیت

رہتی ہے جی میں شور انا اللہ کی سے اُمنگ

نہ مکیں ہے نے مکاں ہے نہ زمیں ہے نے زماں ہے
دلِ بے نوا نے میرے جہاں چھاونی ہے چھائی

جلوہ گاہ ذات بیں در منظرِ ایوان سے دل
عرش سلطان وجوب ایں کرسی امکانِ دل

نفیِ رسمِ غیریت کا مٹانا ہے اثبات بقاء لاموجود الا اللہ اور انا الحق کا پختہ یقین ہے۔

نیستی ہستی ہے یار اور ہستی کچھ نہیں
بے خودی مستی ہے یار اور مستی کچھ نہیں
کچھ نہیں سب کچھ ہے یار اور سب کچھ نہیں
غیر اس کے معنی رمزِ الستی کچھ نہیں

بنا نوڑ ہستی کے سے گنجِ وصل
بڑا گنج ہے زیرِ دیوار سے کے
گھر کو تو اپنی ہستی کے ویران کر بنا آز
ہستی سے حق کے پھر وہ رہیگا بسا ہوا
حباب کی طرح اپنے تئیں بنا کے توڑ
طریقِ حق میں یہی توڑ ہے خدا سے جوڑ
سوائے ہستیِ حق کے جو کچھ نظر آوے
یقین جانو کہ دیو خیال کی ہے کھوڑ

ملکِ خدا میں یار دآباد ہیں تو ہم ہیں
تعمیر دو جہاں کی بنیاد ہیں تو ہم ہیں سے

ہستی کے کاغذوں پر ہیں دستخط ہمارے

گر فرد ہیں تو ہم ہیں اور صاد ہیں تو ہم ہیں

عالم میں میری جلوہ نمائی کا ہر طرف

غوغا ہے غل ہے شور ہے اور دھوم دھام ہے

حاضر ہے بندگی میں ہماری تمام خلق

از عرش تا بہ فرش سب اپنا غلام ہے

من پاکباز عشقم ورقِ فنا چنیدہ آہوئے دشتِ ہویم از ماسوا رمیدہ

من نورِ ذاتِ حقم اے صاحبِ بصیرت

در صورتم اگرچہ از خاک آفریدہ

---

۴۴ (ب)

تجدد امثال

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مفہوم) کائنات کی ہستی صرف ایک لمحہ کے لیے ہے۔ اسی لیے صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ عالم ہر لحظہ معدوم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ فوراً نیا عالم وجود میں آجاتا ہے اور یہ سلسلہ اتنی تیزی کے ساتھ جاری ہے کہ تغیر کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی کو تصوف میں تجدد امثال کہا جاتا ہے۔ یہی لاانتہا ای فی تجلیات (اس کی تجلیوں میں تکرار نہیں یعنی کوئی نشان دوسری بار نمودار نہیں ہوتی) پس ثابت ہوا کہ ہستی کہ رو پلٹ کر پیچھے نہیں آتی آگے ہی بڑھتی

رہتی ہے۔

ے ہیچ انگور ے دگر غورہ نہ شد ۰ (۱۵۹) الصلاۃ اللہ۔ اس کی قدرت کتنی عظیم ہے !!

حضرت قبلہ شاہ نیاز بے نیازؒ فرماتے ہیں:۔

در ہر نظر بنمایدم طرز دگر حسن بتم ۔ ہر لحظہ بینم جلوۂ۔ ہر دم تماشائے دگر

نا رفتہ راہِ یک قدم طے مراحل کردہ ام ۔ نادادہ جائے خود ز دست آسودہ ام جائے دگر

در ہر شکست و ریختن مستحکمی شد حاصلم ۔ در ہر بر افتادن ز پا در یافتم پائے دگر

می کند با من دلم ہر لحظہ اظہار دگر ۔ از درونم می زند سر ہر دم اسرارے دگر

بلبل دستاں سرائے جانِ ما۔ در ہر نوا ۔ مید ہد مارا نشان از سیر گلزارے دگر

می نماید ہر زمانم محرم اسرارِ غیب ۔ یار من با طرز نو در رنگ گفتارے دگر

حسن دیگر می شود در ہر نگاہم جلوہ گر ۔ می کند ہر دم تماشائے رخ یارے دگر

کے شوم قانع بہر و ماہ ہر و بان جہاں ۔ چونکہ اینہا قطرہ اند از بحر ذخارے دگر

(۴۔ ج)

مقام وصل

شان تنزیہ و شان تشبیہ کی یکجائی صورت ناسوتی معنی لاہوتی

اے طالبان اے طالبان من باشما ہر جا ستم ۔ ہم جلوہ گر در دیدہا ہم مضمر دلہا ستم

ایں دوری و مہجوری شما ز دہم دپیہ از شما ست

در نسبت خود با شما دریا و موج آسا ستم

ثابت نزدِ من از ہمہ بے آنکہ اثباتم کنند | بے آنکہ استثنا کنند از جملہ مستثنا ستم

بر عکس رسم این جہاں در پردہ می باشم عیاں | چندانکہ بے پردہ شوم در پردۂ اخفا ستم

ہم صورت ناسوتیم ہم معنیِ لاہوتیم | پنہاں تر از پنہان و ہم پیدا تر از پیدا ستم

در جلوتِ فرق آمدم از خلوتِ جمع شیون | از انبساطِ نورِ خود بزمِ جہاں آرا ستم

ہر چند نبود غیر من در عالمِ نو و کہن | در ذاتِ بحتِ خویشتن بر رتبۂ علیا ستم

با حسنِ خود در باختم من نردِ عشق و عاشقی | ہم لیلی و مجنون منم ہم وامق و عذرا ستم

گہہ شیخم اندر خانقہ گہہ رندم اندر میکدہ | گہہ سبحہ و سجادہ ام گاہے مے و مینا ستم

ہم اول و آخر منم ہم ظاہر و باطن منم | ہم عالم و دنیا منم ہم نشاءِ عقبا ستم

گاہے نیاز ایمانِ من گہہ بے نیازی شانِ من
این ہر دو می زیبد بمن ہم بندہ ہم مولا ستم

بے چون و بے چگونم عنقائے قافِ قِدَم[۱] | بے شبہ بے نمونم عنقائے قافِ قدم

از وحدتم معرّیٰ وز کثرتم مبرّا | پاک از ہمہ شیونم 〃 〃 〃

بے رنگیست از رنگم زنگ ست عار و ننگم | دانی کہ من چگونم 〃 〃 〃

از خلق ما سوائیم وز امر ما ورائیم | برتر ز کاف و نونم 〃 〃 〃

بے نام و بے نشانم بے شرح و بے بیانم | از عقل بس برونم 〃 〃 〃

ہر چند در ظہورم نورِ ظلام و نورم! | در پردۂ کمونم 〃 〃 〃

۱؎ دراصل اس غزل میں زیادہ تر مقام احدیت کا بیان ہے۔ لیکن یہی شان وصل بھی ہے۔ جس کی وضاحت مقطع سے ہو رہی ہے صوفیانہ لٹریچر میں اس غزل کا جواب نہیں مل سکتا۔ کیا بہ لحاظ صنائع صوری کیا بہ لحاظ بلاغت معنوی یہ اشعار اپنا جواب آپ ہیں۔ ناچیز غنی۔

صد رحمہ صد ورم از دہم خلق دورم — خود باطن البطونم عنقائے قاف قدسم

ہر قبلہ ہست رویم ہر سجدہ ہست سویم — معبود عابد ونم " " "

سلطانِ بے نیازم گو صورتِ نیازم
نشنا سیم کہ چونم عنقائے قاف قدسم

۷—۴

نعرۂ انا الحق کیوں؟

گرانا الحق زنم بعید مدال
در حقم گفت حق کہ راز من ست[1]

اولیاء اللہ ہی "انسان" ہیں اور وہی خلیفۃ اللہ ہیں

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور...... الخ

نیازمندی و بے نیازی دونوں شانیں ہماری ہیں۔

گاہے نیاز ایاں من گہہ بے نیازی شان من — ایں ہر دمی زیبد بمن ہم بندہ ہم مولانم

گر حرف بے نیازی سرزد نیاز سے ہو — پتلے ہیں خاک کے ہے بیجا سے غرور تیرا

کہتے ہیں نیاز آپ کو اس شکل مری میں
یہ سچ ہے کہ تو پاک یہ یاں نام ہی نام ہے

---

[1] الانسان سری و انا سرہ : انسان مرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں....
تصوف میں انسان سے مراد ولی اللہ ہے۔

آنکہ بر درگہش نیاز من ست ‏ ‏ شہسوار سمند ناز من ست

ہماری صورت رزینۂ معنی ہے اور ہمارا مجاز حقیقت نما ہے۔

زینۂ معنیست صورت من ‏ ‏ خود حقیقت نما مجاز من ست

درمیان جہان کہنہ و نو ‏ ‏ جان محمود در ایاز من ست

حسن خود ہی عاشق ہے خود ہی معشوق

حسن خود عاشقست و خود معشوق

بر در ناز خود نیاز من ست!

ہم ہی سب کچھ ہیں ہم سے سب کچھ ہے

از ازل تا ابد بجسن قدیم ‏ ‏ دیدہ وا کردہ عشقباز من ست

از صفات منست فقر و غنا ‏ ‏ سوئے خود باز چشم آز من ست

آسمان بلند و پست زمین ‏ ‏ از نشیب من و فراز من ست

شمع روشن شدہ بنور دلم ‏ ‏ سوز پروانہ از گداز من ست

حسن خود عاشقست و خود معشوق

بر در ناز خود نیاز من ست

میں وہ کوئی ہوں جس کا خدائی ہی نام ہے ‏ ‏ کہتے ہیں جس کو حسن سو مجھ پر تمام ہے

عالم میں میری جلوہ نمائی کا ہر طرف

غوغا ہے غل ہے شور ہے اور دھوم دھام ہے

جس دل میں دیکھئے تو ہماری ہی چاہ ہے — جو آنکھ ہے سو تک رہی ہم کو مدام ہے
ہر سر کے بیچ اپنا ہی سودا ہے بھر رہا — اپنی تڑپ میں ریشہ و رگ ہر کدام ہے
دیکھا ہے جس نے حسن ہمارا بچشم دل — خوبان اس جہان سے کیا اسکو کام ہے
حاضر ہے بندگی میں ہماری تمام خلق — از عرش تا بفرش سب اپنا غلام ہے

رکھتا ہے ہم سے سر کوئی ناز و نیاز شیخ
پیر نیاز اپنا مدار المہام ہے

جو فانی اللہ باقی باللہ ہیں انکی کی منزل اسلام وکفر اور دنیا و عقبیٰ وغیرہ سے ماورا ہے

منزل ہماری پانے ہیں کب شیخ و برہمن — اسلام وکفر سے پرے اپنا مقام ہے

ادھر کی نہیں جانتے رسم و راہ
میاں ہم تو باشندے ہیں پار کے

دیر و حرم۔ کلیسا و کنشت ہر جگہ عشق سے کہ ہر جگہ موجود ہے یعنی عشق ان قیدوں کو توڑ دیتا ہے

دیر و حرم میں اور کلیسا کنشت میں — مقصد ہمارے نام کا دم ہر کدام ہے

میں عشق کی ملت میں ہوں اے شیخ و برہمن
جا عشق مرا سبحہ و زنار سے کہہ دو

فانی فی اللہ کا اسلام اور کفر

کافر ہوں جو میں اپنے تئیں جانوں کہیں ہوں
جو کچھ ہے سو تو ہے مرا اسلام یہی ہے۔

عشق حقیقی موتوا قبل ان تموتوا کا دوسرا نام ہے۔

پڑا ہو جس کو سرور کا عشق سے آ کر
وہ جیتے جی میاں اپنے تئیں موا جانے

سارا جہان مظہرِ حق ہے اسے غیرِ حق سمجھنا دھوکا ہے

اگر کوئی جانے جہاں غیرِ حق ہے!
سو میں اس کو دھوکا گماں دیکھتا ہوں

عاشقِ صادق کو صرف دیدارِ معشوقِ حقیقی چاہیئے وہی ہر نعمت سے بہتر نعمت ہے

بھاتا نہیں ہے واعظ جز دیدِ حق مجھے کچھ
تجھ کو رہے مبارک حور و قصور تیرا

جھکتا نہیں یہ دل طرف قبلۂ عالم
محرابِ خمِ ابروئے دلدار سے کہہ دو

مبارک ہے تجھ کو واعظ بہشت
میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے

بسا میری آنکھوں میں ہے تو اس قدر
کہ تجھ بن نظر کچھ نہ آیا مجھے!!

ہر حسین صورت میں حسنِ حقیقی کو دیکھو۔ ہر حسین شے اسی کا مظہر ہے، اگر صورت یا شے میں نظر نہ لگے

خوبانِ اس جہاں کا تماشا جو تو کرے ۔۔۔ آئینہ وار طلعتِ دلدار دیکھنا
نیرنگیوں سے یار کی حیران نہ ہو جیو ۔۔۔ ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا

دیکھا ہے جس نے حسن ہمارا بچشم دل ا
خوبانِ اس جہان سے کب اس کو کام ہے

اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں خود اپنے دل میں یار کا دیدار دیکھو۔

اے دل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا ۔۔۔ اپنے ہی بیچ یار کا دیدار دیکھنا

دھیان اپنے کو تے خاک نہ افلاک سے باندھے
عرفان اگر چاہے دلِ پاک سے باندھے

ہم اس سے ہرگز دور نہیں ہیں، بشرطیکہ عقیدہ پختہ وحدت الوجود پہ ہو۔

جب جی میں یہ سمائی کہ جو کچھ کہ ہے سو تو ہے
پھر دل سے دور کب ہو قرب و حضور تیرا

ہجر وصال سب دھوکا ہے — وجود دو نہیں صرف ایک ہے بانسری پردہ ہے آواز نے نواز کی ہے
مراد ایک ہی ہے۔ لوازم دوئی سے باہر نکلو

جبھی جا کے مکتبِ عشق میں سبق مقام فنا لیا ۔۔۔ جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا
من و تو اٹھے جہاں ہوں ہو سبب وہاں کہاں ہوں ۔۔۔ جو دوئی کے تھے لوازم سو رہائی ان سے پائی
یہاں میں رہا ہوں جب تو سخنِ نیاز لو لوں۔ ۔۔۔ سنو گے زبانِ نے سے وہی جو کہے گا نائی

فصل ۔۳۔ ھ

مقامِ حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہٗ

نگاہِ نیازؔ بے نیاز میں

یہ موضوع بہت وسیع ہے اور مابہ النزاع بھی۔

... یہاں ہم اپنے بیان کو صرف ان نکات تک محدود رکھتے ہیں جو آپؑ کے کلام میں موجود ہیں لہٰذا ان کی ایک مشہور غزل درج ذیل ہے جس کے مطالعے سے حضرت مولاؑ کے چند بلند مراتب و مناقب کی وضاحت ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں۔

زہے عز و جلالِ بوتراب فخرِ انسانے ۔۔۔ علیٔ مرتضیٰ مشکل کشائے شیرِ یزدانے
ولیِ حق وصیِ مصطفےٰ دریائے فیضانے ۔۔۔ امامِ ہر دو جہانے قبلۂ دینے و ایمانے
امیرِ کشورِ فقرے شہِ اقلیمِ عرفانے ۔۔۔ خدا گوئے نمی دانے خدا بینے خدا دانے
انیسِ محفلِ انسی جلیسِ مجلسِ قدسی ۔۔۔ سرورِ جانِ خاصانے نشاطِ روحِ پاکانے
مہِ ظلمت کشائے مشعلِ تاریکیِ عالم ۔۔۔ سراپا جلوۂ نورے تمامی مہرِ تابانے
براہِ حق نمائی تا نہائے کاروانش را ۔۔۔ نباشد جز ہدائے او کسے دیگر ہدیٰ خوانے
پیمبر بر سرِ منبر نشست و خواند مولائش ۔۔۔ کہ تا مولائیش را باشد اندر خلق برہانے
عجب نہ بود بہارِ بے خزاں باغِ محباں را ۔۔۔ کہ می بارد بر و بر ہر لحظہ ابرِ فیض و احسانے

نیازؔ اندر قیامت بے سر و ساماں نخواہی شد
کہ از حب و تولائے علیؑ داری تو سامانے

۴۔۹

شانِ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

نگاہِ نیاز میں

راہِ فقر و معرفت کے تمام سلسلے حضرت مولا علی علیہ السلام کے توسل سے حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتے ہیں سوائے ایک سلسلۂ نقشبندیہ کے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بطریقِ اویسیت متعلق ہے ورنہ حقیقتاً وہ بھی بواسطہ حضرت جنید بغدادیؒ حضرت علی مولا کرم اللہ تک پہنچتا ہے۔ [1]

حضرت قبلۂ عالم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی نہایت پُر زور منقبت لکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

امیر المومنین صدیقِ اکبرؓ	امام المسلمین صدیق اکبرؓ
رئیس العاشقین صدیق اکبر	انیس العارفین صدیق اکبرؓ
رفیقِ مصطفےٰ در غارِ تاریک	نبود ہ غیر ایں صدیق اکبرؓ
نثار ما حضر بر مصطفےٰ کرد	برائے کار دیں صدیق اکبرؓ

---

[1] حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کی نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے بطریقِ اویسیت ہے ورنہ یہ سلسلہ بھی بواسطہ حضرت جنید بغدادیؒ حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے دیکھو رسالہ الہیہ از حضرت یعقوب چرخیؒ ص ۱۸ و ۱۹ اور رسالہ قدسیہ از حضرت خواجہ نقشبندؒ ص ۴۴ بحوالہ نقد اقبال از حضرت میکش اکبرآبادی ص ۲۰۳

مبین اندر کمالات نبوت ۔ زامت بہترین صدیق اکبرؓ
نبیؐ را داد حق تسکین بمعراج ۔ بآواز ہمیں صدیق اکبرؓ
امام ہر کہ و مہ از صحابہؓ ۔ کہ شدائے دل جز ایں صدیق اکبرؓ
بہ اجماعِ صحابہؓ شد مقرر ۔ نبیؐ را جانشین صدیق اکبرؓ

نیازؔ از بہر آں مداحش آمد
کہ بودہ ست ایں چنیں صدیق اکبرؓ

۴ — ز

مناقب بزرگان دین

اسی طرح آپؓ نے بعض دیگر اکابر اولیائے کرامؒ کی شان میں پُر زور مسلسل منقبتیں لکھی ہیں ۔ مثلاً حضور غوث الاعظم محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الصمدانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی رضی اللہ عنہ سلطان الہند غریب نواز خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز سلطان جی محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز اور حسبنہ جسنہ اشعار حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں، حضرت مولانا گنج شکر اور دیگر بزرگان معرفت قدس اسراہم کی شان میں اردو ، ہندی اور فارسی کلام میں موجود ہیں ۔

پنجتن پاک اور اولاد رسول کے مناقب پر منظومات

تمام صوفیائے کرامؒ نگارشات حضرات پنجتن پاک علیہم السلام کی مدح و ستائش سے پر ہیں ۔ ان کے علاوہ خاندان رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کی مدح و ستائش کی بہترین مثالیں صوفیائے کرام

ہی نے قلم بند فرمائی ہیں بالخصوص حضور غوث الاعظم محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی رضی اللہ عنہ اور ان تمام مشائخ کرام کی جن کا شمار سادات میں ہوتا ہے ان سے کم درجہ پر دیگر صوفیائے کرام کی شان میں منقبتیں لکھی گئی ہیں۔

مدح و ستائش کی اس ترتیب مدارج سے حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ قدس سرہ العزیز کا کلام مستثنیٰ نہیں ہے۔ آپؒ خود سید علوی تھے لہذا آپؒ کا خاص رجحانِ مدح حضرات پنجتن پاک علیہم السلام کی جانب ہے۔

۴۔ ج

حضرت مولا علی علیہ السلام سے خصوصی عشق

آپؒ کو حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے خاص عشق ہے اور بارگاہ سے بھی ان پر بہ سلسلۂ کمالاتِ ولایت ہمیشہ فیضان کرم کی بارش رہی۔ اسی لیے وہ جابجا اپنے کلام بلاغت نظام میں حضرت مولا علیہ السلام کا ذکر مختلف انداز میں کرتے ہیں:۔ مثلاً:ؔ

ؔ ہیں دل و جان مرے شاہ نجف پر قربان ——— اے نیاز اس لیے ہیں میرے دل و جاں نازاں

〃 علی مرتضیٰ ختم المرسلؐ کے ——— نیاز ایسے ہیں جوں موسیٰ کے ہارون

〃 اے شاہ نجف ہوں میں نیاز آپ کے گھر کا ——— بگڑے مرے سب کام نہیں ان سنوارو

〃 مشکل جو نیاز آئے نہیں فکر ہیں در پیش ——— جا شاہ نجف حیدر کرار سے کہہ دو

〃 نیاز منزل مقصود کو وہی پہنچے ——— جو کوئی شاہِ نجف اپنا رہنما جانے

پر اک نیاز اپنے سے ہمراز ہے کہ وہ
شاہِ نجف امیر عرب کا غلام ہے

حضرت قبلہ قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز خلافت راشدہ خلفائے راشدینؓ ان کی ترتیب اور ان کے تمام فضائل و مناقب کو، جو حدیث و قرآن اور سنت نبویؐ سے ثابت ہیں بالکل حق سمجھتے تھے لیکن جیسا کہ پہلے مذکور ہوچکا ہے۔ انہیں عشق حضرت مولا مشکل کشا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے تھا۔ اس کے وجوہ پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں حضور قبلہؒ کی عظیم الشان منقبت دو صفحہ قبل مذکور ہے۔ ان حالات کے پیش نظر جو شخص آپؒ کو "تفضیلی" کہے وہ حقیقت سے نابلد یا متعصب ہے علم و عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ فیصلہ ناقابل تردید دلائل و شواہد کی روشنی میں کیا جائے۔

۴ - ط

آپ فرقہ پرست تنگ نظر مولویوں کے خود ساختہ اسلام سے بیزار تھے

حضرت شاہ صاحبؒ کو فرقہ پرستی سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ فرقہ پرستی کجا وہ تو اُس " اسلام کے بھی قائل نہ تھے جو تنگ نظر اور فرقہ پرست مولویوں کا تھا۔ کیونکہ ان کی توحید مشرکانہ تھی اور ان کا کلمۂ توحید، کلمۂ دوئی تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس لیے بھی ظاہر بین و مشرک مولویوں۔ زاہدوں، صوفیوں کسی کے ایمان، اسلام اور توحید کے قائل نہ تھے کہ وہ اپنی خودی غیر حقیقی کو قائم رکھ کر خدا کو صرف عالم غیب میں موجود مانتے تھے جو آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کے صریحاً خلاف ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ ہمیشہ شراب عشق حقیقی کے نشے میں مست و بے خود اور مشاہدۂ ذات میں مستغرق رہتے تھے یہی ان کا حقیقی اسلام

اور واحد مشرب تھا۔ اسی میں ڈوب کر وہ جملہ احکام شریعت اور فقہ حنفی کی تعمیل فرماتے تھے۔ ساری زندگی میں ان سے ہمارے علم و معلومات اور تحقیق کے بموجب کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوا۔ یہ بہت مشکل مقام ہے کہ ذات میں فنا ہو کر بندہ ہونے کے فرائض انجام دیے جائیں۔ یہ مقام رضا ہے اور عشق حقیقی اسی ادب کا متقاضی ہے۔ البا صرف "منتخب مردان حق" ہی کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز ایسے ہی "منتخب مرد حق" تھے۔ صدیاں گزر جائیں گی لیکن آپؒ کا جواب نہ ملے گا۔

جو اشخاص انہیں اور ان کے مشرب کو نہ سمجھ سکے وہ گمراہ رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے۔ لیکن عاشقینِ صادق اندھی مخلوق کی ہرزہ سرائیوں کی پروا نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ے عار کیوں ہو تجھے لوگوں کی ملامت سے نیازؔ
عاشقوں میں تو اکیلا ہی تو بدنام نہیں

اہلِ دنیا نے کسی اہلِ حق کو نہیں بخشا حضرت "نیاز بے نیاز" کس طرح مستثنیٰ رہ سکتے تھے۔

باب — ۲۲

تبحرِ علمی و تصانیف

فصل — ۱

فہرست

انبیائے کرامؑ اور اولیاء اللہ شعر و ادب کے فروغ کے لیے پیدا نہیں ہوتے۔ ان کا خاص الخاص فرض منصبی مخلوق کو اللہ کی طرف بلانا اور اس کے پسندیدہ راستہ پر چلنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس خاص مقصد کی حصول کے لیے بعض بعض اولیائے اکرام نے شعر و ادب اور تصنیف و تالیف سے بھی کام لیا اور نثر و نظم میں بیش بہا تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں جو نہ صرف ہماری دینی، روحانی اور اخلاقی زندگی کا بلکہ ہمارے علم و ادب اور تہذیب و معاشرت کا بھی مایۂ ناز تاریخی سرمایہ ہے۔

مسلمانوں میں اگر کچھ حرارت ایمانی اور غیرت قومی باقی ہے تو وہ اب بھی اپنے اس دینی و قومی سرمائے کو (جو دنیا کی دیگر غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں بلحاظ دین و روحانیت امتیازی حیثیت رکھتا ہے) طبع کر کے محفوظ کر لیں ورنہ ان کے اسلاف کی روحانی ترقیوں اور ممتاز دینی کارناموں کی صحیح تاریخ کبھی مرتب نہ ہو سکے گی اور دنیا یہ نہ جان سکے گی کہ برصغیر پاک و ہند میں کیسے کیسے عظیم المرتبت اولیاء اللہ

گزرے اور انہوں نے انسانیت و کردار انسانی کی تعمیر و ترقی میں کیسی کیسی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ یہ نہ بھولئے کہ "انسانیت" کی تکمیل محض مادّی ترقیوں سے نہیں ہوتی نہ ان سے پاکیزہ اوصاف انسانی مثلاً محبت۔ ہمدردی، عدل و انصاف، غربا پروری۔ نیک نیتی۔ نیک کرداری۔ بزرگوں کا ادب۔ خوردوں سے شفقت۔ محنت۔ مشقت۔ خوف خدا۔ خوف عاقبت۔ محسن انسانیت سے عشق ان کا ادب و احترام۔ ذوق و شوق عبادت۔ قومی خود داری۔ غیرت ملی۔ شرم و حیا۔ شجاعت وغیرہ) فروغ پا سکتے ہیں۔ یہ صرف اسلام کا امتیازی کارنامہ ہے کہ اس نے عالم انسانیت کو مادّی۔ اخلاقی، علمی۔ دینی و روحانی ترقیوں کا ایک متوازن لائحہ عمل عطا فرمایا ہے اور اولیائے کرام کی جماعت ہی وہ واحد جماعت ہے۔ جس نے معیاری اسلامی روحانی ترقیوں کے سیدھے راستے پر طالبان حق کو چلا کر انہیں اللہ تک پہنچایا ہے انہوں نے صحیح ترقی کا رخ متعین کیا اور اللہ کے طالبوں کو اللہ ہی کے مقرر کردہ راستہ پر چلایا ہے انہوں نے مادی ترقیوں سے کبھی نہیں روکا۔ صرف اسے متوازن بنایا ہے بلکہ جس زمانہ میں جس افراط و تفریط نے توازن اسلامی کو نقصان پہنچایا اس کے خلاف صوفیائے کرام نے اس وقت خصوصی جد و جہد کی ہے تاہم اپنے خاص فرض منصبی کو مثبت کوششوں کو دیگر تمام مساعی پر ہمیشہ غالب رکھا ہے۔

جہاں تک قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز حضرت شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز کا تعلق ہے ہم زیر نظر تذکرہ کے گزشتہ ابواب میں آپؒ کی دینی و روحانی خدمت اور آپ کی شاعرانہ حیثیت پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں زیر نظر باب میں ہم آپؒ کی تصانیف پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالیں گے۔

تاریخ مشائخ چشت (از پروفیسر خلیق نظامی علیگ) میں حضرت شاہ صاحبؒ کی حسب ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں: (۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر

شمس العین شریف

رسالہ راز و نیاز

تحفۂ نیازیہ بحضرت بے نیاز

رسالہ تسمیۃ المراتب

مجموعۂ قصائد عربیہ

حاشیہ شرح چغمینی

پروفیسر صاحب موصوف عنوان "تبحر علمی اور تصانیف" کے تحت لکھتے ہیں کہ۔

"شاہ نیاز احمد صاحب بڑے جیّد عالم تھے۔ ان کی تصانیف ان کی علمیت کی شاہد ہیں۔ حضرت عزیز میاں صاحب خاکسار مصنف کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ـــــ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں"

[۱]...... (اس کے بعد وہ نام عطا فرمائے جو اوپر درج ہیں۔ لیکن مجھے (ناچیز یعنی مصنف تذکرہ ہذا کو) خانقاہ نیازیہ بریلی کی حاضری (سالانہ عرس نیازیہ ۱۹۶۹ء) کے دوران، موجودہ سجادہ نشین صاحب یعنی حضرت قبلہ حسن میاں صاحب مدظلہ العالی نے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ حضرت نیاز

حاشیہ صفحہ سابقہ) [۱] کتاب مذکورہ ۱۷۵۔ واضح رہے کہ مندرجہ بالا فہرست پروفیسر صاحب کو خود حضرت عزیز میاں صاحب قدس سرہ العزیز نے ان کی درخواست پر ارسال فرمائی تھی۔

[۱] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۱۷۵

رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد قلمی مسودات[۱] کتب و رسائل کی زیارت کا شرف عطا فرمایا۔ جن کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ خاندان نیازیہ کے دو مایۂ ناز فرزند (مکرمی جناب محمود نیازی صاحب ایم اے خلف الرشید حضرت قبلہ محبوب میاں[۲] صاحب مدظلہ؛ اور مکرمی جناب ڈاکٹر مسعود نظامی صاحب ایم اے علیگ فرزند ارجمند حضرت قبلہ بچے میاں[۲] صاحب مدظلہ) اس ضمن میں بہت کچھ تحریر فرما چکے ہیں آخر الذکر کے چند مضامین بعض ہندوستانی اخبارات و رسائل میں شائع بھی ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ مجھے ان کی کاپیاں نہ مل سکیں البتہ موصوف کی ایک قلمی بیاض سے مجھے ضروری یادداشتیں نقل کر لینے کی اجازت مل گئی اسی سے میں نے استفادہ کیا اور اسی سے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں چنانچہ تصانیف کے سلسلہ میں موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی تصانیف کی ایک طویل فہرست ہے۔ لیکن مجھے ابھی تک صرف چودہ ۱۴ کے نام دستیاب ہو سکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اپنے طلبہ کو ان کی حسب استعداد مختلف مضامین پر رسالے املا کرا دیتے تھے اور چونکہ وہ رسائل انہی حضرات کی تربیت سے متعلق ہوتے تھے۔ اس لیے وہ ان رسائل کو اپنے ہمراہ دور دراز ممالک میں لے جاتے تھے چنانچہ

---

[۱] حضرت اقدس شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز بہت اعلیٰ درجہ کے خطاط بھی تھے مذکورہ مسودات خود ان کے دست مبارک کے تحریر کردہ ہیں خط اس قدر خوبصورت ہے جیسے موتی جڑے ہوں بس دیکھتے رہیئے۔ سیری نہیں ہوتی۔ [۲] و [۲] برادران گرامی حضرت امام السالکین شاہ عزیز میاں صاحب قدس سرہ العزیز۔

حضرت شاہ آل رسول صاحب[۱] رحمۃ اللہ علیہ کو املا کرایا ہوا منطق پر ایک رسالہ ان کے کتب خانہ میں موجود ہے حضرت شاہ صاحب نے حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ سے منتہی کتب کی تکمیل کی تھی چنانچہ انہیں (یعنی شاہ آل رسول صاحب) کو منطق کے جن مسائل میں اشکال تھا ان مسائل پر حضرت نیاز بے نیاز نے ایک رسالہ املا کرایا تھا" مؤلف ناز و نیاز فرماتے ہیں:۔

"اب تک کتب خانہ مارہرہ میں سنتا ہوں موجود ہے۔"[۲]

"قلمی بیاض مسعودی" میں تصانیف کی یہ فہرست مندرج ہے:۔

۱۔ شمس العین
۲۔ نور العین
۳۔ مجموعہ قصائد عربیہ
۴۔ شرح قصائد عربیہ
۵۔ دیوان نیاز
۶۔ رسالہ راز و نیاز
۷۔ تحفہ نیاز بحضرت نیاز
۸۔ حاشیہ ملا جلال
۹۔ حاشیہ شرح چغمنی
۱۰۔ رسالہ تسمیۃ المراتب
۱۱۔ رسالہ منطق
۱۲۔ بیاض
۱۳۔ ملفوظات نیاز رح
۱۴۔ مجموعہ مکتوبات (مولفہ مولوی محمد مہدی صاحب نظامی بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ

(فصل ۲)

اہم تصانیف کی وضاحت

ناچیز مصنف تذکرہ ہذا (خادم الفقراء محمد عبد الغنی عفی عنہ نیازی نظامی مرتضوی آغائی رح)

۱؎ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ۔

۲؎ ناز و نیاز حصہ اول صفحہ ۱۔

نے ان میں سے جن تصانیف سے متعلق کچھ الٹی سیدھی وضاحت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے ان کی ترتیب حسب ذیل ہے :

۱۔ دیوان شاہ نیاز بے نیاز

اس کے متعلق گزشتہ اوراق میں بہت کافی تحریر کر چکا ہوں ۔

۲۔ شمس العین شریف

۳۔ رسالہ راز و نیاز

۴۔ دیگر کتب و رسائل قلمی

انھیں نہ عام کرنے کی اجازت ہے نہ ان کے متعلق کچھ لکھنے کی

۵۔ ان کے علاوہ حضرت اقدس خاص خاص عنوانات پر جو مختصر رسائل یا مضامین لکھوا دیا کرتے تھے ان کا حصول اب ناممکن ہے ۔ اس ناچیز (مصنف تذکرۂ ہذا) کو کوشش بسیار کے بعد چند مضامین حاصل ہوئے لیکن نقل در نقل ہونے کے باعث ان میں اغلاط کی کثرت ہے لہذا وہ ساقط الاعتبار ہیں کسی مستند ذریعہ سے جب تک تصدیق و تصحیح نہ ہو جائے ان کا ذکر بیکار ہے ۔

حضرت شاہ نیاز بے نیاز ایک عظیم منارۂ عرفان و ولایت ہونے کے علاوہ جیّد عالم دین بھی تھے ۔

نیز حضرت اقدس کی دیگر تصانیف عربیہ (بالخصوص قصائد عربیہ شرح قصائد عربیہ اور حاشیہ شرح چغمنی) وغیرہ جیسی عالمانہ کتب اس امر کا بھی ثبوت ہیں کہ حضور شاہ نیاز بریلوی عربی زبان و ادب کے زبردست فاضل تھے ۔

۴۔ تحفۂ نیاز بحضرت بے نیاز

اس کا موضوع بھی تصوف اور زبان فارسی ہے

۵۔ حاشیہ شرح ملا جلال

اس کی زبان عربی ہے۔ حضرت مولوی محمد خائفؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

شرح ملا جلال وغیرہ پر آپ نے حواشی آپؒ کے فاضل ہونے کی دلیل ہیں [۱]

۶۔ حاشیہ شرح چغمنی

ایضاً۔ ایضاً

۷۔ رسالہ تسمیہ المراتب [۲]

۸۔ رسالہ منطق

اس رسالہ کا ذکر اس سے قبل بھی آچکا ہے یہ رسالہ حضرت شاہ آلِ رسول صاحب مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے املا کرایا گیا تھا [۳]

۹۔ بیاض

اس کی زبان فارسی ہے۔ مؤلف کرامات نظامیہ نے اس بیاض کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس میں حضرت شاہ شاہانِ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی تاریخ وصال اور حضرت مولانا صاحبؒ کے اشعار دہلی میں قیام اوران

---

[۱] کرامات نظامیہ ص۱۲ [۲] — رسالۂ مذکور کا ذکر حضرت امام السالکین شاہ عزیز میاں صاحبؒ کے مکتوب گرامی میں بھی موجود ہے جو انہوں نے مصنف مشائخ چشت کو لکھا تھا۔

ان کا سنہ رحلت تک درج ہے [1]

۱۰۔ ملفوظات نیاز بے نیاز [2]

اس کے متعلق میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ایک بار دیوان نیازؔ کے مختلف ایڈیشن دیکھ رہا تھا اسی دوران میں حبیب گنج کے ذخیرۂ کتب [3] میں مجھے دیوان نیازؔ کا ایک مطبوعہ نسخہ ملا جس کے ابتدائی صفحات پھٹے ہوئے تھے مالک دیوان نے دوسرے سادہ اوراق لگا کر ان صفحات کی غزلیں اپنے قلم سے نقل کردی ہیں۔ صفحۂ اول پر اسی قلم سے یہ عبارت منقول ہے "تاریخ وفات ایں بزرگان از ملفوظات شاہ نیاز احمدؒ قدس سرہٗ" ——— اس عنوان کے تحت گیارہ حضرات کی تاریخہائے وفات درج ہیں سب سے آخری تاریخ ہے حضرت حکیم الٰہی حاجی محمد رحمۃ اللہ علیہ کہ پدر بزرگوار ایں فقیر بودہ ۵ ر جمادی الاول" اس عبارت کے بعد یہ عبارت ہے "محبت و عشق ایسی چیزیں ہیں جو ماسوائے محبوب کو دل میں رہنے نہیں دیتیں۔

العشق نار اذا وقع فی القلب یحرق ماسوی المحبوب (یعنی عشق اک آگ ہے، جب وہ دل میں لگ جاتی ہے تو ماسوائے محبوب کو جلا ڈالتی ہے) لہٰذا محبت کونین اور محبت حق یکجا جمع نہیں ہوتیں۔ محبت کا مسکن دل ہے اور دل متعدد نہیں ہیں۔ ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ (اللہ تعالےٰ نے انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے) اگر

---

[1] کرامات نظامیہ صہ ۲۳۲۔ [2] یہ اقتباسات مجھے گوہر میاں صاحب کی بیاض سے دستیاب ہوئے ہیں۔ بیاض ۳۳ ۔ مراد مسعود صاحب عرف گوہر میاں۔

[3] نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی حبیب گنج۔ علی گڑھ کا ذاتی کتب خانہ

انسان کے پہلو میں دو دل ہوتے تو وہ دو کی محبت برداشت کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے۔

لہٰذا تم محبت ذات اختیار کرو۔ ماسوائے اللہ سے عشق (کرنا) یعنی دنیا کی فانی و حقیر چیزوں کی محبت سے بجز جہالت کچھ حاصل نہ ہوگا اور حق تبارک و تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ اس کی معرفت و آشنائی حاصل ہوگی۔

ع عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

بلاشبہ اللہ تعالیٰ رہروان محبت کے اجر کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ اور گمان غالب ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کے عرفان کا دروازہ کھل کر رہے گا فان من دق باب ولج فیہ من قرع الباب یوشک ان یفتح لہ۔ بے شک جس شخص نے دروازہ دھڑ دھڑایا وہ (آخرش) اس میں داخل ہو گیا۔ اور جس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ممکن ہے کہ کھل جائے۔ اہلِ کرم کی سرکار کا یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی سوال کرنے والے کو اپنے پاس سے محروم نہ جانے دیں کہاں یہ کہ ذات حق سبحانہ و تعالیٰ جو اکرم الاکرمین و اجود الاجودین ہے۔

اے عزیز اگر تمہیں دنیا میں دولت و ثروت اور آخرت میں جنت حاصل ہوگی اور عرفان حق تعالیٰ میسر نہیں آیا تو حیف و صد حیف ہے اور ان دونوں کے حاصل ہوئے بغیر عرفان حاصل ہو گیا تو سبحان اللہ و صلی اللہ اشیائے فانی و ناقص کے عشق کا خیال بھی ہرگز دل میں نہ لاتا اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ محبت صادق تشکیک ہو جائے (اس کے برعکس) ناقص اشیاء کی محبت میں کثرت کا امکان ہے لیکن محض بے فائدہ ہے اور

لاحاصل۔ صادق وکامل کی محبت سے شاید مقصود حاصل ہوگا اور یہی ایک مقصود کافی ہے اللہ بس باقی ہوس۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

رسمی علما۔ اشیا کی مادی حقیقت و ماہیت کے علم کو حکمت کہتے ہیں اور خود کو "حکیم"۔ اور اشیائے علمی ماہیۃ علیہ کا علم سمجھتے ہیں حالانکہ علم صادق کی خوشبو بھی ان کی ناک تک نہیں پہنچی ہے اس لیے کہ یہ لوگ حکمت نظری کے عالم ہیں اور علم صادق بغیر کشف و شہود کے حاصل نہیں ہوتا یہ طریقہ عقل و برہان کے طریقہ سے ماوریٰ ہے اور بغیر کشف وجدان کے اس کی معرفت ناممکن ہے جو بھی مراتب مشہود طے کرے وہ اشیا کی ماہیت کے علم سے واقف ہو سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے کہ وہ بذاتِ خود کیا ہیں اور ان کے احوال کیا ہیں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے علم ظاہر کی تکمیل کے بعد فرمایا ؎

؎ علم رسمی سر بسر قیل ست و قال
نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

اور یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے بر

؎ علم فقہ است تفسیر و حدیث
ہر کہ خواہد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

علامہ فخرالدین رازی نے کہا:۔(پڑھا نہیں گیا)

علامہ ابن حاجبؒ نے کہا:۔

؎ صرفت العمر فی صرف العلوم!
خمار بحث بل از ہمومی

اور مولوی بہاؤالدین آملی نے کہا ہے :۔

؎ علم نبود غیر علم عاشقی
مابقی تلبیس ابلیس شقی

حکایت: میں نے سُنا ہے کہ امام الحرمین ایک مرتبہ علمائے معتبر کے درمیان تشریف فرما تھے انہوں نے شیخ بوعلی سینا سے سوال کیا کہ العلماء ورثۃ الانبیاء کس کے حق میں ہے ؟ شیخ نے جواب دیا کہ ایسا عالم نہ تو میں ہوں اور نہ تو۔ ایسے عالم محمد بن اسلم ہیں (آپ اس دور کے عارف یگانہ تھے) اے عزیز اسی سے سمجھ لے کہ حدیث علما امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ کس طبقہ کے حق میں ہے۔

؎ گر بمنطق کسے ولی بودے
شیخ سینا ولی بوعلی بودے

وہ ہمیشہ اپنے طالب کو یہی مشورہ دیتے کہ قطرہ قطرہ نہر شود واز نہر بحر اے۔ عزیز دولت عظمیٰ ریاضت کی اُجرت پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ تو محض فضل ہے اس لیے کہ ہماری ریاضت کی اس دولت عظمیٰ سے کیا نسبت ؟ کہ اس کے بدلہ میں حاصل کی جا سکے لیکن پھر بھی غالباً ریاضت و مجاہدہ اس (دولت عظمیٰ) کے حصول کی شرط ہے لیکن وہ بھی بغیر فضل الہٰی میسر نہیں آتی اور اس کا کمال فضل یہ ہے کہ انسان کا قدم ریاضت میں جمارہے۔

اکثر بزرگان سلف نے جو کثرت مجاہدہ کے بعد ان مراتب تک پہنچے ہیں۔ اپنے احوال و کیفیات سے مطلع فرمایا ہے چنانچہ ان میں سے کچھ تو ساٹھ سال کی مدت میں مطلب تک پہنچے ہیں۔

؎ اوحدی شصت[۶۰] سال سختی دید تا شبے روئے نیک بختی دید

اور بعض حضرات پچاس سال میں اس حال کو پہنچے ہیں۔ ؎

سِرّ اسرار حقیقت نشود حل بہ سوال
نے بسر دادن و در باختن حشمت و مال
تا دیدہ و دل خوں نہ کنی پنجہ سال
ہرگز نہ دہند راہت از قال بہ حال

اور کچھ حضرات نے ادنیٰ سے مجاہدہ و مشاہدہ کے بعد مقصود کو پالیا ہے، اور بعض محض فیض و عطا کی بدولت عرفان تک پہنچ گئے ہیں۔

غفلت و خواب میں، بجز حرمانی و نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہے عمر رفتہ پھر واپس نہیں آئے گی شجر چند روزہ کے حساب سے بہرہ یاب ہو لے اور سایہ کی طرح اپنے اصل کی طرف دوڑنا اور پیروی کا علم سایہ سے سیکھ۔ جس طرح سایہ اپنی تمام حرکات و سکنات میں اصل کے تابع ہوتا ہے اسی طرح تجھے ہر ارادت و عبادت میں اپنی اصل کے تابع ہونا چاہیئے۔ تاکہ کبھی تیرا ارادہ و خواہش تیری اصل کے ارادہ و خواہش کے مخالف نہ ہو بلکہ اس کی کوشش کر کہ اصلاً و مطلقاً تجھ میں خواہش و ارادہ باقی نہ رہے اس لیے کہ تمام معاملات میں اصل ہی کفیل و وکیل ہوتی ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۔ بلکہ اس حد تک سن لے کر درمیان سے تیرا وجود بالکل ہی غائب ہو جائے۔ نہ تیرا نام باقی رہے نہ نشان۔ نہ حکایت باقی رہے نہ بیان۔ اگر اس وقت خود کو تلاش کرے گا تو اپنی اصل کو پائے گا۔ اس وقت تو خود نہ ہو گا بلکہ وہ خود تو ہو جائے گا۔

صبح کے وقت مقیاس (دھوپ گھڑی) کا سایہ انتہائی طویل ہوتا ہے

اور جوں جوں آفتاب عالمتاب بلند ہوتا جاتا ہے سایۂ مذکور رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے اور جس وقت آفتاب نصف النہار میں پہنچ کر مقیاس کے اوپر ہوتا ہے سایہ ناپید ہو جاتا ہے اور پھر جب آفتاب زوال کی طرف آتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ طول و استداد قبول کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ غروب آفتاب کے وقت سایہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ آتا ہے۔ یہی سالک کی کیفیات ہیں۔

۱۱۔ نور العین

یہ رسالہ بھی شمس العین کی طرح اجمالی شرح۔ صرف چھ سات ورق پر مشتمل ہے نواب مولوی محمد خان صاحب شہ. والی رئیس ...... نے راقم (مسعود نظامی صاحب) سے فرمایا تھا کہ اس کا ایک نسخہ حضرت موصوف کے پاس بھی محفوظ ہے۔

۱۲۔ مجموعہ قصائد عربیہ:

اس مجموعہ میں تین خمسے ہیں۔ پہلا نسخہ پنجتن پاکؑ کی شان میں ہے اس میں اکیس[۲۱] بند ہیں دوسرا خمسہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ہے اس میں بتیس[۳۲] بند ہیں بندوں کی ترتیب بلحاظ حروف تہجی ہے۔ یہ خمسہ حضرتؒ اقدس کے نبیرۂ و جانشین حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمہ کے ساتھ حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ حضرت ملا محمدی شاہؒ نیازی نظامی کے اہتمام سے شائع ہو چکا ہے [۱]

---

[۱] اس کی ایک کاپی اس فقیر (مصنف تذکرہ ہذا) کو حضرت قبلہ الحاج محبوب میاں صاحب مدظلہ العالی نے عنایت فرمائی ہے جو حضرت قبلہ حسن میاں صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ بریلی کی اجازت سے شامل وظیفہ خاص کرالیا گیا ہے۔

ان خمسوں کے علاوہ ایک اور خمسہ راقم کی نظر سے گزرا ہے اس میں تو بندیں اس کے تین مصرعے فارسی کے اور دو مصرعے عربی کے ہیں۔

۱۳۔ شرح قصائد عربیہ

اس شرح میں حضرت نے اپنے عربی قصائد کی تشریح فارسی زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ اس کی زبان شمس العلین کی طرح عربی آمیز فارسی ہے اکثر وبیشتر آیات قرآنی، احادیث۔ اور عقائد سے متعلق صوفیہ متقدمینؒ کے عربی جملے بے تکلف نقل کرتے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے زبان عام فہم نہیں ہے۔

۱۴۔ مجموعۂ مکتوبات (مؤلفہ مولوی محمد مہدی صاحب نظامی بجرالوی):۔

ظاہر ہے کہ بزرگان دین کے مکتوبات، حقیقت و معرفت کے گنجینے ہوتے ہیں۔ اوران سے بعض اہم وقتی حالات ملک یا کوائف معاشرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ بے حد اہم ہوگا۔ کاش ناچیز مصنف تذکرہ ہذا اس کے کچھ اقتباسات اس تذکرہ میں شامل کرسکتا لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک ان کا حصول ممکن نہ ہوسکا اگر طباعت تک کامیابی نصیب ہوگئی تو فبہا۔ ورنہ مجبوری ہے۔ (ناچیز مصنّف تذکرہ ہذا)

باب ۲۳

آپ کی تعلیمات و تربیت رُوحانی

فصل (۱) اعلیٰ ترین خدمات انسانی

حضور قبلہ قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز کی تعلیمات پر بصیرت افروز روشنی ڈالنا مجھ جیسے کور بصر، ہیچمداں شخص کا کام نہیں ہے۔ تاہم اُن ہی کے کرم و فضل اور روحانی استمداد کے سہارے ہر مشکل حل ہو گی اور انشاء اللہ کتاب کا یہ باب بھی گذشتہ تمام ابواب کیطرح جیسا وہ چاہیں گے لکھوا لیں گے۔

اولیاء اللہ کی تعلیمات ان کے نصب العین سے جدا نہیں ہو سکتیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ ان کا خاص الخاص فریضہ یہ ہے کہ

(۱) وہ تمام انسانی برادری کو خدا اور رسول کی طرف محبت و اخوت اور خلوص و اخلاص کے جذبات کے ساتھ بلائیں اور ان کے اندر چھپے ہوئے ایمانی و انسانی قدروں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

(۲) جہاں تک برادرانِ اسلام کا تعلق ہے۔ اولیائے کرام و مشائخ عظام کا یہ خاص فریضہ ہے کہ وہ انھیں خدا اور رسول کے عشق میں مستغرق رکھیں تاکہ ان پر دنیوی لعنتوں کا غلبہ نہ ہونے پائے اور وہ عملاً خدا اور رسول کے لئے زندہ رہیں اور ان ہی کی راہ میں انھیں موت آئے۔

چنانچہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے اپنے مشائخ کرامؒ کے ایسے فرائض کو بطورِ احسن پیدا کیا۔ آپؒ بیک وقت دینی۔ روحانی۔ اخلاقی اور "انسانی" پیشوا تھے۔ "انسانی پیشوا" ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ مسلم و غیر مسلم سب کے محبت۔ امن۔ حسنِ اخلاق اور اتحاد کے داعی تھے۔

اِن میں سے کسی بھی شق کو ملکی سیاست اور معیشت و معاشرت سے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا بالواسطہ طور پر آپ کی تعلیمات۔ اصلاحِ سیاست و حکومت اور بہتری معیشت و معاشرت کے لئے بھی ممد و معاون ہیں گو براہِ راست آپ کو ان شعبوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

آپؒ کی تعلیمات بحرِ ذخار کا درجہ رکھتی ہیں جس کا کچھ معمولی سا اندازہ ناظرین کو ان بیانات سے ہو چکا ہو گا جو مدرسہ اور خانقاہ نیازیہؒ کی خدمات کے ضمن میں گذشتہ ابواب ر میں مذکور ہیں یا آپ کی تصانیف کے تحت باب نمبر ۲۲ میں بیان ہوئی ہیں۔ خاص کر شمس العین شریف۔ رسالہ راز و نیاز اور دیوان شریف ایسی تصانیف ہیں جن کی سیر سمندر کی سیر ہے۔ جتنا کوئی ڈوبے اتنا کوئی سمجھ سکے گا۔ تہہ تک پہنچنا اور گوہر ہائے آبدار سے دامن بھرنا۔ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ ان کا کرم جس کی دستگیری فرمائے اور خضر فرمائے اُنہی ہی کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔ مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ آپؒ کی اور بھی متعدد تصانیف ہیں جن کا ذکر پہلے کسی باب میں کیا گیا ہے لیکن یہ تمام تصانیف قلمی اور غیر مطبوعہ ہیں۔ صرف دیوان شریف۔ دیوانِ نیازؒ کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے اور اس پر متعدد حضرات نے مضامین بھی لکھے ہیں۔ دیوان مذکور بذاتِ خود بحر ناپیدا کنار ہے کوئی لاکھ کوشش کرے نتیجہ دریا کو ایک کوزے میں بھرنے کی کوشش ہی رہے گی لیکن چونکہ آپؒ کا مجموعۂ کلام "تعلیماتِ نیازیہؒ" کا خزانہ ہے کوئی تذکرہ نگار اس سے

صرفِ نظر نہیں کر سکتا چنانچہ ناچیز مولف تذکرہ ہٰذا نے بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے۔

آپؒ تمام عمر اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے اپنے دینی و ملکی بھائیوں کے ان تمام نقائص دینی و اخلاقی کو دُور کرنے کی اَن تھک کوشش فرماتے رہے

لیکن آپؒ کی کوششوں کا اہم ترین حصّہ اُس مخصوص تعلیم و تربیت پر مشتمل ہے جسے "روحانی" کہتے ہیں اور جس کا ثمرہ "وصل الی اللہ" ہے۔ تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح وغیرہ اس کی مختلف شقیں اور ذکر شغل و اشغال اور مراقبات وغیرہ اس کے ذرائع ہیں انھی امور کے لیے خانقاہی ماحول اور مرشد کی صحبت، خدمت و اطاعت اور اس کی خاص توجہ کا ہونا لازمی ہے۔ آپؒ نے یہ تمام امور و عوامل بصورت احسن مہیا فرمائے۔ اس کے آگے وابستگان سلسلہ کے فرائض کی حدیں شروع ہوتی ہیں اور ثمرات کا حصول ان کی محنت پر منحصر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ فضلِ خدا بھی شاملِ حال رہے۔

چنانچہ طالبانِ حق ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں حاضرِ خدمت ہو ہو کر آپؒ کی تعلیم و تربیت سے مستفید اور فیضِ صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ ان ہی میں ہزارہا ایسے طالبانِ حق بھی تھے جو دور و دراز ممالک اور خود برِّصغیر کے مختلف شہروں سے آئے۔ برسوں خانقاہی روٹیاں کھائیں پوری طرح اپنے مرشدؒ کی اطاعت کی، ان کی غلامی کو شاہی سے زیادہ سمجھا۔ روزہ دار و شب بیدار رہے۔ طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔ دن کا آرام اور راتوں کی نیند محنت و مجاہدات پر قربان کر کے ایسے نکھرے اور چمکے جیسے سونا آگ میں تپ تپا کر نکھرتا اور چمکتا ہے۔ یہ وہ حضرات تھے جنھیں حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا اور پھر ان حضرات نے اپنے اپنے ملکوں میں خانقاہیں قائم کیں اور ان کے گوشے

گوشے کو تعلیماتِ نیازیہؒ کے فیوض و برکات سے منور کیا اور ہر جگہ اپنے مرشد گرامی منزلتؒ اور ان کے سلسلۂ عالیہ کے نام کو روشن فرمایا۔ آپ کے چند خلفاء کرام کی فہرست باب نمبر ۳۶ فصل ۲ پر دی گئی ہے۔ دیگر خلفاء کا ریکارڈ محفوظ نہیں رہ سکا البتہ خاندانِ نیازیہؒ میں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کی تعداد معلومہ تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ عقل بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ جس برگزیدہ ہستی کے مریدوں کی تعداد دس بارہ لاکھ ہو اس کے خلفاء سو دو سو تو یقیناً ہونے چاہئیں بالخصوص اُس زمانے میں جبکہ مرکزی شخصیت اپنی خانقاہ میں بیٹھے بیٹھے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے لاتعداد وابستگان سلسلہ پر پورا کنٹرول رکھتی تھی اور توسیع سلسلہ کا مؤثر روحانی نظام زیادہ تر خلفاء کے ذریعہ ہی کامیاب تھا۔

حضور شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی تعلیم و تربیت اتنی یکسانی اور جامع تھی کہ عام مریدین بھی خاص مریدین کی طرح نکھر جاتے اور اپنے نمونوں سے اپنے شیخ روحانی اور تربیتِ خانقاہی کے مبلغ بن جاتے تھے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سلسلۂ نیازیہؒ میں خلافتِ حقہ و اجازتِ توسیعِ سلسلہ کا معیار قدرے سخت تھا لیکن نگاہِ فیض آثار کے فیوض و برکات سے سب ہی مریدین نوازے جاتے تھے۔ کوئی بھی اس دریائے کرم کی سیرابی سے محروم نہیں رہتا تھا۔ اپنا اپنا حصہ بقدر ظرف ہر مرید پاتا تھا۔ آج بھی مزار اقدس اور حضورؒ کی تصانیف و اہلِ خاندان سے فیوض و برکات کا سلسلہ جاری ہے۔

حشر تک ساقی ترا آباد میخانہ رہے۔

فصل ۲

توحید حقیقی

فصل (۱) میں حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ کی تعلیمات سے متعلق بحیثیت مجموعی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ لیکن اس فصل میں آپؒ کی تعلیمات کے خاص الخاص حصہ توحید حقیقی پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ بنیادی نکتے یا بعض مخصوص پہلو ذہن نشین ہو سکیں۔

(الف) سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ ہستی حقیقی، صرف ایک ہے۔ اور وہ حق سبحانہٗ کا وجود ہے۔ وہی اس کی ذات ہے۔ وہی موجود حقیقی ہے۔ یعنی۔۔ "مابہ الموجودیت حقیقی"، ہونے کا اطلاق صرف حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ہستی حقیقی پر کیا جائیگا۔ وہی اوّل و آخر ہے وہی ظاہر و باطن۔ بموجب القرآن: ھو الاولُ والاٰخرُ والباطنُ والظاھرُ

(ب) عالم کثرت:۔

"عالم کثرت" اسی ہستی واحد کے اسماء صفات اور افعال و آثار کا ظہور ہے۔ جو نہ وجود حقیقی کا غیر ہیں۔ نہ اس سے علیحدہ بذات خود قائم ہے وہی جو الباطن ہے، الظاہر فی المظاہر ہے۔ اگر ہوالباطن ہی مع اسماء وصفات وغیرہ بصورت ظہور ہوالظاہر نہیں تو ہوالظاہر کہاں ہے؟ وہ معدوم نہیں۔ موجود ہے۔ اور ہماری ہی بصارت کے لحاظ سے لفظ ظاہر استعمال ہوا ہے۔ پھر وہ ہے کہاں؟ یہ سوال ان لوگوں سے ہے جو موجود حقیقی کو دنیا میں موجود نہیں مانتے۔ اور آپ کے تین الفاظ یعنی اول و آخر اور باطن کو تو حق سبحانہٗ کے لیے مانتے ہیں لیکن ظاہر کے متعلق ایسی پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ الظاہر، حق سبحانہٗ کے لیے ہے ہی نہیں

(ج) "اشیاء" اعیان ثابتہ کے بموجب حق کی تجلیات ہیں۔ اور ان تجلیات کی بدولت ہی حق جلوہ گر ہے ورنہ وہ کنزِ مخفی یعنی باطن ہی رہتا۔ یہ ضرور ہے کہ اشیاء کا ظاہر[ل] تغیراتِ مسلسل کا دوسرا نام ہے مگر ان ہی تغیرات سے باطنِ شئے آشکار ہوتا ہے جس طرح الفاظ یا اشاروں سے ہمارا مافی الضمیر ظاہر ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ لفظ و معنی دونوں مل کر ہمارے سامنے آتے اور موجودِ حقیقی بنتے ہیں۔ واضح رہے کہ حق سبحانہ پر یہ مثال صادق نہیں آتی۔ وہ ظاہر و باطن کا مرکب نہیں ہے بلکہ وہی ظاہر ہے وہی باطن۔ صرف الفاظ دو ہیں۔ حقیقت ایک ہی ہے۔

ل بعض حضرات نے یہ کہا کہ "ہر شے بلحاظ حقیقت عینِ حق اور بلحاظ تعین غیرِ حق ہے، مگر یہ غیریت اعتباری ہے"۔ لیکن باطن و ظاہر میں معناً غیریت ہوتی ہی نہیں۔ دونوں شانیں ایک ہی شے کی شانیں ہوتی ہیں۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ تعینات کی ظاہری غیریت محض اعتباری ہے اور ہستی حقیقی سے ان کی "غیریت" کی نسبت مثلاً صرف ایسی ہے جیسی بحر و امواجِ بحر کی یا جو صاحبِ خیال اور اس کی خیالی دنیا کے مابین ہوتی ہے لیکن حق تعالیٰ کی "خیالی دنیا" باطل نہیں ہے۔

القرآن ۳۸: ۲۷۔ لہٰذا انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کائنات یا دنیا کو جسے حق تعالیٰ حق فرما رہا ہے اپنے وہم کی مہر لگائے اور اُسے وہمی خیالی اور باطل کہے۔ لہٰذا صحیح عقیدہ یہی ہو سکتا ہے کہ کائنات کی ہر شان کو حق تعالیٰ کی تجلی یا شان سمجھے۔ اور "غیریت" کے وہم کو دل سے نکال دے۔ ورنہ حق تعالیٰ صرف باطن تک محدود رہ جائیگا جو قرآن پاک کی تردید ہو گی۔

اس سلسلے میں آیۃ هُوَ الاَوَّلُ وَ الآخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ البَاطِنُ کی وہ تفسیر بھی دیکھو جو زمانۂ حال کے ایک بہت مشہور مفسر قرآن سید قطب "حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر دیکھیں"

(د) "تغیّر" ہی ثبوتِ ہستی ہے۔ لہٰذا تسلسل تغیّرات کو تسلسل ہستی کہنا غلط نہیں ہے۔ اسی صورتِ حال کو اصطلاحاً تجدد امثال کہتے ہیں۔ عالم ناسوت میں ہر "شے" کا ظہور صرف ایک آن کے لئے ہوتا ہے۔ دوسرے لحظہ میں وجود حقیقی سے نئی شان پاتا ہے نیا "وجود" ملتا ہے اور یہ سلسلہ اتنی سرعت سے جاری ہے کہ ہم اس شے کو مستقلاً موجود سمجھتے ہیں تا آنکہ نئے وجود کی عطا یعنی نئی شانوں کا بالکل ہی سلسلہ بند نہ ہو جائے۔ اسی اصول پر یہ سمجھنا آسان ہے کہ وجود حقیقی ہی بہ سرعت تمام تسلسل کیساتھ ظاہر فی المظاہر ہے۔ اس کا ظہور ایک لحظہ کے لیے ہی ہے اسی کا ظہور۔ اس کا غیر کسی معنے میں نہیں۔ کیونکہ تغیرات کا تسلسل فنا کا تسلسل نہیں ہے بلکہ وجود حقیقی کے ظہور کی شانوں کا تسلسل ہے۔ اور کل یوم ھُوَ فی الشان کے بموجب ہر شان اُسی کی شان ہے۔ اور کسی شان کی تکرار نہیں ہوتی۔ خالق کائنات نے کائنات کی نمود اسی اصول پر قائم رکھی ہے۔

(ھ) اسی مسئلے کو (یعنی توحید حقیقی اور اس کے مضمرات کو) حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے ایک نئے انداز میں سمجھایا ہے۔ صرف ایک شعر سُنیئے جو فیصلہ کُن ہے فرماتے ہیں:

جُز عدم نیست غیر ذات خُدا
پس بود عین او ہمہ اشیا

کس قدر جامع اور مسکت دلیل ہے۔ یعنی جب ہستی حقیقی ہر زمان و مکان میں موجود ہے تو عدم حقیقی خود معدوم ہو گیا۔ اور جو کچھ ہے ہستی حقیقی کا عین ہے غیر حق کہیں نہیں ہے۔ جب ہستی حقیقی ہر جگہ ہے تو اس کی ضد یعنی غیر حق یا عدم حقیقی اس کے

(د) حاشیہ سابقہ صفحہ "مصری نے کیا ہے اور جس کا ترجمہ ہم نے زیر نظر تذکرہ کے باب ۲۱، فصل ۱ — (د) پر دیا ہے۔

ساتھ اسی جگہ جہاں وہ ہے اور اسی وقت جبکہ وہ ہے۔ موجود نہیں رہ سکتا۔ یا حق کو موجود مانو۔ یا غیر حق کو۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور ضدّین کی یکجائی محال ہے۔ علاوہ ازیں "غیر حق" کو موجود ماننے سے حق کو زمان ومکان دونوں میں محدود ماننا ہوگا جو منافی ایمان ہے۔ لہٰذا اس کا حل یہی ہے کہ جملہ اشیا کو عینِ حق مانا جائے

یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ ہر موقعہ پر کلیت کی شان کا باقی رکھنا لازمی ہے جس طرح وجود حقیقی۔ ہستی حقیقی۔ کُلّ الکل ہے۔ وجود اشیا (یعنی عالم کثرت) کو بھی بحیثیت مجموعی بشانِ کلیت باور کیا جائے۔ اور اسی لحاظ سے

ع پس بود عین او ہمہ اشیا۔ فرمایا گیا ہے۔

جس طرح اُوؔ یعنی (موجود حقیقی) کا تجزیہ درست نہیں ہے اسی طرح اس کے عین یعنی وبعین "ہمہ اشیا" کی کلی حیثیت کا تجزیہ وتقسیم بھی درست نہیں۔ عارف کامل جب کسی چیز کا ذکر کرتا اور اسے ہستی حقیقی کا عین کہتا ہے تو وہ شے مذکور کو حق کی محض ایک شان سمجھتا ہے (ٹکڑا نہیں) اسی لئے صوفیانہ اصطلاح میں لفظ "ہمہ" زیادہ مستعمل ہے۔ جیسے ہمہ اوست۔ ہمہ از اوست۔ اوست ہمہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں تجدد امثال میں بھی کائنات بحیثیت کُل کا تصور کارفرما ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد۔ پھر اصل بحث پر آجائیے۔ یعنی اگر وجود حق کیساتھ ساتھ وجود غیر حق کو بھی موجود مانا جائے تو ازدخال۔ اتحاد۔ یا حلول۔ کے بغیر چارہ نہیں لیکن مذکورہ ہر صورت حق سبحانہٗ کی شانِ صمدیت واحدیت کے منافی ہے۔

(و) توحید وجودی کا ایک نہایت ضروری بلکہ اہم ترین جز و یہ عقیدہ بھی ہے کہ موجود حقیقی۔ اپنی شان تنزیہہ کو برقرار رکھتے ہوئے شان تشبیہہ میں بھی ظاہر ہے چنانچہ ثبوت میں صرف ایک آیۃ مذکورۂ بالا۔ یعنی ھُوَالْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالْبَاطِنُ وَالظَّاھِرُ ہی کافی ہے تاہم اس کے علاوہ دیگر آیات مثلاً

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ بھی مذکورۂ بالا صورتِ حال کو ثابت کر رہی ہیں ۔ ان آیاتِ قرآنی کے علاوہ متعدد احادیث بھی موجود ہیں ۔ مثلاً ایک حدیث قدسی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ قیامت میں فرزندِ آدم سے فرمائے گا کہ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا ۔ میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا ۔ میں مریض تھا تو نے میری عیادت نہیں کی . . . وغیرہ وغیرہ وغیرہ (خلاصہ) ۔

اس پر فرزندِ آدم یہ عذر پیش کرے گا کہ اے اللہ تعالیٰ تو بھوک پیاس اور بیماری وغیرہ سے پاک و منزہ ہے ۔ یہ نقائص تو بشر کے لیے ہیں ۔ میں کیونکر تجھے کھانا کھلاتا یا پانی پلاتا یا عیادت کرتا ۔ (خلاصہ) ۔

اس پر حق تعالیٰ فرمائے گا : کہ فلاں شخص مریض تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو البتہ مجھے اس کے پاس پاتا ۔ فلاں شخص بھوکا تھا اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو البتہ مجھے اس کے پاس پاتا ۔ وغیرہ وغیرہ (خلاصہ) ۔ قرب کی کئی قسمیں ہیں ۔

یہ اللہ کا بندے کے "پاس" ہونا ایسا قرب ہے جیسے مٹھائی میں مٹھاس ۔

؎ اتصالے بے تکیف بے قیاس ۔ ہست رب الناس را با جان ناس ۔ (مثنوی رومیؒ) ۔

احادیث قرب فرائض و قرب نوافل بھی تنزیہہ و تشبیہہ کی یکجائی کا ثبوت ہیں ۔

(ز) جسے تشبیہہ کہا جاتا ہے وہ اعیان ثابتہ پر حق سبحانہٗ کی تجلیات ہیں ۔ جو محض اس کے علم میں ہیں اور خارج میں ان کا وجود نہیں ہے ۔ کیونکہ موجودِ حقیقی لامحدود ہے لہذا اس سے جب کوئی مکان خالی ہے ہی نہیں تو اس کا "خارج" کہاں ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا کوئی شئے "اس کے خارج" میں نہیں ہو سکتی ۔ جو ہے اس کے علم میں ہے

اور یہی "تشبیہہ" ہے۔ ہم جسے "خارج" سمجھتے یا کہتے ہیں وہ ہمارا "خارج" ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا نہیں۔ لہٰذا وحدت وجود پر ایمان ہی صحیح توحید ہے۔ اور "ہمہ اشیا" کو تجلیات ذات، شیونِ ذات، یا عین حق کہنا اور دیکھنا ہی صحیح ہے۔ لہٰذا کل یوم ھو فی شان کے مفہوم میں حضرت نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز کے تمام اشعار کا مفہوم سمجھا جائے۔

آپ کی تعلیمات کا خاص محور توحید حقیقی یا وحدت الوجود ہے۔ زیادہ تر آپؒ کی تصانیف قلمی ہیں۔ تاہم تنہا دیوانِ نیازؔ کا مطالعہ کافی ہے کیونکہ وہ توحیدِ حقیقی کا سرچشمہ اور عشق حقیقی کی زندہ جاوید۔ بولتی تصویر ہے۔

اسی مفہوم میں چند غزلیات کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ مثلاً یہ غزل:-

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا — کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا
کہیں ممکن ہوا کہیں واجب — کہیں فانی کہیں بقا دیکھا
کہیں بولا بلیٰ وہ کہہ کے الست — کہیں بندہ کہیں خدا دیکھا
کہیں وہ بادشاہِ تخت نشیں — کہیں کاسہ لئے گدا دیکھا
کہیں وہ در لباسِ معشوقاں — بر سر ناز اور ادا دیکھا

کہیں عاشق نیازؔ کی صورت
سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

عشق میں آ عجب مزا دیکھا — خویش و بیگانہ آشنا دیکھا
نکتہ اینما سے واقف ہو — چہرہ یار جا بجا دیکھا
بلکہ یہ بولنا تکلف ہے — ہمنے اسکو سنا ہے یا دیکھا
دیکھنا آپ ہے اسنے ہی آپ — نہ کوئی اس کا ماسوا دیکھا
دید اپنی کی تھی اسے خواہش — آپ کو ہر طرح بنا دیکھا[لہ]

لہ۔ کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ ۰

صورت گل میں کھلکھلا کے ہنسا — شکل بلبل میں چہچہا دیکھا

شمع ہو کر کے او پروانہ — آپ کو آپ میں جلا دیکھا

کر کے دعویٰ کہیں انا الحق کا — بر سر دار وہ کھنچا دیکھا

تھا وہ برتر شما و ما سے نیاز

پھر وہی اب شما و ما دیکھا

نیست جز ہستی حق پیدا و پنہاں در وجود — چشم دل بکشا و بنگر بے حجاب اے ہوشمند

باطن و ظاہر خود اوست اول و آخر خود اوست — برتر از چند است و چون ہم جلوہ گر در چون و چند

ہم خود او شیخ و برہمن ہم خود او دیر و حرم — ہم خود او خلد است و رضواں ہم خود او نار و گزند

ہم خود او مست مے و میخانہ ہم ساقی خود است — ہم خود او ملا و واعظ گرم جوش وعظ و پند

ہم خود او معشوق و عاشق ہم خود از حسن است و عشق — ہم خود او معبود و عابد در نگاہ ہوش مند

خویش را حق داں و حق بیں تا شوی حق نما قیمت — طالب حق را نشاں دادم ز راہ حق پسند

نکتۂ تحقیق بشنو از نیاز بے نیاز — کہیں ہمہ نقش دو عالم نیست الا نقشبند

"حاشیہ صفحہ سابقہ" تھا میں ایک خزانہ چھپا ہوا۔ چاہا میں نے کہ پہچانا جاؤں۔ پس ظاہر کیا میں نے مخلوق کو اور اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا)

فصل (۲)

توحید حقیقی

ابھی تک آپؒ کی تعلیمات سے متعلق بحیثیت مجموعی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔
اس فصل میں اس کے خاص حصہ توحید حقیقی پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ واضح رہے
کہ یہاں اس موضوع پر کوئی مبسوط مقالہ لکھنا مقصود نہیں ہے۔ صرف چند مخصوص
پہلو بیان ہوں گے تاکہ بنیادی نکات ذہن نشین ہو سکیں۔

(الف) سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ ہستی حقیقی، وجود حقیقی اور موجود حقیقی
صرف ایک ہے اور وہ حق تعالیٰ کا وجود ہے۔ اس کی ہستی ہے اس کی ذات۔ ہے وہ
دو یا دو سے زائد ہرگز نہیں۔ جسے "کثرت" سے تعبیر کرتے ہیں وہ اسی ہستی "واحد" کے اسماء،
وصفات اور افعال و آثار کا ظہور ہے جو نہ وجود حقیقی سے علیحدہ ہے۔ نہ اس کا غیر ہے۔
تعینات کی "ظاہری غیریت" محض اعتباری ہے اور ہستی حقیقی سے ان کی "غیریت" کی
نسبت مثلاً صرف اتنی اور ایسی ہے جتنی اور جیسی بحر و امواج بحر کی۔ فرق صرف یہ ہے
کہ ہماری خیالی دنیا ظنی اور وہمی ہوتی ہے لیکن حق تعالیٰ کی "خیالی دنیا" باطل نہیں
ہے وما ھذا خلقت باطلا (۳۸ : ۲۷) وہ سب حق تعالیٰ کی حقیقی تجلیات ہیں۔ اور
ان ہی "تجلیات" میں نیز انھی سے "وہ جلوہ گر" ہے۔ انھیں حجاب سمجھنا البتہ وہم ہے
اگر وہ "تجلیات" نہ ہوں یا انھیں "غیر حق" سمجھا جائے تو حقیقی یا وجود حق تعالیٰ صرف
"باطن" تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور ھو الظاھر کا ثبوت ناممکن ہو جائے گا
اور یہ قرآن پاک کی تردید ہوگی کیونکہ حق تعالیٰ بزبان قرآن مجید فرماتا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۔

کسی کی مجال ہے کہ حق تعالیٰ کو صرف باطن تک محدود رکھے اور ہوالظاہر کا انکار کرے اب سوال صرف ہوالظاہر کی تعبیر و تعین کا ہے۔

قائلین توحید حقیقیہ وجودیہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات اور افعال و آثار کی ظہوری تجلیات کو ہوالظاہر کے دائرے میں رکھتے ہیں کیونکہ "ہر شے" کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ظاہرہ شے کا تعین ہے اور باطن اس کی حقیقت تعین تغیر پذیر لیکن باطن لافانی ہے۔ یہی باطن حق ہے جو تعین ہی کی بدولت قابل مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ تعین اصل سے وابستہ اور اسی کی تجلی ہے۔ ہر شے وجود مطلق سے اپنا وجود مستعار لیتی ہے لہٰذا وہ لوگ کسی شے کو اس دائرۂ وجود سے باہر نہیں دیکھتے۔ دائرۂ وجود حق سے باہر جس تجلی کو سمجھا جائے گا۔ وہ اُس غیر بلکہ اُس مد مقابل ہوگی۔ جو حقیقتاً معدوم ہے۔ پھر بھی اس پر مُصِر رہنا کور چشمی اور "شرکِ حقیقی" ہے جسے حق تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔

جب کوئی جگہ وجود حقیقی سے خالی نہیں ہے تو "عدم حقیقی" کہاں رہ سکتا ہے۔ یعنی غیر حق حقیقتاً معدوم ہے۔ اور لاموجود الا اللہ پر ایمان رکھنا لازم و لابد ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شے کی "شیئیت" یعنی زمان و مکان، تجسم و تعین۔ اور شکل و صورت وغیرہ کے "حدود" یا آثار تغیر پذیر ہیں۔ لیکن حقیقت شے، جس سے اسے وجود ملا، بہر حال بغیر تغیر باقی ہے۔ اور اس پر محیط[1] ہے اسی لئے عرفا کی نظر پہلے حقیقت

---

[1] واللہ علیٰ کل شیٔ محیط۔ وکان اللہ بکل شیٔ محیط۔

پر پھر کسی دوسری صفت پر پڑتی ہیں۔ حالانکہ مذکورہ "حدود" یا آثار کا وجود بھی ذات یا حقیقت سے علیحدہ نہیں ہوتا بلکہ یہ "حدود" ہی اس کے ظہور کا آئینہ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نظر مقصود حقیقی پر رہے یہ مقام بہت نازک ہے۔ کیونکہ حسن حجاب معلوم ہوتا ہے اور حجاب حسن اسے ایک مثال سے سمجھئے مثلاً کوئی اپنے "محبوب" کو عریاں" دیکھنا پسند نہیں کرتا کیونکہ "حسن عریاں" میں کوئی جاذبیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا لباس و سامان زینت حسن کا تکملہ بلکہ ایک معنے میں اس کے "اجزائے حقیقی" بن جاتے ہیں۔ اسی لئے دیکھنے والوں کی نظر میں "پیکر حسن" مع لوازمات کے "پیکر حسن" بنتا ہے۔ اور لطفِ نظارہ "لوازمات" کو "خود حسن" سمجھنے میں ہے عریانی میں نہیں اور یہ "سمجھنا" اور "دیکھنا" یا "لطف اندوزی" محبت کی نگاہ کے لئے ہے فلسفہ و منطق پسند ذہن کے لئے شاید نہ ہو۔ یہ دونوں (یعنی نگاہ و ذہن) بھی دائرۂ وجودِ حقیقی کے اندر ہیں اس لئے لطف کا بہانہ اور تماشے کا سامان ہیں۔

یارِ من باکمال رعنائی
خود تماشا و خود تماشائی (قبلہ شاہ نیاز بریلویؒ)

اس مختصر بیان کی سند مذکورۂ بالا آیۃ قرآنی ہوالاول والآخر والظاہر والباطن ہے اور اسی کا خلاصہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں بطور بنیاد ایمان و اسلام محفوظ ہے۔ اس کے بغیر نہ ایمان درست ہوتا ہے نہ اسلام۔

مخالف ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ موجود حقیقی اپنی

لہ۔ مزید بحث آگے باب کی فصل میں دیکھو۔

شانِ تنزلیہ کو برقرار رکھتے ہوئے شانِ تشبیہہ میں بھی ظاہر ہے ایک مسلم کے لئے آیت بالا (ہوالاول والاخر۔۔۔ الخ) کے علاوہ آیات "وفی انفسکم...الخ۔ نحن اقرب الیہ۔۔۔۔ اینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ۔ اور احادیث میں وہ مشہور حدیث قدسی کافی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللّٰہ قیامت میں فرزند آدم سے فرمائیگا کہ تو نے میری عیادت نہیں کی جبکہ میں مریض تھا۔ تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا جبکہ میں بھوکا تھا اور تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس پر بندہ عرض کریگا۔ یا اللّٰہ تو رب العلمین ہے میں کیونکر تیری عیادت کرتا یا تجھے کھانا کھلاتا۔ اس پر اللّٰہ تعالیٰ فرمائیگا کہ آیا نہیں جانا تو نے کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اور فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ اگر تو اسکی عیادت کرتا یا کھانا کھلاتا تو البتہ تو مجھے اس کے نزدیک۔ یا اس کی ذات میں موجود پاتا۔۔۔۔ اسی طرح پیاسے کا پانی مانگنا اور اسے پانی پلاتے میں اللّٰہ کو گویا پانی پلانے یا اس تشنہ آب کی ذات میں اللّٰہ موجود ہوتے کا ذکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ [۲]

حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی تعلیمات کا خاص مرکز و محور توحید حقیقی یا وحدۃ الوجود ہے۔ زیادہ تر آپؒ کی تصانیف قلمی ہیں۔ تاہم تنہا دیوان نیاز رح کا مطالعہ کافی ہے کیونکہ وہ جملہ تعلیمات بالخصوص توحید حقیقی کا سرچشمہ اور عشق حقیقی کی زندہ جاوید بولتی تصویر ہے۔ اس کی تعلیمات کا خلاصہ باب ۲۳ میں مع اشعار دیوانِ حضرت شاہ نیاز

---

[۲] (مفصل بحث کیلئے مصنف کی دوسری تصنیف "مخزن انوارِ توحید" ضرور پڑھئے جو خود مصنف سے ۲/۱۳۲۔ ڈی۔۔۔۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی۔ کراچی سے مل سکتی ہے۔

قدس سرہ العزیز بیان کیا گیا ہے۔ یہاں صرف ایک شعر سنئے جو وحدت الوجود پر فیصلہ کن ہے۔

یعنی ؎

جز عدم نیست غیر ذات خدا پس بود عینِ او ہمہ اشیا۔

کس قدر زبردست دلیل ہے۔ کہ جب غیر حق معدوم ہے تو جو کچھ ہے وہ عین حق ہے۔

اگر وجود حق کے ساتھ ساتھ وجود غیر حق کو مانا جائے تو وجود حق جا بجا محدود ہو گا یا کائنات سے الگ ہو جائے گا صورت محال ہے۔ یا اس سے "غیر حق" کا ادخال یا اتحاد یا حلول، وجود حقیقی کے ساتھ یا اس کے اندر ثابت ہو گا جو اسکی شان صمدیت و احدیت کے منافی ہے۔ اور یہی حقیقی شرک ہے۔ لہٰذا "اشیا" کو شیون حق سمجھنا ضروری ہے۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ۔ پھر سمجھ لیجئے کہ اشیا کو مسئلہ توحید حقیقی کی حد تک اشیا نہ سمجھیں بلکہ شیون ذاتِ حق یا تجلیات حق جانیں۔ جب تک عرفان پختہ نہ ہو جائے۔ یا انھیں نور محمدی ؐ کی تفصیل سمجھیں بات ایک ہی ہے۔ بلب مختلف ہیں روشنی ایک ہے اور وہی مقصود ہے اسی کے پیش نظر حضرت نیازؔ بے نیاز رحؒ کے تمام اشعار کا مفہوم سمجھا جائے۔

چند دیگر اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا
کہیں ممکن ہوا کہیں واجب کہیں فانی کہیں بقا دیکھا
کہیں بولا بلیٰ وہ کہہ کے الست کہیں بندہ کہیں خدا دیکھا
کہیں وہ بادشاہ تخت نشین کہیں کاسہ لئے گدا دیکھا

کہیں وہ درلباس معشوقاں — پرسرناز اور ادا دیکھا
کہیں عاشق نیاز کی صورت — سینہ بریاں ودل جلد دیکھا

(ب) کلمۂ توحید۔ مذکورہ آیۃ قرآنی ہوالاول والاخر۔۔۔۔۔الخ
کے بعد قرآنی واسلامی توحید کا عطر اسکا امتیازی طغریٰ یا کلیدی خلاصہ کلمۂ توحید ہے جس کی تفسیر توحید حقیقی ہے۔ اور جس کا اصطلاحی نام کچھ عرصہ بعد وحدت الوجود رکھ دیا گیا حالانکہ توحید حقیقی آغازی سے قرآن واحادیث میں موجود ہے۔ توحید حقیقی کو پوری طرح اختیار کئے بغیر یقین کا آخری درجہ (حق الیقین) حاصل نہیں ہوتا۔ اور جب تک حق الیقین حاصل نہ ہو۔ ایمان حقیقی بدرجۂ کامل نصیب نہیں ہوسکتا اور جب تک ایمان حقیقی بدرجۂ کمال حاصل نہ ہو، نہ دعویٰ عشق محمدی ؐ صحیح ہے نہ آپؐ کی شریعت ومعرفت کی پیروی کامل ہوسکتی ہے یعنی نہ ہی توحید صحیح ہوگی نہ اعمال درست ہونگے۔

ایمان واسلام کی اصل کسوٹی "کلمۂ توحید کے حقیقی مفہوم پر کامل یقین" اور پھر مشائخ کرامؒ کے معیار کے مطابق "عشق حقیقی" میں زندگی بسر کرنا ہے۔

ان امور کے حصول کے لئے "کلمۂ توحید" کا صرف ترجمہ پڑھ لینا کافی نہیں اس کیلئے کسی کامل العرفان مرشد راہ حق، کے دست حق پرست پر بیعت کرکے اس کا صحیح مفہوم سمجھنا اور اس کی صحبت واطاعت میں زندگی گذارنا ضروری ہے۔ کیونکہ عشق اور فنائیت کے لئے مرشد کا ہونا لازمی ہے۔
راقم الحروف کا ایمان ہے (جو تجربے پر مبنی ہے) کہ سلسلۂ قادریہ

چشتیہ نیازیہ رح کی مستند شاخوں ہی میں ٹکسالی تعلیم توحید ملتی ہے اور کہیں نہیں۔ میرا یہ دعویٰ تحقیق و تجربہ پر مبنی ہے جذبات یا محض عقیدت مندی پر نہیں۔ یہ میری اپنی رائے ہے کسی دوسرے شخص کو فضول بحث کرنے یا الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ "توحید" کی صحیح تعبیر سے۔ اختلاف کرنے والے ہمیشہ رہے ہیں۔ آج بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ لیکن حقیقت بھی ہر دور میں اپنی جگہ قائم رہی ہے اور خوش نصیبوں کو بقدر ظرف اس سے حصہ ملتا رہا ہے۔ لہٰذا ناظرین کو جو تعبیر یا توضیح، حق و حقیقت سے قریب تر کرتی ہو وہ اسے اختیار کریں اور جو اس سے دور رکھے یا نامی گرامی اولیاء اللہ، مشائخ کرام اور فقرائے عظام کے توحیدی عقائد سے انحراف کی تعلیم دے یا قدیم بزرگان و علمائے حق کی صراط مستقیم میں پگڈنڈیاں نکالے۔ یا عشق حقیقی" کو فروغ دینے کے بجائے ایمان و اسلام کو تجارت یا نفع و نقصان مادی و مالی کے پیمانوں سے ناپنا سکھائے۔ یا سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھنے والی اسلام اور مسلمانوں کی دشمن قوموں کی" برتری ایمانی" کی تعلیم دے یا جس میں حضور حقیقی مرتب کی شان میں بے ادبی اور تنقیص شان کا شائبہ بھی ہو۔ ایسی تعبیر یا توضیح کو صرف فریب ایمانی اور دینی جھگڑوں کا اکھاڑا سمجھنے چاہیئے ان میں الجھ کر خدا نہیں مل سکتا۔ خدا کے عاشقوں کی راہ پر چلنے سے خدا ملتا ہے۔ اور ان کی راہ کی پہلی شرط یہ ہے۔ کہ توحید سے متعلق وہ صحیح عقیدہ اختیار کیا جائے جو اوپر بیان ہو چکا ہے یا کلمۂ توحید کی روشنی میں جس کا مختصر سا خاکہ حسب ذیل ہے۔ مفصل بحث کی گنجائش نہیں ہے اور ہمارے طریقہ میں اس کی تعلیم

قیل وقال سے زیادہ عملی و حالی ہے۔

کلمۂ توحید کا توضیحی خاکہ

کلمۂ توحید کے بظاہر دو جزو ہیں۔ جزو اوّل لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم حالانکہ نسبتاً آسان ہے پھر بھی اس کے متعدد نکتے نازک ہیں اسی لئے خود اسلامی فرقوں میں ان نکات پر اختلافات ہیں۔ ان سے متعلق حتمی فیصلہ علماء حق (اولیاء اللہ) کا فیصلہ ہے۔ جو اوپر گذشتہ شق (الف) میں بیان ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف ہر توضیح ہماری نظر میں غلط ہے۔

جزو دوم سے متعلق بھی ایک جماعت اولیاء اللہ رح کے سوا باقی تمام فرقے غلط عقائد کے حامل ہیں۔ حالانکہ اُن کے غلط عقائد معلموں کے غلط علم کا نتیجہ ہیں تاہم اس سے ان کی گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ان پر صحیح علم حاصل کرنے کی ذمہ داری اور زیادہ عائد ہوتی ہے۔ کیا ان کے لئے یہ تنبیہہ کافی نہیں ہے کہ "اسلام میں بہتر فرقے ہونگے ان میں صرف ایک فرقہ (اولیاء اللہ کا) ناجی ہوگا۔ باقی ناری یعنی جہنمی ہونگے"۔

اس پر بھی ضدی حضرات نہیں چونکے۔ کسی نے اسے غلط کہا کسی نے ضعیف کسی نے ساقط الاعتبار۔ حالانکہ اس کے علاوہ بھی بے شمار آیات و احادیث سے کلمۂ توحید کی خالص حقیقی توحید ثابت اور اثنینیت (دوہونے) کی تردید ہو رہی ہے۔ لیکن استاد ان معرفت" یعنی "اللہ والوں" پر ایمان لائے بغیر قرآن و احادیث کا صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا نہ ان کی روح تک رسائی ممکن ہے اس لئے عام و خاص مسلمانوں کی اکثریت غلط عقائد میں الجھ کر رہ گئی ہے۔

ہیں نے اتنی سمع خراشی اس مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر کی ہے مختصراً میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مقام محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم مقام برزخ عظمیٰ ہے جس کی ایک جہت حق سے ہمیشہ واصل اور دوسری جہت جہتِ رسالت ہے۔ اور دونوں کے مضمرات انتہائی اہم ہیں جن کا حقیقی علم صرف علمائے حق کو حاصل ہے۔ علمائے ظاہر کا حال یہ ہے۔ جیسے کوئی بادام کے چھلکے چبائے۔ مغز بادام علمائے باطن کے پاس ہی مل سکتا ہے۔

بطور خلاصہ چند نکتے اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔

(۱) کلمۂ توحید میں دونوں اجزا کی باہمی نسبت (از روئے قواعد نحوی) بدل اور مبدل منہ کی ہے۔ جو وحدتِ وجود کی پختہ ترین دلیل ہے۔ علمائے ظاہر اس کے انکار کی مجال نہیں رکھتے پھر بھی اپنی ضد سے غلط معنے بیان کر کے اپنا اور دوسروں کا ایمان غارت کرتے ہیں۔ جب ایمان ہی غارت ہو گیا تو اعمال کی حیثیت کیا رہی خود فیصلہ کر لیجئے۔ کلمۂ توحید، اسلامی توحید کی کنجی ہے۔ اگر کنجی ہی ناقص ہے تو تالا کسی حال میں بھی نہیں کھل سکتا۔

(۲) صحیح توحید۔ تنزیہہ و تشبیہہ پر مشتمل ہے۔ دونوں کا قائل۔ کامل الایمان ہوتا ہے۔ ہستی حقیقی دونوں میں جلوہ گر ہے انہی معنی میں کلمۂ توحید کے دونوں اجزا ایک وجود حقیقی کو واضح کرتے ہیں دو کو نہیں۔

(۳) توحید حقیقی حلول و اتحاد وغیرہ سے پاک ہے۔ سورۂ اخلاص

اس کی بہترین شارح ہے۔

(۴) وحدت وکثرت، سب وجودِ حقیقی کی شانیں ہیں۔ وہی ہر آن نئی شان میں جلوہ گر ہے۔

(۵) تعیّن تجسّم وتشکّل وغیرہ فانی یعنی قابل تغیر ہیں۔ حقیقت سب کی ایک اور باقی ہے۔ جیسے امواج بحر میں۔

(۶) تعینات اعتباری ہیں جو مفہوم ذہن میں ہوگا اس کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

---

(۷) یہ وضاحت اشیاء "عالم" سے متعلق ہے لیکن حقیقت محمدیؐ جسم محمدیؐ۔ ظہور محمدیؐ پر "کسی شے" کی مثال صادق نہیں آتی کیونکہ آپؐ پر حق کا ظہور بالذات ہے۔ آپؐ اللہ کا نور ہیں باقی اشیاء آپؐ کے طفیل آپؐ کے نور سے پیدا ہوئیں اور آپؐ کی فرع ہیں۔

تمام انبیاء۔ اولیأ۔ ملائکہ۔ جن وبشر اور پوری کائنات کی اصل آپؐ ہی ہیں لولاک لما خلقت الافلاک اس کا ثبوت ہے لہٰذا کوئی شخص یا شے آپ کی مثل ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ صحیح عقیدہ کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپؐ بحیثیت نورِ حق اپنی فرع کی طرف بحیثیت رسول آئے اور متمثل بصورت بشر انہی میں رہ کر انھیں حق کی راہ بتائی۔ اب بھی ہمارے سامنے اور ہم میں موجود ہیں۔

مگر "حجابات" میں مستور (نگاہ عارف میں ہنوز ظاہر) آپ عالم بشریت میں تشریف لانے سے بیشتر بھی نبی تھے۔ آپؐ خود خبر دیتے ہیں۔ کنت نبیًا وآدم بین الماء والطین۔ لہٰذا آپؐ کو دیگر آدمیوں کی مثل

حقیقتاً بشر کہنا یا سمجھنا کفر اور بلحاظ کلمۂ توحید، شرک ہے
اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے [۱]
تمام مندرجۂ بالا امکانات توحید حقیقی امور کلمۂ توحید کے مضمرات ہیں جن پر مکمل ایمان ضروری ہے۔

قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی تصانیف بالخصوص رسالۂ "راز و نیاز" جو مراتب ظہور کے مختصر لیکن جامع بیان پر مشتمل ہے۔ شمس العین شریف اور چند دیگر رسائل جو قلمی ہیں۔ مذکورہ نکات کی وضاحت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

ان کے علاوہ دیوان شریف کے صدہا اشعار ان ہی نکات کو پیش کرتے ہیں۔ ان معنوں میں دیوان شریف تعلیمات وعقائد قادریۂ چشتیہ فخریۂ نیازیہ کا بے مثال خزانہ ہے۔

مرکزی خانقاہ نیازیہ بریلی شریف آج بھی سرچشمۂ فیض و ہدایت ہے۔
وہاں حضرت قبلہ سجادہ نشین صاحب دامت برکاتہم العالیہ اصل ذمہ دار۔ صاحب اختیار سرچشمۂ ہدایت وارشاد ہستی ہیں جن سے دن رات سلسلۂ ہدایت وارشاد جاری ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو وہاں پہنچ کر نور ہدایت حاصل کریں۔

ان کے علاوہ خاندان نیازیہ رح کا ہر فرد جو وہاں خانقاہ شریف کے فیوض وبرکات کے زیر سایہ پروان چڑھا ہے یا فیض حاصل کر رہا

---

[۱]: مفصل بحث کے لئے دیکھئے کتاب "الوہیت محمدی ؐ" از علامہ سید محمد علی محتشم پتہ سید عبدالعزیز شیرانی۔ ۵/۵م ۶۔ فاطمہ جناح کالونی، جمشید روڈ کراچی ۵

ہے۔ صحیح عقائد کا حامل۔ اور مخزنِ فیض ہے۔

ان کے علاوہ بزرگانِ سلسلۂ عالیہ نیازیہ رح کے خلفاء اور ان کی شاخیں جو برصغیر ہند و پاکستان اور اس سے باہر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان خزانوں سے مالا مال ہیں۔

آخری ذریعہ جو موثر ترین اور قوی ترین ہے وہ بزرگانِ سلسلۂ نیازیہ اور ان کے بزرگانِ عالیہ کے مزارات پر حاضری اور مراقبات کی ریاضت ہے۔ بشرطیکہ حاضری دینے والا یا مراقبہ کرنے والا سلسلۂ عالیہ نیازیہ رح کا مرید ہو اس نے اپنے پیر و مرشد سے مراقبہ کا طریقہ سیکھا ہو اور اس کی اجازت حاصل کر لی ہو۔

دیگر سلسلوں یا ان کے عقیدوں سے ہمیں کوئی مطلب نہیں۔ ہم اپنے اشیاخ کرام رح کے عقائد کی وضاحت کر رہے ہیں۔ جو حقیقی اولیاءاللہ محقق عالم اور عارف تھے۔ دوسرے نہ ہم سے الجھیں نہ ہم ان سے الجھنا پسند کرتے ہیں۔ اس وضاحت کے سلسلے میں ممکن ہے ناچیز مصنف سے غلطی یا کوتاہی ہوئی ہو لہٰذا اس کا ذمہ دار خود مصنف ہے نہ کہ بزرگانِ سلسلہ کہاں ناچیز مصنف اور کہاں حضور قبلہ قدس سرہ العزیز تاہم شوق مصنف اور حضور قبلہ رح کی روحانی رہنمائی کی بدولت اس کی مثال کچھ یوں ہے ؎

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ح) عشق حقیقی (عشق رسول ص کا دوسرا نام ہے) "عشق حقیقی" درحقیقت "عشق محمدی ص" صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے اور اس کی

اہم شرطیں یا صورتیں حسب ذیل ہیں۔

(اوّل) یہ کہ آنحضورؐ کو نورِ ذاتِ حق کا اکمل ظہور جانے۔ اور حضورؐ کے دیدار کو حق تعالیٰ کا دیدار۔ حضورؐ کے حکم کو حق تعؐ کا حکم۔ حضورؐ کے قول کو اللہ کا قول سمجھے۔ کیونکہ یہ جملہ حقائق قرآن و احادیث سے ثابت ہیں۔

(دوم) یہ کہ حضورؐ کی کامل پیروی کامل عشق و محبت کے ساتھ کرے۔ کامل اتباع ظاہری و باطنی یعنی قال و حال دونوں کے کامل اتباع پر مشتمل ہوتا ہے اتباع قولی ایسا ہو کہ حال محمدیؐ نصیب ہو سکے کامل نہ سہی کچھ تو ہو۔

(سوم) یہ کہ آپ کے عشق میں اپنی "وہمی" "خودی کو مٹا کر" وصال نوری "حاصل کرے۔ اسی کا نام وصال حق اور بقائے دوام ہے۔ اسی کو "سب سے توڑ۔ اللہ سے جوڑ" کہتے ہیں۔ یہی متبتل الیہ متبتیلا ہے۔

بہتر ہے نیاز آپ کو تو رشتہ اخلاص ہر ایک سے توڑے شہہ لولاکؐ سے باندھے

(چہارم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی جانشین و نمائندہ اپنے پیر و مرشد کو جانے بلکہ اسی کی ذات میں خدا و رسولؐ کو پائے۔ بقول رومیؒ علیہ الرحمۃ۔

چوں تو کردی ذاتِ مرشد را قبول
ہم خدا را یافتی و ہم رسولؐ

اور اوپر بیان کئے ہوئے تمام امور کا اطلاق اپنے مرشد پر کرنے ہی سے ایمان و اسلام مکمل ہوگا۔ اور عشق کے تقاضے پورے ہوں گے ورنہ ہر امر محض وہمی۔ ظنی اور خیالی رہیگا۔ کیونکہ جماعت میں پیر کا مقام وہی ہے جو امت میں نبیؐ کا ہوتا ہے سراجاً منیرا صلی اللہ علیہ وسلم سے لاکھوں "چراغ حقیقت و معرفت کے" روشن ہوئے جو بلحاظ نفس روشنی اور بلا لحاظ زمانہ و تقدم و تاخیر" چراغ اول" کے عین ہیں۔

تمہارے بزرگان اسی طرح نور محمدیؐ میں گم ہوئے ہیں تم بھی اُس چراغ کے نور میں گم ہو جاؤ جو تمہارے حصہ میں آیا ہے یعنی اپنے پیر کی ذات میں گم ہو۔ یہی صورت خدا ورسولؐ کی ذات میں داخل ہونے کی پہلی شرط ہے۔ بقول حضرت اقدس شاہ نیاز قدس سرہ العزیز۔ یہی کہ فنا فی الشیخ ہے یہی فنائیت فی الرسولؐ اور فنا فی اللہ ہے۔ ؎

خدمتِ مرشد میں رہ چوں برگ گُل ہمراہ قند
فیض صحبت کب اٹھے جب تک نہ ملئے ٹوٹ ٹوٹ

(پنجم) اس عشق میں اتنی پر خلوص شدت پیدا کی جائے کہ حساب ذیل نوعیت کے آثار پیدا ہو جائیں۔

مجھے بیخودی یہ تو نے بھلی چاشنی چکھائی!
کسی آرزو کی دل میں نہیں اب رہی سمائی
نہ حضور ہے نے خطرہ ہے نہ رجا ہے نے دُعا ہے
نہ خیال بندگی ہے نہ تمنّے خدائی!!!
نہ مقام گفتگو ہے نہ محل جستجو ہے!
نہ وہاں حواس پہنچیں نہ خرد کو ہے رسائی

لہٰذا ایسا ہی استغراق و فنائیت مقصود حقیقی ہے کبھی اس میں رِندیَ و مستی کا رنگ پیدا ہوتا ہے اور کبھی مجذوبیت کا۔

عشق حقیقی صادق ہو تو یہ تمام صورتیں "عبادت" میں داخل ہیں اگر صدق وخلوص نہ ہو تو پنجوقتہ فرض نمازیں سنن و واجبات و نوافل وغیرہ اور روزہ۔ حج وزکوٰۃ بھی بارگاہ خداوندی میں قابل قبول نہیں۔

عشق حقیقی کی سند یہ ہے کہ مرید توحید حقیقی کے سمندر کا شناور

ہو۔ توحید وہمی وخیالی بلکہ توحید علمی بھی کافی نہیں بقول حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز؎

"خدا گوئے خدا دا ے خدا بینے خدا شائے"

بننے کی ضرورت ہے اور یہ جامعیت (جو مصرعہ مذکورسے ظاہر ہے) وحدت الوجودی بنے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور مشاہدہ جو اعلیٰ ترمقصود عبادت ہے۔ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اعلیٰ ترین مقصود۔ یافت حق یعنی فانی فی اللہ ہوکر باقی باللہ بن جاتاہے۔ جہاں مشاہدہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اس کے لئے تصانیف سے زیادہ مرشد کی توجہ۔ خاندانی اشغال۔ واذکار۔ اور مراقبہ ومجاہدہ ضروری ہیں۔

حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی نظرکرم کے طفیل اُن کے سلسلۂ عالیہ میں یہ دولت، فراواں اور بے مثال ہے وہاں پیاسے کو پانی پلایا جاتاہے۔ پانی۔ پانی کا صرف وظیفہ نہیں پڑھوایا جاتا۔ پیاسا انسان زندگی بھر پانی پانی کہتا رہے پیاس نہیں بجھ سکتی۔ اسی طرح طالب صادق واصل بحق ہوکر رہنا چاہتاہے جس فرقے کا اللہ خیالی ہو۔ جسے کائنات اور بندوں سے کوئی "ذاتی تعلق" نہ ہو اور جو بصورت "احسان" قابل مشاہدہ نہ ہو اُسے اللہ کا مشاہدہ نہ یہاں ہوسکتاہے۔ نہ قیامت میں۔ من کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ۔ (القرآن) (جو یہاں اندھاہے وہ آخرت میں بھی اندھا رہیگا) اور جس بندے کو اِس آیت پر ایمان نہ ہو "وھو فی انفسکم افلا تبصرون"۔ وہ کیا واصل بحق رہ سکتاہے۔ بیعت صحیحہ کے بغیر صرف اسم اللہ کا وظیفہ ملے گا۔ سستے ہاتھ نہ لگے گا۔

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے زبردستی محض سمجھنے سمجھانے کے لئے الفاظ و عبارت کا سہارا ہے ورنہ "حضوری" یا "وصل" وجدانی اور روحانی کیفیت ہے جو شرح و بیان سے بالا ہے۔ بقول حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ۔ ؎

سِرِّ عشقش درمیانِ کس نیایدا ے نیازؔ
ایں چنیں اسرار را شرح بیانے دیگرست

لہٰذا حضرت قبلہ شاہ نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز اور آپؒ کے سلسلۂ عالیہ کی یہی خدمت سب سے زیادہ بیش قیمت ہے کہ آپؒ کی بدولت لاکھوں طالبانِ حق اپنی منزل مقصود کو پہنچ گئے اور قیامت تک پہنچتے رہیں گے۔

انصاف کی نظر سے دیکھئے اس سے بہتر دنیا میں نہ کوئی دوسری خدمت ہے نہ ہوسکتی ہے۔ خدا رسیدہ بن جانا سب سے بڑی نعمت ہے اور اس کے بعد کسی کو خدا رسیدہ بنا دینا اس سے بھی بڑی نعمت اور عظیم ترین دینی و انسانی خدمت ہے۔

فصل ۔ ۳

بعض خانوادے سلسلۂ نیازیہ میں مدغم ہو گئے اور بعض کے اکابرین اس کے فیض یافتہ ہیں

اس سلسلے میں میں سب سے پہلے اپنے بزرگ محترم مولینا سید محمد علی شاہ صاحب مدظلہ المتخلص بہ میکش اکبرآبادی کا ذکر کرونگا جو عمدۃ الاولاد غوث الاعظم رض حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اجل مولانا سید امجد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ حضرت موصوف اپنی ایک نہایت بیش بہا تصنیف "حضرت غوث الاعظم رح ... سوانح و تعلیمات معہ تذکرۂ فرزند غوث الاعظم رح" میں[1] تحریر فرماتے ہیں .. " ...... حضرت تاج الاولیا رح شاہ نظام الدین حسین رضی اللہ عنہ صاحبزادہ و جانشین قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے سجادہ نشین اور صاحبزادے حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد نظامی عرف حضرت ننھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو اپنے جد بزرگوار اور والد ماجد کی طرح علوم ظاہر و باطن، ریاضات و مجاہدات تعلیم و تعلم، کرامات و خرق عادات اور فیض رسانی مخلوق میں۔ اپنے جد بزرگوار کے مثل اور ائمہ اطہار کے

---

[1] دیکھو صفحات ۱۸۶، ۱۸۷ کتاب مذکور۔ مطبوعہ رام پور یوپی۔ ہند پہلا ایڈیشن۔

صحیح وارث تھے۔

ان اوراق کے کاتب کی یہ خوش قسمتی ہے کہ حضرت جیسی مجمع کمالات شخصیت کی زیارت وغلامی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت کے حال پر مشتمل ایک کتاب "تذکرہ سراج السالکین رح" عزیزی پریس آگرہ سے شائع ہو چکی ہے جس کے مولف مولانا شاہ قطب الدین نیازی غازی پوری علیہ الرحمتہ ہیں۔ پھر بھی میں اس کے اظہار پر اپنے کو مجبور محسوس کرتا ہوں کہ میں حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو حدیث۔ تفسیر اور منطق کا ایک طالب علم اور مخالف تصوف علمأ کا تربیت یافتہ تھا اس لئے حضرت رح کے ہر عمل اور قول کو تنقیدی نظر سے دیکھتا تھا لیکن مجھے حضرت رح کی صحبت میں ایسا محسوس ہوا جیسے میں دور صحابہ وتابعین میں ہوں۔ میرے دل میں یہ حسرت نہیں ہے کہ میں نے جنید رض و بایزید رح کو نہیں دیکھا۔ ان کی زبان سے حقائق معارف نہیں سنے۔ اور اُن کے خوارق عادات کا چشم سر سے مشاہدہ نہیں کیا۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھا۔ مشاہدہ کیا اور پرکھا۔ اور اب بحمد اللہ مجھے حضرت عبد الکریم رح جیلی کے انسانِ کامل اور علامہ اقبال رح کے مرد مومن کے وجود میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ خدا کا عظیم احسان ہے کہ حضرت کے جانشین اور نواسے حضرت شاہ تقی الدین احمد مدظلہ العالی کی ذات مبارک بھی حضرت سراج

---

[1] حضرت رح کا وصال ۱۵۔۱۶ شوال کی درمیانی شب ۱۳۸۷ھ* کو جے پور میں ہوا۔ اور آج کل آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت قبلہ حسن سجاد صاحب عرف حضرت حسن میاں صاحب مدظلہ العالی زیب سجادۂ نیازیہ رہے ہیں اس ناچیز کو ۱۹۷۰ء کے سالانہ عرس حضرت نیاز بے نیاز میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ صاحب سجادہ مدظلہ العالی نے جس طرح نوازا اور جن انعامات و اکرامات سے سرفراز فرمایا وہ میری زندگی کا قابل فخر سرمایہ ہیں (ناچیز مصنف)

*جو مطابق ۱۶۔۱۷ کی درمیانی شب جنوری ۱۹۶۸ء

السالکینؒ کی ذات مبارک کا ظل بلکہ عین ہے . . . . "

اسی تحریر کے ضمن میں، حضرت موصوف صفحہ ۱۸۶ پر ذیلی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سلسلۂ قادریہ میں مجھے نقیب الاشراف (سجادہ نشین حضور غوثِ پاک رضؓ) حضرت سید ابراہیم سیف الدین رضی اللہ عنہ سے بیعت حاصل ہوئی تھی۔ اُس وقت میری عمر تقریباً ۹ یا دس سال کی تھی۔ وہ بیعت میرے لئے بیعت تبرک و باعث افتخار ہے۔ اس کے بعد بہت ہی التجا و اصرار کے بعد حضرت سراج السالکین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے سلسلہ (یعنی سلسلۂ نیازیہؒ میں) مجھے داخل فرمالیا۔ دینا و آخرت میں میرا ملجا و ماوٰی۔ وسیلہ و مقصود جو کچھ ہے حضرت ہی کی ذاتِ اقدس ہے"

واضح رہے کہ حضرت قبلہ میکش صاحب مدظلہ کو حضرت سراج السالکین رحمتہ اللہ علیہ نے منصب خلافت سے بھی نوازا ہے اور وہ سلسلۂ نیازیہؒ ہی میں بیعت لیتے ہیں۔

فیض یافتگان میں (۱) ایک خاص شخصیت مولانا شاہ آل رسولؒ صاحب کی ہے جو مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمہ صاحب قادری بریلوی کے پیر و مرشد ہیں۔ حضرت شاہ آل رسول رحمہ صاحب حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے اہم شاگردوں میں تھے کیونکہ خانقاہ نیازیہ بریلی کی کتابوں اور مسودوں کے ذخیرے میں حضرت نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قلمی رسالہ منطق پر موجود ہے جس پر تحریر ہے "برائے عزیز سید آل رسول مارہروی"۔ اس کا ذکر کتاب "ناز و نیاز" (حصہ اول) کے صفحہ ۱۷ پر بھی ملتا ہے۔

جو بدایوں سے شائع ہوئی ہے۔ حضرت نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے اہم شاگردوں کی فہرست میں شاہ آل رسول رح صاحب کو "منتہی کتب درسیہ" لکھا ہے ۱؎ حضرت محبوب میاں صاحب مدظلہ (برادر حقیقی سرکار عزیز میاں صاحبؒ) نے مجھے نوٹ کرایا کہ شاہ صاحب رح نے حضور قبلہ نیاز بے نیاز رح کے وظیفوں کے مجموعہ کی ایک نقل نہایت مذہب و مطلا تحفتہ و عقیدتاً حضور قبلہ رح کے نذر کی۔ اس میں تحریر ہے "نذر کردہ غلام فقیر آل رسول مارہروی عفرلہم" یہ نقل مجموعہ خانقاہ شریف میں موجود ہے"۔ نوٹ از مصنف: اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ آل رسول صاحب رح حضور قبلہ رح کے مرید تھے بلکہ خلیفہ بھی کیونکہ خاندانی مجموعۂ وظائف نہ غیر مرید کو دیا جاتا ہے نہ غیر خلیفہ کو نقل کرنے کے لئے بھی نہیں دیا جاتا۔ واللہ اعلم حقیقت کیا تھی۔

(۲) کراچی میں بابا ذہین شاہ صاحب تاجی کا سلسلہ معروف سلاسل میں ہے۔ وہ بابا عبدالکریم شاہ صاحبؒ کے جانشین ہیں جن کا تعلق یوپی سے تھا مگر وصال بعد ہجرت کراچی میں ہوا۔

جناب احمد علی صاحب نیازی بریلوی (عرف بقن صاحب) راوی ہیں کہ جب انھوں نے سرکار عزیز میاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی اطلاع بابا ذہین شاہ صاحب کو خود جا کر دی تو سنتے ہی بابا ذہین شاہ صاحب رو پڑے۔ اور سرکارؒ کی تعریف کرتے ہوئے فوراً پچاس روپے کی شیرینی منگوا کر فاتحہ دی اور فرمایا کہ ہمیں بھی سلسلۂ نیازیہ رح کے بزرگوں سے بڑا فیض پہنچا ہے مجھے اس خبر پر بیحد صدمہ ہوا بہت عظیم ہستی اٹھ گئی وغیرہ وغیرہ"۔

۱؎۔ بحوالہ مسودۂ نظامی، خانقاہ نیازیہ رح بریلی۔

باب ۲۴

"قطب عالم مدار اعظم" ہونے کی آسمانی سند اور اس سے متعلق چند اہم نکتے

مندرجہ ذیل عبارت من وعن کرامات نظامیہ سے پیش کی جاتی ہے

"ایک مرتبہ حضرت نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ مع اپنے چند خلفاء کے دہلی تشریف جناب مولانا فخر الدین محمد قدس سرہ العزیز کے حضور میں حاضر ہوئے۔ مولاناؒ نے آپ کی صورت دیکھتے ہی بطور پیشنگوئی کے فرمایا او ہو ہم نے تو تم کو ایک ملک دیا تھا۔ تم تو تمام خدائی کے مالک ہو کر آئے ہو یہ سن کر حضرت نیاز بے نیازؒ جناب مولاناؒ کے قدمبوس ہوئے اور فرمایا کہ آپ ہی کا صدقہ ہے۔

اس پیشنگوئی کا ظہور دوسری ذیقعدہ ۱۲۳۹ھ ہجری روز چہار شنبہ وقت دوپہر کے ہوا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ ایک روز حضرت نیاز بے نیازؒ نے فرمایا کہ آج مجھ کو کچھ عطا ہوگا۔ اُس دن آپ منتظر رہے مگر کچھ اس کا ظہور نہیں ہوا دوسرے دن اوّل صورت مثالی حضرت غریب نواز رحؒ قرین شد صندوقچہ مقفل برسر بود چوں نزدیک رسید یکایک باز پس رفت بعد عرصہ یک ساعت صورت مثالی مذکور و صورت مثالی حضرت فخر عالم رحؒ مرئی شدند بعد یک لحظہ ہزار دو ہزار صور مقدمہ مرئی شدند۔ حضرت غریب نواز صندوقچہ روبروئے رائی نہادند۔ حضرت فخر عالم کلید را کہ در یک سوراخ ہموں صندوقچہ نہادہ بود ندبدست رائی دادند و حکم کشادن صندوقچہ نمودند۔ رائی ہر گاہ صندوقچہ

راکسور اندرون صندوقچہ یک دائرہ طلائی منقش بحروف لاجوردی وگرداگرد آں نو دونہ نام منقش برنگ لاجوردی بود نقوش متن اینست۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط یا قطب العالم و مدار الاعظم، انا فتحنا لک فتحا مبینا وھنیا لک ملکا کبیرا فاشکر اللہ العلی العظیم وادع الخلائق الی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم وثبتھم علی طریقتہ خان احب الادیان الی اللہ دین محمد رسول اللہ واقرب طرق الوصول الی اللہ طریقتہ محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ہرگاہ رائی ایں را ملاحظہ نمود وا لیر تخت کہ سابق ہم دیدہ ونشستہ بود باز نشاندند فرمودند کہ دریں صندوقچہ نودونہ سند ہست بدست فلانے بروقت آں شد کہ در تجہیز وتکفین قطب عالم عبدالطیف اینقدر زمانہ صرف شد بعد فراغت از تجہیز وتکفین ایں جملہ اشخاص دریںجا آمدند وفرمودند کہ ایں نودونہ اسناد کہ زیر ایں دائرہ ہستند یک یک کردہ بوقت وفات یک یک کس عہدہ داران قدیم با شخاص جدید کہ متوسل تو خواہند بود خواہد رسانید سہ کسی در خدمت مشار الیہ باقی نود وشش منجملہ آں سی ودو کس بملک عرب وبیکے درمیان آنہا دیس ہمہ وسی ودو کس در تمامی ہندوسی ودو کس در تمامی ولا یت ہائے توران وایران پس تا یکہزار سال دورہ اینکس خواہد ماند۔

دوم ذیقعدہ ۱۲۳۹ھ ہجری روز چہار شنبہ وقت دوپہر ایں واقعہ رونمود رائی موصوف بتاریخ ششم جمادی الاآخری ۱۲۵۰ھ ہجری بعد نماز جمعہ ازیں جہان فانی بعالم جاودانی رحلت فرمود۔ پس ایں خدمت از ابتداء تا وقت وفات رائی ممدوح دہ سال وہفت ماہ وچہار روز ماند۔ فقط"۔

نیچے عربی و فارسی عبارتوں کا ترجمہ دیا جاتا ہے تاکہ صرف اردو جاننے والے حضرات سمجھ سکیں۔

اوّل صورت مثالی حضرت غریب نواز رح کی نزدیک آئی (یہاں غریب نواز رح سے یا تو خواجہ غریب نواز اجمیریؒ مراد ہیں یا حضرت بی بی غریب نواز رح یعنی والدۂ ماجدہ رح حضور نیاز رح بے نیاز مراد ہیں۔ دونوں سے حضور قبلہ رح کو خاص نسبتیں حاصل ہیں) اُن کے سر پر ایک مقفل صندوقچہ تھا۔ یہ صورت قریب آتے آتے یکایک واپس ہو گئی۔ ایک ہی ساعت کے بعد پھر دو مثالی صورتیں نمودار ہوئیں۔ ایک وہی پہلی صورت تھی اور دوسری حضرت فخرالدین فخر جہاں رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ایک لحظہ نہ گذرا تھا کہ ہزارہا نورانی صورتیں آموجود ہوئیں۔ حضرت غریب نواز رح نے وہ صندوقچہ حضرت نیاز بے نیاز رح کے سامنے رکھا اور حضرت فخرالدین فخرجہاں رح نے قفل کی کنجی صندوقچہ کے ایک سوراخ سے نکال کر حضرت نیاز بے نیاز رح کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ وہ صندوقچہ کھولیں۔ حضرت نیاز بے نیاز رح نے جب صندوقچہ کھولا تو اس کے اندر ایک دائرۂ طلائی نکلا جس میں مندرجہ ذیل عبارت لاجوردی حروف میں لکھی ہوئی تھی۔ اور اسکے چاروں طرف لاجوردی حروف میں ۹۹ نام منقوش تھے۔ درمیان میں جو عربی کی عبارت تھی اس کا ترجمہ یہ ہے۔

حضرت نیاز بے نیاز رح جب یہ عبارت پڑھ چکے تو انہیں ایک تخت پر بٹھایا گیا جس پر وہ پہلے بھی بیٹھ چکے تھے اور اُن سے کہا گیا کہ اس صندوقچہ میں ۹۹ سند ہیں جو وقت مقررہ پر اُن اشخاص کو دی جائیں گی۔ (جن کے نام اس دائرے میں تحریر ہیں) اس وقت یہاں آنے میں تاخیر کا

سبب یہ ہے کہ قطب عالم عبداللطیف رح کی تجہیز و تکفین میں اتنا وقت صرف ہوا۔ اُن کی تجہیز و تکفین سے فراغت پاکر ہم سب یہاں آئے ہیں بعد ازاں فرمایا گیا کہ یہ ۹۹ سندیں کہ جو اس دائرہ کے نیچے ہیں ایک ایک کر کے آپ کے متوسلین میں تقسیم ہوں گی جو قدیم عہدیداروں کے انتقال پر ان کے عہدے سنبھالیں گے (عہدیداروں سے مراد غالباً اقطاب وقت ہیں جو حضور قبلہ نیاز بے نیاز رح کے متوسلین میں سے ہوتے رہیں گے) اور فرمایا کہ ان میں سے تین شخص مشار الیہ کی خدمت میں رہیں گے۔ اور باقی ۹۶ میں سے ۳۲ شخص ملک عرب میں جن میں ایک ان سب کا رئیس ہوگا اور ۳۲ تمام ہندوستان میں اور ۳۲ طوران و ایران وغیرہ کے شہروں میں ہوں گے۔ ان سب کا دور دورہ ایک ہزار سال تک رہے گا۔

یہ واقعہ دو ذی قعدہ ۱۲۳۹ھ روز چہارشنبہ دوپہر کے وقت پیش آیا۔ اور حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے ۶ رجمادی الثانی ۱۲۵۰ھ کو بعد نماز جمعہ اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ پس اس خدمت کا زمانہ ابتدائے وقت وفات حضرت نیاز بے نیاز رح تک دس سال سات ماہ اور چار دن ہوا۔ فقط [1]

درحقیقت یہ حضور قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ کا ایک نہایت واضح اور اعلیٰ "معاملہ" یا کشف ہے۔ جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ کسی کا کشف یا "معاملہ" کسی دوسرے کے لئے حجت یا دلیل نہیں ہوسکتا تاہم متوسلین سلسلۂ نیازیہ کے لئے حضور قبلہ نیاز بے نیاز

---

[1] کرامات نظامیہ

قدس سرہ العزیز کا "معاملہ" یا ارشاد عالی وہی درجہ اور اہمیت رکھتا ہے جو کسی پیغمبر کے ارشادات کا اس کی امت کے افراد کے نزدیک ہونا چاہیئے اس لئے کہ خود ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب الشیخ فی الجماعۃ کالنبی فی الامۃ۔ یعنی شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہی ہے جیسے نبی اپنی امت میں لہٰذا متوسلین سلسلۂ نیازیہ رح کے لئے ضروری ہے کہ مذکورۂ بالا کشف کے ایک ایک لفظ کو صحیح سمجھیں اور اس پر ایمان رکھیں۔ دوسروں سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ اولیاء اللہ کے تمام مکاشفات ومعاملات اسی طرح رونما ہوتے ہیں۔ یہاں دلیل ومنطق کام نہیں آتی۔ صرف ایمان ویقین کی روشنی کام آتی ہے۔ وحی پیغمبر علیہ السلام سے صرف اصحاب ایمان کو فائدہ پہنچا ابوجہلی ذہنیت والے محروم رہے۔ فخر الطالبین (ملفوظات حضرت مولانا محب النبی فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ از نور الدین حسین فخری۔ اردو ترجمہ از مولانا درد کاکوروی میں ہے۔ مرشد سے جو کچھ سنے آسمانی وحی کی طرح سمجھے اندھیری رات کا چاند جان کر یاد رکھے۔ اور اگر فرصت ہو تو کاغذ پر لکھ کر عمل کرنے کے لئے حفاظت سے رکھے کہ اس میں جو کچھ وقت صرف ہوتا ہے عبادت میں لکھا جاتا ہے" [1]

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اسی کشفی معاملہ کے ذریعہ آپؒ کو غیب سے "قطب عالم مدار اعظم" کا خطاب عطا ہوا ہے۔ اسی کی پیشین گوئی یا کم از کم اس کی طرف اشارہ آپؒ مرشد حضرت فخر الدین فخر جہاں قدس سرہ نے کیا تھا اور لاجوردی حروف کی تحریریں تو صاف صاف آپؒ کو اسی خطاب (عہدہ) کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کو محض رسمی [2] نہ سمجھا جائے بلکہ اس خطاب

---

[1] ملفوظات وحالات شاہ فخر دہلوی۔ ص ۳۱ (اردو) مطبوعہ سلمان اکیڈمی۔ کراچی۔

[2] جیسا کہ عام طور پر مشائخ کرام کے ناموں کے ساتھ تعظیماً تعریفی کلمات لکھے جاتے ہیں

"قطب عالم مدار اعظم" کو مستند عطیۂ خداوندی باور کرنا چاہئے۔ سند مذکور دنیائے ولایت پر حکمرانی کی عظیم دستاویز ہے جو ذات کی طرف سے مثل وحی یا الہام منکشف ہوئی تھی۔ اور جس کا راوی ایک علوی سید اور عظیم المرتبت مادرزاد ولی اللہ ہے جسے کافر ہی جھٹلا سکتے ہیں۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ہر قطب صاحب خدمت و مرکزیت ہوتا ہے اور اس کے زیر اثر اس کے حلقۂ اثر کے اولیا ہوتے ہیں۔ لیکن "قطب عالم" کے ساتھ "مدار اعظم" کا استعمال یہ واضح کر رہا ہے کہ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز ایک ایسا محور یا مدار مقرر کئے گئے ہیں جن کے گرد دنیا کے اقطاب ایک ہزار[1] سال تک گھومتے رہیں گے۔ (محور نہ ہو تو چاک یا پہیہ اپنا کام انجام نہیں دے سکتا)۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ یہ اقطاب اور صاحب خدمت حضرات خود حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے سلسلۂ عالیہ میں ایک ہزار[1] سال تک ہوتے رہیں گے۔ (کسی کو پتہ چلے یا نہ چلے لیکن۔ منشاء الٰہیہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

پانچواں نکتہ یہ ہے کہ اس کشفی معاملے نے ثابت کر دیا کہ سلسلۂ قادریہ چشتیہ رح نیازیہ رح کی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر میں بڑی عظمت ہے چنانچہ اس کے متوسلین اس بات پر جتنا فخر کریں کم ہے۔ لیکن خالی فخر بے کار ہے ؎

میراث پدر خواہی علم پدر آموز   کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ناچیز مولف یہاں ایک نکتہ کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ وہ یہ

---

[1] ۔ قیاس کہتا ہے کہ اس سے دوام یعنی ہمیشہ ہوتے رہنا مراد ہے جیسا کہ عموماً روایات میں دس ستر یا بہتر گنا اجر کا ذکر ہے لیکن بے انتہا یا عظیم اجر مراد لی جاتی ہے۔

ہے کہ عام طور پر لوگ غوث۔ قطب۔ ولی وغیرہ کو "مداری کا تھیلا یا صندوقچہ" سمجھتے اور اُن سے صرف محیر المعقول شعبدوں کے صدور کی توقع رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اسلامی روحانی نظام اور اس کے تنظیمی مرتبوں یا عہدوں کے لئے مقررہ اصطلاحات ہیں تاکہ عوام میں بے چوں وچرا اطاعت کا جذبہ پیدا کرنے میں سہولت پیدا ہو کیونکہ جذبۂ اطاعت کے بغیر کسی محکمہ میں نظم وضبط برقرار نہیں رہ سکتا ان بزرگوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) صاحب ارشاد اور (۲) اہل خدمت صاحب ارشاد بزرگوں کا اصل فریضہ، اللہ ورسولؐ کی طرف بلانا۔ لوگوں کو عشق خدا ورسولؐ میں مبتلا کرنا اور انھیں "توحید حق" پر قائم کرنا ہے۔ اور صاحبان خدمت کا اصل فریضہ خاموشی اور پوشیدگی کے ساتھ مقررہ خدمات انجام دینا ہے۔

بعض خاص الخاص حضرات صاحب ارشاد بھی ہوتے ہیں اور صاحب کرامات بھی قطب عالم۔ مدار اعظم حضرت شاہ نیاز احمد صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی میں دونوں صفات بدرجہ کمال موجود تھیں۔

باب ۲۵

اتباع شریعت اسلامیہ

اتباع شریعت اسلامیہ کی اہمیت ہر مسلمان کے لئے بنیادی ہے۔ اس کے بغیر نہ کوئی شخص مسلم ہو سکتا ہے نہ مومن۔ ولی اللہ ہونا یا خدا کا محبوب و برگزیدہ بندہ بننا تو بہت دور کی بات ہے۔ ہاں کمسن بے شعور بچے۔ پاگل اور دیوانے، احکام شرعی کی پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح مجذوبوں اور مغلوب الحال اللہ والوں کو بقید و بحد جذب و مغلوبیت اتباع شریعت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ رہتے ہوش ہیں نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں۔ لیکن ذی ہوش مشائخ کرام اگر بلا عذر شرعی، اتباع شریعت سے گریز کریں تو وہ دوہرے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ اس کا اثر ان کی پیروی کرتے والوں پر بھی برا پڑتا ہے۔ البتہ وہ جب "عشق حقیقی" کی بدولت موتوا قبل انتموتوا کی منزل پر پہنچ جائیں۔ اور حدیث قریب فرائض کے باعث خود اللہ ان کے ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ کان۔ اور زبان بن جائے تو ا[illegible] رحلے میں ان کا اتباع یا عدم اتباع ایک معمہ یا سرابیہ بن جاتا ہے۔ اس کے متعلق زبان کھولنا کم نظری اور بے ادبی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی رح نے اس مقام کی وضاحت یوں

کی ہے۔ ؎

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زِ راہ و رسم منزلہا

بہر حال مذکورۂ بالا منزلوں سے ہٹ کر اتباع شریعت ہر حال میں ضروری ہے لیکن اس کی روح عشق حقیقی ہے جو فنا فی الشیخ، فنا فی الرسولؐ اور فنا فی اللہ بننے کا مقتضی ہے۔ ورنہ اتباع احکام شرعیہ بے روح رہیگی قرآن پاک کی اس آیۃ میں . . . .

. . . . میں بھی لفظ فَاتَّبِعُوْنِیْ آیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ "پس میری اتباع کرو"[1] اور اس حکم کی کامل بجا آوری اُس وقت ہوگی جب ہم حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قال و حال۔ آپؐ کے ظاہر و باطن یعنی قالب و قلب دونوں حالتوں کی پیروی اختیار کریں۔ لیکن عالمانِ کم نظر اور زاہدانِ بے بصر نے فاتبعونی کا مطلب صرف قال رسولؐ کی پیروی لیا ہے اور حال رسولؐ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ بالکل نہیں تو زیادہ سے زیادہ ضرور نظر انداز کر دیا ہے۔

(۲) اس تمہید کے بعد ناچیز مصنف عرض کرتا ہے کہ مذکورہ اوصاف کے ساتھ مخلص اولیاء اللہ و اصل مشائخ کرام سے بہتر "اتباعِ شریعت" کا نمونہ کوئی دوسرا گروہ "معلمین" نہ پیش کر سکا ہے نہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ

---

[1] یہ آیۃ قرآنی متعدد نکاتِ عرفانی کا گنجینہ ہے جن کی وضاحت کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہاں صرف دو ایک نکتے مذکور ہیں۔

دونوں گروہ۔ بلحاظِ امورِ ذیل ہم پلہ نہیں ہوتے۔

(الف) ذرائع علم۔ (اولیاء اللہ و مشائخ کرام کا علم۔ کتابی بھی ہوتا ہے اور کشفی بھی۔ دیگر معلمین کا صرف کتابی ہوتا ہے۔)

(ب) تصور شریعت۔ (گروہ اولیاء و مشائخ۔ شریعت کو قال و حال دونوں پر مشتمل سمجھتے۔ حال کو زیادہ اہم جانتے۔ عوام الناس میں محبت و نرمی کے ساتھ ہر دو شقوں کی تبلیغ کرتے اور اپنے حسن اخلاق میں کشش پیدا کر کے دلوں کو مسخر کرتے ہیں۔

لیکن دیگر معلمین غرور و خشک مزاجی کے مجسمے بن کر تبلیغ کرتے اور ذرا ذرا سی فروعی باتوں پر کفر سازی کی تلوار چلاتے ہیں۔ ان کی "شریعت" فقط قال تک محدود ہے۔ اس میں بھی صرف فروعی امور تک۔ اہم اصول معاشرت و معیشت کی تبلیغ سے انھیں دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کے دائرۂ اسلام میں صرف وہی آتے ہیں باقی سب کافر ہیں۔

(ج) طریق تربیت اور ذاتی نمونہ اولیاء و مشائخ واصلین کا نظام بیعت و تربیت ان کا ذاتی نمونہ۔ مجاہدہ و ریاضت اور محبت و شفقت کے ساتھ تعمیر سیرت کرنا۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے لئے کرنا۔ دیگر گروہ معلمین کو نصیب نہیں ہے۔ نہ انھیں تقدس و ہمت افزائی کی وہ خانقاہی فضا میسر ہے۔ جو مشاہیر مشائخ کرام نے طالبان حق کے لئے مہیا کی۔ وہ (یعنی دیگر معلمین) صرف لیکچر بازی اور کفر سازی کی مشین بن کر رہ گئے ہیں۔

مذکورۂ بالا گذارشات منصف مزاج ناظرین پر یہ حقیقت واضح کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اولیا اللہ اور مشائخ کرام سے زیادہ کوئی دوسرا گروہ معلمین صحیح معنوں میں نہ شریعت محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتا ہے نہ اس پر عمل پیرا ہے۔ نہ مشائخ کرام سے زیادہ کسی دوسرے گروہ کو تبلیغ اسلام میں کامیابی نصیب ہوئی۔

مشائخ کرام کے حقیقی ادب واحترام اور ان کے تابعداروں کے پرخلوص ذوق وشوق۔ نیز ان کی کثرت تعداد کو دیکھ کر ان کے خلاف ان منافقوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ گروہ فقرا ومشائخ۔ شریعت کی پابندی نہیں کرتے۔ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ یہ بہتان تراشی صرف حاسدوں، کم علموں۔ اور ہٹ دھرم معلموں کا شیوہ ہے۔ جو اپنے مخاطبوں یا مریدوں کو عشق خدا ورسولؐ میں مبتلا کرنے اور اپنے حسن اخلاق سے غیر مسلموں کے قلوب مسخر کرنے کی تعلیم وتربیت دینے کے بجائے مسلمانوں کو کافر بنانے اور دیگر اقوام کو گالیاں دینا سکھلاتے رہتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات مشائخ کرام کے چند نااہل متبعین و مریدین بھی اپنے طرز عمل سے اپنے بزرگوں کی بدنامی کا باعث بن جاتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داری خود ان پر عائد ہوتی ہے۔ مشائخ کرام پر نہیں۔

حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی تمام زندگی اتباع شریعت اسلامیہ واخلاق وسیرت محمدیہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین اور کامل ترین نمونہ تھی۔ ہم آپؒ کی عالی نسبی، خاندانی سیادت و نجابت

احداد امجاد اور والدین کی شان فقر و ولایت اور ان کا فیضان تربیت خود آپ کی پیدائشی ولایت، آپ کے بچپن کے غیر معمولی حالات محب النبی حضرت فخر الدین فخر جہاں قدس سرہ العزیز کی صحبت و تربیت خاندان حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ میں رشتہ ازدواج اور فیوض روحانیت قادریہ کے ساتھ خاص الخاص نسبت و روابط۔ سلاسل قادریہ و چشتیہ کی صحیح جانشینی۔ بریلی میں آپ کے مدرسہ و خانقاہ میں آپ کی سرگرمیاں اور ہر دو کے ذریعہ آپ کی بہترین انسانی خدمات کا ذکر گذشتہ اوراق میں بالتفصیل کر چکے ہیں۔ اور آئندہ صفحات میں بقیہ حالات اور آپ کی بعض کرامات کا ذکر کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ جیسے جید و متبحر عالم۔ رفیع المنزلت اولیا گر ولی اللہ اور عظیم المرتبت، انسانیت نواز معلم شریعت و طریقت و عارف حقیقت کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی تعلیم و تربیت، آپ کے معمولات و ماحول میں عدم اتباع شریعت کا شائبہ بھی ہو سکتا ہے۔

آپ کے بعض اشعار (جن سے مخالفین کو مذکورہ غلط فہمی ہوئی یا ہو سکتی ہے۔) کی وضاحت ہم باب۔ ۔ میں کر چکے ہیں یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کی بعض دیگر تصانیف سے ہم دو ایک اقتباسات یہاں پیش کرتے ہیں جن میں اتباع شریعت کی مثبت تاکیدیں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

رسالہ راز و نیاز۔ تصوف کے مبتدی طلبا کے نصاب میں شامل تھا اس میں ایک جگہ یہ درج ہے۔ پس اول باید کہ علم مامورات و منہیات

حاصل کنند۔ مامورات را بجا آورد و از منہیات اجتناب نماید۔ در حسن مامورات و قبح منہیات فکر بلیغ نہ کنند۔ چہ بسا مامورات کہ عقل جزوی مامردم بہ مصالح و مقاصد آنہا نمی رسد۔ بلکہ موافق فرمودۂ شارعؐ حلال را حلال و حرام را حرام و واجب را واجب و مستحب را مستحب یقین کردہ عمل فرمایند“۔

ترجمہ (” لہٰذا سب سے پہلے اوامر و نواہی کا علم حاصل کرے۔ اوامر کی تعمیل اور نواہی سے پرہیز کرے۔ اوامر کی خوبیوں اور نواہی کی برائیوں میں زیادہ غور و خوض نہ کرے۔ کیونکہ اکثر ہماری محدود عقل ان احکامات کے مقاصد و مصالح کے کہنہ تک نہیں پہنچتی لہٰذا جناب شارع علیہ السلام کے فرمان کے مطابق حلال کو حلال۔ حرام کو حرام۔ واجب کو واجب اور مستحب کو مستحب یقین کر کے عمل فرمائیں“ [۲]

”مبتدی کی تعلیم کے بعد اب ذرا منتہی کی تعلیم بھی ملاحظہ فرماتے چلیے۔

حضرت رحؒ اپنے سجادہ نشین شاہ نظام الدین حسین صاحبؒ کے خلافت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں [۳]

” وصیتہ بالذکر والصلوٰۃ ان یامر نفسہ بما امر اللّٰہ و ینہی نفسہ عما نہی اللّٰہ “

یعنی ذکر اور نماز کی وصیت کی جاتی ہے (نیز) یہ کہ اُن اوامر کو (کماحقہٗ)

---

[۱]۔ واضح رہے کہ وہ مرید پہلے ہو چکا ہے یعنی اسے عشق و عرفان حق کے راستے پر لگا دیا گیا ہے اس کے بعد یہ ہدایت ہے [۲] رسالہ راز و نیاز (قلمی) مصنفہ حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ [۳] کرامات نظامیہ۔ ص ۷۹۔

بجالائیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اُن نواہی سے پرہیز کریں جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے۔

یہ عبارت خانقاہ نیازیہؒ کے خلافت ناموں کا جزو لاینفک بن گئی ہے۔" [1]

کرامات نظامیہ، دیگر تحریرات اور خاندانی روایات، سب شاہد ہیں کہ آپؒ نماز فجر کی امامت مکان پر یعنی خانقاہ میں خود ہی فرمایا کرتے تھے وضو میں بہت مبالغہ فرماتے۔ تقریباً ہر وقت باوضو رہتے۔ روزانہ قبل ظہر درس میں شامل ہونے والوں طلبا کو ہمراہ لیکر بی بی جی کی مسجد میں تشریف لے آتے اور نماز ظہر پڑھانے کے بعد جنوبی حجرے کے سامنے تخت [2] پر جلوہ افروز ہو جاتے تھے۔ عشا کی نماز تک تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے تھے [3] نماز عشا، پڑھ کر واپس مکان تشریف لے آتے تھے قلیل غذا نوش فرمانے کے بعد خانقاہ میں آجاتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

معمولات کا مفصل ذکر کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۲ پر پڑھیے۔ حضرت قبلہ الحاج محبوب میاں صاحب مدظلہٗ (برادر محترم حضرت شاہ عزیز میاں صاحب قدس سرہ العزیز) نے ناچیز مصنف تذکرۂ ہذا کو نوٹ کرایا۔ کہ بی بی جی کی مسجد میں آپؒ کا مدرسہ تقریباً پچیس تیس سال قائم رہا۔ جب حالت استغراق رہنے لگی، تو مدرسہ مذکور بند کر دیا گیا۔

---

[1] - مسودہ نظامی۔ خانقاہ بریلی۔

[2] - ناز و نیاز حصہ اول۔ صفحہ ۵۴

[3] - کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۱۵

خانقاہ نیازیہ رہ سے متصل حضرت نیاز بے نیاز کی والدہ ماجدہ نور اللہ مرقدہا کی بنوائی ہوئی مسجد آج تک قائم ہے جس میں ہمیشہ کی طرح آج بھی با جماعت پنجوقتی نمازیں ہوتی ہیں اور جمعہ کی نماز بالخصوص حضرتؒ کے جانشین پڑھاتے ہیں اور خطبہ بھی وہی پڑھتے ہیں۔

خلاصۂ بیان یہ ہے کہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے اپنی تعلیمات اور عملی زندگی میں الف سے ی تک مکمل و معیاری اتباع شریعت کا نمونہ پیش فرمایا جس کی پیروی سے ملت اسلامیہ کو دین و دنیا کی سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ کی زندگی نظری و عملی اعتبارات سے فقر و درویشی ریاضت و مجاہدہ اور اصلاح ملت اسلامیہ کے لئے ایک سعی مسلسل تھی نیز شریعت و طریقت کے اتباع کے لئے عامی و عالم۔ صوفی و زاہد مجاہد پرہیزگار اور عابد شب بیدار۔ سب ہی کے لئے زندہ نمونہ و بے مثل یادگار ہے۔

فصل ۔ ۲

معمولات و مصروفیات کا خلاصہ

آپؒ فجر کی سنتیں اوّل وقت پڑھ لیتے اس کے بعد فرض نماز پڑھ کر لیٹ جاتے تھے (اکثر باہر خانقاہ میں امامت فرماتے اور اندرون خانہ اگر قدرے آرام فرماتے تھے) موسم کے لحاظ سے لحاف یا رضائی یا چادر سے منھ ڈھک کر سو جاتے تھے ۔ جب خوب دن نکل آتا تو بیدار ہوتے۔ حقہ حاضر کیا جاتا۔ اس کے بعد وضو فرما کر زائرین و طالبان خدا کی خدمت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ دوپہر کو اندر حویلی میں تشریف لے جا کر کھانا نوش فرماتے تھے (آخر زمانہ میں یہ غذا صرف چند لقمے رہ گئی تھی) اس کے بعد قیلولہ فرماتے ۔ قیلولہ سے بیدار ہو کر وضو فرماتے۔ وضو کے معاملے میں آپ کا اہتمام بڑھا ہوا تھا۔ ہمہ وقت باوضو رہتے تھے ۔ روزانہ دو بجے دن کو اپنے درس میں شامل ہونے والے طلبا کو ساتھ لیکر بی بی جی کی مسجد میں تشریف لے آتے تھے نماز ظہر پڑھانے کے بعد جنوبی حجرے کے سامنے تخت پر جلوہ افروز ہو جاتے تھے۔ اور عشا کی نماز تک تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے تھے۔

نماز عشا پڑھ کر مکان پر واپس تشریف لاتے ۔ قلیل غذا نوش فرمانے کے بعد خانقاہ ہی آجاتے تھے ۔ یہاں جن لوگوں کو جو دشواریاں ہوتیں وہ سنتے اور انھیں حل فرماتے تھے ۔

شب میں بارہ بجے کے بعد نماز تہجد سے فارغ ہو کر خاندانی اوراد و وظائف

میں مشغول ہوتے (گویا آپ صرف دو ڈھائی گھنٹے ہی آرام فرماتے تھے ۔ مصنف تذکرۂ ہذا) اس سے فراغت پاکر بارہ سو[12] ضربیں نفی و اثبات کی لگاتے پان نوش فرماکر پھر مراقب ہو جاتے ۔ ابتدائی شغل سے شروع کرکے صبح نماز فجر سے قبل اپنے مقام پر پہنچ جاتے تھے "[1]

شیخ کے احکامات کی تعمیل

"ایک دن حضرت ناج الاولیا رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضور اس ضعف اور اس حال میں جو آپ کا مقام ہے ۔ اب آپ کو تکلیف ضرب نفی و اثبات کے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے " فرمایا " میاں سچ ہے ۔ مگر جب سے شیخ نے حکم دیا ہے ممانعت نہیں کی ۔ پھر میں کیسے ترک کروں "[1] مرزا احمد اختر دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ " بالکل قدم بہ قدم حضرت مولانا (فخر الدین دہلوی) کے تھے "[2]

---

[1] ۔ ناز و نیاز و کرامات نظامیہ ۔ (یہ اقتباس جستہ جستہ پچھلے صفحات میں بھی دو ایک جگہ دیا جاچکا ہے ۔ یہاں جملہ مصروفیات کا ذکر یکجا کرنا مقصود تھا لہٰذا تکرار کی گئی تاکہ آپ کے معمولات و مصروفیاتِ مسلسل کا پورا نقش قاری کے ذہن پر مرتسم ہوسکے ۔ ناچیز مصنف ۔ [2] تذکرۂ اولیائے ہند ۔ ص ۲۷۳ ۔

باب ۲۶

اَعراس اَور فاتحائیں

حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز اور حضرت مولانا شاہ فخر الدین محمد دہلوی قدس سرہ العزیز کے عرس بڑی دھوم دھام سے کرتے تھے اور ہزاروں آدمی ان عرسوں میں شریک ہوتے تھے۔ کیونکہ ان موقعوں پر بھی آپ اپنے غیر مسلم زائرین کا خاص خیال رکھتے تھے۔ محفل کے بعد آپ تبرک کی تقسیم میں بتاشوں کو پسند فرماتے تھے کیونکہ ان کو ہندو مسلمان سب یکساں لے سکتے ہیں۔ کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔[۱]

ان عرسوں کے علاوہ ہر پنجشنبہ کو قوالی ہوا کرتی تھی[۲]

قیاس غالب ہی کہ مذکورۂ بالا اعراس اور فاتحاؤں کے علاوہ اور بھی متعدد فاتحائیں (سالانہ و ماہانہ) ہوا کرتی ہوں گی۔ مثلاً حضور غوث الاعظمؒ کی سالانہ و ماہانہ فاتحہ۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی اجمیری

---

[۱]۔ سلسلۂ نیازیہؒ کی تمام شاخوں اور خانقاہوں میں آج تک بتاشے ہی تقسیم کئے جاتے ہیں

[۲]۔ رجسٹر یادداشت۔ ڈاکٹر مسعود نظامی۔

اور عمدۃ الاولاد غوث الاعظم رح حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رح۔ شہدائے کربلا رح کی فاتحائیں۔ رجب شعبان۔ رمضان۔ ربیع الاول وغیرہ کی اہم فاتحائیں۔ اپنے والدین رح اور دیگر بزرگوں کی فاتحائیں اور اعراس وغیرہ ان کے علاوہ مشائخ کرام بالعموم اس امر کے عادی ہیں۔ کہ روزانہ تلاوت قرآن پاک کی تلاوت اور اپنے اوراد و وظائف سے فارغ ہوکر اپنے بزرگوں، عزیزوں، محبوں۔ مریدوں معتقدوں، بلکہ جملہ مومنین و مومنات اور مسلمین و مسلمات کی ارواح کے لئے فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے اور مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ خانقاہ میں بزرگوں کے مزارات ہوں یا مکان سے دور کچھ فاصلے پر ہوں۔ وہاں جاکر روزانہ فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب اور قدمبوسی کرتے ہیں۔ عموماً پنجشنبہ جمعہ اور عید بقرعید میں نیز دیگر خاص مواقع پر عام قبرستان میں جاتے اور ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اس کار خیر سے عبرت حاصل ہوتی مردوں کو ثواب پہنچتا۔ دنیا سے دل بیزار ہونا اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر مشائخ کرام بالخصوص ہمارے بزرگوں کے معمولات میں یہ امور داخل ہیں۔ لہٰذا یقیناً حضور قبلہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں بھی یہ اعمال حسنہ داخل رہے ہوں گے۔ اسی بنا پر ہم نے ان کا ذکر یہاں کیا ہے۔

لہ۔ ناچیز مصنف کے مرشد گرامی رح اور دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے (جبلپور بھارت) پر مذکورہ تمام معمولات پر عملدرآمد ہوتا تھا اور موصوفین نے ان امور پر عملدرآمد کا مشاہدہ خانقاہ بریلی میں کیا تھا۔

ہمارے اس قیاس کی تائید اُسی اصول سے ہوتی ہے۔ جس کا ذکر ہم باب ۳ ۔ ۔ ۔ ۔ میں بسلسلۂ آداب محافل سماع کر چکے ہیں۔ یعنی (۱) اولاً ہر خانقاہی معمولات کا ڈھانچہ بنیادی طور پر، زینہ بزینہ۔ ایک جانشین سے دوسرے جانشین کے دور کو منتقل ہوتا ہوا سیکڑوں سال تک برقرار رہتا ہے۔ برقرار رہتا ہے۔ (۲) ثانیاً۔ ہر دور کے خلفاء مجاز بھی اپنی اپنی جگہ اسی ڈھانچے کو برقرار رکھتے ہیں۔ یعنی بنیادی طور پر اپنی معمولات پر عمل کرتے جو ان کے بزرگانِ سلسلہ کے درباروں میں رائج رہتے ہیں۔

اس طرح یہ روایتی سلسلہ "تاریخ کی مستند عملی کڑی بن جاتا ہے۔ اور اُس "شہادت" سے کہیں زیادہ مستند ہوتا ہے جو تاریخی کتابوں میں کسی ایک فردِ واحد کی محض روایت کے طور پر درج ہو۔ کیونکہ جیسا اوپر مذکور ہوا۔ ایک مستند دربارِ طریقت سے دوسرے دربارِ طریقت کو معمولات ومراسم کا ذمہ دارانہ طور پر منتقل ہونا بذاتِ خود تو مستند ہوتا ہے لیکن مزید سند یہ ہے کہ ہر د ادوار کے سیکڑوں ہزاروں اشخاص مشاہدہ ان کی تصدیق کرتا ہے۔ ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اس مشاہدے اور منتقلی کے "مستند تسلسل" کی نظیر دینی احکام پر عملدرآمد کے سوا "جماعت" یا "نظام" میں ملتی ہی نہیں۔ جماعتِ صوفیہ کا نظامِ طریقت ہی وہ واحد، منفرد نظام ہے جہاں مذکورہ مباحات کا سلسلۂ منتقلی ٹھوس تاریخی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے محض قیاس آرائی نہیں کہا جا سکتا۔

لہٰذا ہم اپنے پیرانِ عظام کے معمولات ومراسم کو بھی "مباحات"

کی حیثیت سے اختیار کرتے ہیں اور اس میں اپنے زمانے کے تقاضوں کے پیشِ نظر مناسب ترمیم بھی کرسکتے ہیں بشرطیکہ وہ اصل مقصد کے منافی نہ ہو۔

نہ وہ "مباحات" جن پر بزرگانِ دین بالخصوص اولیاء اللہ و مشائخ کرام نے عمل کیا ہو "خلاف شریعت" ہو سکتے ہیں نہ ان میں مناسب ترمیم اس شرط کے ساتھ کہ وہ اصل مقصد کے منافی نہ ہو۔ "خلاف شریعت" ہو سکتی ہے۔ "بدعت" یا "خلاف شریعت" کہنے والے وہی "متشدد اشخاص" ہیں جو سماع۔ عرس۔ میلاد شریف۔ قیام و سلام مدرسہ وغیرہ سب کو "بدعت" "شرک" یا "خلاف شریعت" کہا کرتے ہیں۔ بہر حال ہم ان "متشددین" کے قائل نہیں ہیں۔

ہم اولیائے کرام کے مشرب و مسلک کے قائل ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ ؎

یا اولیا ست حشر محبان اولیا

دنیا زبے نیاز رہ

یہ محض خوش اعتقادی نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و احادیث اور عمل اولیائے کرامؒ سب ہماری تائید میں ہیں۔ جس کی تفصیل دیکھنا ہو تو ہمارے طبقے کی بے شمار مستند۔ معتبر اور مدلل کتابوں میں دیکھیں۔ یہاں کسی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ اس کی ضرورت ہے۔ جسے جو راہ پسند ہو اختیار کرے۔

آپؒ کے جانشینوں کے دور میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ ان کے حالات میں بیان ہونگی انشاء اللہ العزیز۔

باب - ۲۷

اخلاق و عادات

(۱) غریبوں سے سلوک

حضرتؒ کے مزاج میں انتہائی استغنا کے ساتھ ساتھ انتہائی عاجزی وانکساری تھی۔ آپ کی بنیادی تعلیم یہی تھی کہ فقرا و مساکین سے محبت کی جائے، اور سلاطین و امرا کی صحبت سے پرہیز کیا جائے۔[1] لہٰذا جہاں آپ امراء ورؤساء کی ہدیوں اور دعوتوں کے قبول کرنے سے اعراض فرماتے تھے۔ وہاں غریبوں اور چھوٹے طبقے کے لوگوں کی پاس خاطر میں سب کچھ قبول فرما لیتے تھے بریلی کے مریدوں میں ایک صاحب نوری جلاہے بھی تھے سال میں ایک بار حضرت رح اور خانقاہیوں کی دعوت کرتے تھے۔ حضرتؒ اس دعوت کو خوشی سے قبول فرماتے تھے اگرچہ دعوت کے کھانے میں کوئی چیز بھی حضرت کے موافق طبع نہیں ہوتی تھی کھانے میں گائے کا گوشت اور اس میں مرچوں کی افراوانی ہوتی تھی حضرت رح تو کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیتے تھے۔ لیکن ولایتیوں

---

[1] ووصیۃ بالذکر والصلوٰۃ ..... وان یحب المساکین والفقراء ولا اصحاب السلاطین والامراء

کا حال خراب ہو جاتا تھا۔ چھینکوں اور آنسوؤں سے پریشان ہو کر کہتے تھے کہ "میاں نوری! تم نے تو خدا کے سامنے رونے کے لیۓ ایک آنسو بھی آنکھ میں نہیں چھوڑا" حضرت کو میاں نوری کی اس قدر خاطر منظور تھی کہ ان لوگوں کو یہ جملے بھی نہ کہنے دیتے تھے۔[1]

مریدین پر شفقت آپ مریدین پر شفقت کی نظر رکھتے اور اولاد کی طرح ان سے پیش آیا کرتے تھے ان کی اصلاح وتربیت بھی اسی جذبہ کے ساتھ فرماتے۔ البتہ اصلاح حال اور شغل و اشغال میں لاپرواہی یا غفلت کرنے والے افراد سے خوش نہ ہوتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپؒ کی نظر میں ہر وہ شخص محبوب تھا جو اللہ کے لئے جدوجہد کرے یوں عام نظر کرم ہر شخص پر، خصوصاً ہر مرید پر تھی۔ ایک واقعہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس سے مریدین پر آپؒ کی شفقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ مؤلف کرامات نظامیہ فرماتے ہیں کہ "وصال سے قبل آپؒ ہوشیار تھے حضرت مخدوم عبدالشہید بارقندی خدمت میں حاضر تھے آپؒ نے ان سے فرمایا کہ میں نے جناب باری میں عرض کیا تھا کہ میرے سلسلے کے تمام مریدین کی تکلیف جاں کنی مجھ پر کر لی جائے"۔[2] اللہ اللہ کیا شفقت و رحمت تھی۔ "سلسلے کے تمام مریدین" میں قیامت تک داخل سلسلہ ہونے والے تمام مریدین آتے ہیں۔ خواہ وہ کسی شاخ سے متعلق ہوں کہلائیں گے "نیازی" سچ ہے۔

"فقیر" ہوتا ہی "رحمت" ہے۔ "فقیر" کے چار حروف ہیں۔

ف سے ماسوی اللہ سے فارغ ہو جانا۔

---

[1] ناز و نیاز۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۴۷۔ [2] کرامات نظامیہ۔

ق سے قربِ حق حاصل ہونا۔

ی سے اللہ کی یافت ہونا۔

ر سے سراسر رحمت بن جانا۔

یہ بھی واضح رہے کہ سلوک میں ترتیبِ مراحل بھی یہی رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سراسر رحمت بن جانا "فقیر" کے لئے لازمی ہے اور وہی اس کے کمال کی علامت ہے۔

سیدوں اور سیدزادوں کی عزت و تکریم

آپؒ ساداتِ کرام اور سیدزادوں کی بیحد عزت کرتے تھے اور ایک لحظہ کے لئے کبھی یہ خیال نہ گزرتا کہ وہ واقعی سید ہیں بھی یا نہیں۔ سید مشہور ہونا یا کسی کا یہ کہدینا کافی ہوتا کہ میں سید یا سیدزادہ ہوں۔ اگر کوئی غریب شخص سید کہہ کر امداد کا طالب ہوتا تو تڑپ جاتے اور حتی الامکان اس کی مدد فوراً کرتے۔ اگر خود آپؒ کے پاس اُس وقت کچھ نہ ہوتا تو اپنے کسی مرید یا خلیفہ کو رقعہ تحریر فرما کر تاکید امداد فرماتے۔ اگر وہ بے اعتنائی کرتا اور اس کی خبر آپ کو ہو جاتی تو بیحد ناراض ہوتے۔

کراماتِ نظامیہ میں ایک واقعہ مذکور ہے جو یہاں درج کیا جاتا ہے

ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب خانقاہ شریف میں حضرت رح کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ بھی مجلسِ وعظ میں تشریف لے چلیں آپ نے ہر چند عذر کیا مگر انھوں نے اتنا ہی زیادہ اصرار کیا بالآخر حضرت رح نے وعدہ فرمایا اور حسبِ وعدہ مجلسِ وعظ میں تشریف لے گئے۔ مولوی صاحبان نے بہت اچھی طرح استقبال کیا اور دالان میں صدر جگہ بٹھایا۔ ہنوز وعظ شروع نہیں ہوا تھا۔

اور لوگ جمع ہو رہے تھے۔ کہ تھوڑی دیر میں حضرتؒ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ کہ پاانداز میں ایک سید صاحب جو خاندان تو محلہ سے تھے اور بہت شکستہ حال تھے۔ کپڑے بھی پھٹے ہوئے تھے یہاں تک کہ پائجامہ بھی پورا نہیں تھا۔ گھٹنے کھلے ہوئے تھے اور وہ سب سے اخیر جگہ تشریف رکھتے تھے۔ جناب قبلہ رحؒ انھیں دیکھ کر فوراً اٹھے اور ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور سب آدمیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ سب صاحب گواہ ہیں کہ اگر خدا کے یہاں مجھ سے یہ سوال ہوگا۔ کہ تو اس مجلس وعظ میں گیا تھا تو عرض کرونگا کہ میں نے وہاں بھی تیرے رسولؐ کی اولاد کے قدموں پر سر رکھا تھا اور سلام علیک کر کے وہاں سے واپس آئے۔ جناب قبلہؒ کا وہاں سے واپس آنا تھا کہ اور مخلوق بھی واپس ہو گئی۔"[1]

آپؒ اپنے خلفاء کے خلافت ناموں میں دیگر احکام کے ساتھ یہ تاکید بھی درج فرماتے تھے کہ "سادات کی عزت کرنا"، حتیٰ کہ یہی تاکید آج تک نہ صرف مرکزی خلافت ناموں میں درج کی جاتی ہے بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے نیازیہ رحؒ شاخوں کے خلافت ناموں میں بھی حکم مذکور درج کیا جاتا ہے۔

محبت و اطاعت شیخ

ناچیز مصنف کی رائے میں یہ امر "نظام طریقت" کی استواری و کامیابی کا بنیادی ستون ہے۔ بہر حال ہم اس پر یہاں مفصل و مدلل بحث کو بے محل سمجھتے ہوئے حذف کرتے ہیں اور صرف حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے "اخلاق و عادات" کے طور پر اتنا عرض کرتے ہیں کہ آپؒ نے محبت و اطاعت شیخ ہی کی بناء پر دہلی کی سکونت ترک کر دی اور مع اہل و عیال بریلی میں سکونت اختیار کی۔ صاحبزادے کے ساتھ والدینؒ گرامی کو بھی تشریف لانا پڑا۔ جس طرح حضرت

[1] ۔۔ کرامات نظامیہ۔ ص ۳۶

خواجہ بختیار کاکی قدس سرہ العزیز نے اپنے شیخ خواجہ بزرگ سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کی محبت میں وطن مالوف کو خیرباد کہا تھا اور ان ہی کے حکم سے اُن کی مفارقت بھی گوارا کی (یعنی دلی چھوڑ کر اجمیر میں نہ رہ سکے۔ اسی طرح ہر دو صفت کا مظاہرہ آپؒ سے بھی ہوا۔ صرف جزئیات میں فرق ہے۔

آپؒ کو اسے ہر دو اشیاخ کرام رح کی ہر چیز۔ ہر حکم۔ ہر بات دل سے عزیز تھی۔ ایک بار ایک صاحب آپ سے ملنے بریلی آئے اُس وقت حضرت نیاز بے نیاز رح خانقاہ شریف میں مراقب بیٹھے تھے اور سب خلفا و حاضرین موجود تھے۔ وہ صاحب (ڈولی اٹھانے والے کہار) دروازے سے آنا چاہتے تھے اور پھر رُک جاتے تھے۔ دفعتہً حضرتؒ نے دروازہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تشریف لائیے۔ وہ صاحب آگے بڑھے۔ حضرت اٹھ کر خانقاہ کے نصف صحن تک تشریف لے گئے اور ان کے ہاتھ چومے اور اپنی مسند کے قریب بٹھلایا اور صندوقچہ منگوا کر اُس وقت جس قدر اس میں روپیہ پیسہ دونی چونی وغیرہ تھیں سب نکال کر اپنے ہاتھ سے بطور نذر کے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ صاحب بہت خوش ہو کر دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔ اس واقعہ سے حاضرین کو سخت تعجب ہوا۔ پھر غلام حسین کاتب کے دریافت کرنے پر حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ حضرت مولانا فخرالدین محمد قدس سرہ العزیز کے ڈولی اٹھانے والے کہار تھے [1]

---

[1] کرامات نظامیہ صد ۳۶

حضرات پنجتن پاک و اہلبیت رضؓ اطہار سے عشق

حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو بھی سادات کرام کی امتیازی خصوصیت کے بموجب حضرات پنجتن پاک علیہم السلام اور اہلبیت رضؓ اطہار و آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ اسی لئے آپؒ بلاخوف لومت ولائم۔ علی الاعلان، ہر اس چیز بات یا رسم کو پسند فرماتے تھے جس کا تعلق بزرگانِ مذکور سے عشق و محبت میں اضافہ یا اُن کی یاد تازہ کرنے سے ہو۔ یہ آپ کی فطرت و طبیعت کا تقاضا بھی تھا۔ اور اس میں عشق پنجتن پاک کی تبلیغ و اشاعت کی مصلحت بھی مدنظر تھی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اس معاملے میں بھی آپ کا مسلک احکام قرآنی اور سنت نبویؐ کے عین مطابق تھا۔ اور جس کا اظہار آپؒ کے پیران عظامؒ برابر کرتے آئے تھے۔ بہ الفاظ دیگر اس معاملے میں (یعنی پنجتن پاک علیہم السلام اور اہلبیت اطہار رضؓ و آل رسولؐ و سادات کرام سے عشق و محبت کے اظہار میں) آپؒ نہ تو کسی خاص فرقہ کے غلو کے حامی تھے اور نہ ہی تنگ نظروں کے ہم خیال۔ اور نہ ہی آپؒ کے عشق و محبت میں مجمع عام کا رواتی بے ہنگام جوش وخروش تھا نہ وقتی فرقہ وارانہ نمائش۔ جیسا کہ عام جلسوں، جلوسوں اور تقاریر کی بھرمار میں نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں آپؒ ہر اس رسم کو بھی پسند نہ فرماتے تھے جو حقیقی روح سے خالی ہو۔ یا ممانعت میں واضح احکام شرعی موجود ہوں۔ اور جس پر اولیاء ومشائخ کرام کا عمل رہا ہو کیونکہ آپ انہی بزرگوں کی تحقیق و عمل کو قابل عمل سمجھتے تھے۔ چنانچہ محرم الحرم میں بالخصوص اور عام مواقع پر بالعموم گفتار و کردار سے آپ کے خلوص کا اظہار ہوتا تھا۔ محض نمائش

یا رسم پرستی کا نہیں۔

اُس زمانے میں جیسا کہ آج بھی ہے، لوگ بلا لحاظ مذہب و عقیدہ، تعزیوں اور علموں کی زیارت کی غرض سے شاہراہوں اور بازاروں میں اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ نیتوں کا حال اللہ جانے لیکن لوگ کہتے یہی ہیں کہ ہم زیارت کی نیت سے جمع ہوتے ہیں۔ پھر بھی چونکہ اس طرح جمع ہونے میں چند نقائص اور خطرات بھی ہیں لہٰذا ثقہ حضرات ہر قسم کی "یازریت" سے احتراز کرتے رہیں۔

چنانچہ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز تعزیوں اور علموں کی زیارت کی غرض سے کبھی بازار تشریف نہیں لے گئے۔ البتہ شب عاشورہ کو تعزیہ کی زیارت کی غرض سے بعد دو بجے شب ضرور تشریف لیجاتے تھے اور پانچ یا سات تعزیوں کی زیارت کر کے واپس آتے۔ ایک مرتبہ عالم سورت کے رہنے والے حضرت ؒ کے ہمراہ ہوئے۔ ہمیشہ حضرت ؒ کی یہ عادت تھی کہ تعزئے کے تخت کو ہاتھ لگا کر اپنے منھ اور قلب پر پھیرتے تھے۔ مگر اس مرتبہ حضرت ؒ نے تعزئے کے تخت کو بوسہ دیا۔ اس پر مولوی صاحب کے دل میں یہ خیال گذرا کہ حضرت ؒ نے یہ کیا غضب کیا۔ حضرت نیاز بے نیاز نے ان کے خطرہ قلبی پر آگاہ ہو کر ان سے ایک تعزئے کی طرف دیکھنے کو فرمایا۔ مولوی صاحب نے دیکھا کہ تعزئے کے دونوں جانب حضرات حسنین علیہما السلام تشریف رکھتے ہیں ایک صاحب کا لباس سبز ہے اور دوسرے کا سرخ۔ مولوی صاحب کو تاب مشاہدہ نہ ہوئی۔ گر پڑے اور ان پر بیحد رقت طاری ہوئی یہاں تک کہ لوٹنے لگے اور حضرت وہاں سے دوسرے تعزئے کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔[1]

---

[1] کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۲۷

کشف صدر، نورِ فراست
علم النفس

تنبیہ۔ عقل پرست اور اولیا اللہ کے مکاشفات و مشاہدات کے منکر شاید اسے کوئی اہمیت نہ دیں لیکن انسان کے اندر جہاں اور کئی باطنی تعمیری قوتیں پوشیدہ ہیں جنھیں بالعمل بنانا دین اسلام کی (بالخصوص تصوف اسلامی کی) حقیقی روح ہے۔ وہیں یہ قوت بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے جسے بیدار کرنے پر مکاشفات ومشاہدات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسی کو قرآن پاک میں "کشف صدر" کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ
(۶ - ۱۲۶)

پس جب ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ کہ ہدایت فرمائے کسی کی (تو) کھول دیتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے۔

واضح رہے کہ یہاں "اسلام" انہی حقائق کو کہا گیا ہے جو کشف صدر کا نتیجہ ہوں۔ اور کشف صدر، اللہ کے ارادے پر منحصر ہے۔ اور اسی کشف صدر کو آیت میں ہدایتِ الٰہیہ کہا گیا ہے۔

اسی کو ایک دوسری آیۃ میں "نور" کہا گیا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔
(۳۹ - ۲۲)

پس کیا جس شخص کا سینہ کشادہ کیا اللہ نے واسطے اسلام کے۔ پس وہ ہوتا ہے اوپر نور کے اپنے پروردگار کی طرف سے۔

پس معلوم ہو گیا کہ کشف صدر، شرح صدر، نور ہدایت، نور فراست،

نورایمان وغیرہ کا تعلق اللہ۔ وحیؔ۔ نبوت۔ ایمان اور اسلام سے ہے۔
نہ کہ ہر ایک غیرے نتھو خیرے "علم النفس" یا کسی دوسرے علم سے ہے
نہ کسی غیر مسلم کے فکر و تدبر یا فلسفہ اور رائے کو یہ درجہ دیا جا سکتا ہے ہم
تو غیر مسلموں کے کشف کو بھی یہ درجہ نہیں دیتے۔ اسی لئے جوگیوں کے
کشف وغیرہ کو "استدراج" کہتے ہیں جب تک ان کا ایمان پختہ وحیؔ
و نبوت پر نہ ہو۔

سخت تعجب ہے کہ بعض تعلیم یافتہ مسلمان بھی اپنے "خزانۂ قرآنی و ایمانی"
کو مسترد کر دیتے اور کسی غیر معمولی قوت کو اولیا اللہ سے منسوب کرنے کے لئے
تیار نہیں ہوتے لیکن وہی بات اگر کوئی ماہر نفسیات کہدے یا کوئی طریقہ
"ذہنی مشق" کے نام سے تعلیم کرے تو سجدے میں گر پڑتے اور گھنٹوں۔
مہینوں بلکہ برسوں اس کی مشق کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال حضرت نیازبے نیاز قدس سرہ العزیز کی قوت مشاہدہ حقیقت
اس درجہ ترقی یافتہ تھی کہ وہ دوسروں کو بھی جس حقیقت کا چاہتے مشاہدہ
کرا دیتے تھے۔ اس کی دو چار مثالیں اور بھی آئندہ باب کرامات و تصرفات میں
بیان ہونگی۔

یہاں ذکر تعزیوں کی زیارت کا ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہم دو
ایک نکتے اور بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ محض آپؒ کی کوئی "بے روح سی"
رسم یا عادت نہ تھی بلکہ اولاً تو آپؒ اپنے عشق کے ہاتھوں مجبور تھے اور ثانیاً
آپؒ حضوری و مشاہدۂ حقیقت سے کبھی غافل نہیں رہتے تھے۔ اسی "شوق دید

کے لئے تعزیہ یا علم یا ذکر حسین علیہ السلام۔ مہمیز کا کام کرتا تھا اور تشنگی دیدار کی سیرابی کا موثر ذریعہ بن جاتا تھا۔ انما الاعمال بالنیات اعمال کے اچھے برے ہونے کا دارومدار نیت پر ہے۔

آخر عمر میں جب آپ میں قوت کھڑے ہونے اور چلنے کی نہیں رہی تھی اسوجہ سے کہ کچھ اثر فالج کا بھی ہوگیا تھا حضرت نے تعزیوں کی زیارت کا قصد نہیں فرمایا تھا۔ حضرت مستغرق بیٹھے تھے کہ صورت مثالی حضرت جناب سیدہ علیہا السلام کی مرئی ہوئی۔ فرمایا کہ میاں آج ہمارے بچوں کی زیارت کو نہیں اٹھے۔ حضرت پر رقت طاری ہوئی۔ خدام کو حکم ہوا کہ جیسے ہوسکے ہم کو لے چلو۔ عرض کیا کہ حضور کی چارپائی لے چلیں۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ جس طرح ہو پیدل لے چلو چنانچہ دو ولایتیوں نے دونوں جانب سے بغلوں میں اپنا کندھا دیا اور پانچ تعزیوں کی زیارت سے فرصت حاصل کی[1]

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۳۷

(۷)

بحث و مباحثہ سے اجتناب

آپ کو بحث میں الجھنا پسند نہ تھا بالخصوص دینی نزاعی مسائل میں بحث و تکرار کو آپ تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ البتہ اگر کوئی واقعی حقیقت حال معلوم کرنے یا صحت عقیدہ کی غرض سے کچھ دریافت کرتا تو مختصر سا جواب دے دیتے تھے۔ ایسے جوابات نہایت بلیغ ہوا کرتے اور بعض اوقات ان میں مزاح کی چاشنی یا معترض کے دل میں چبھ جانے والے فقروں کی شان ہوتی تھی، کبھی آپ کے مختصر الفاظ عبرت کا موثر درس ہوتے اور کبھی ایسی دل نشین و مسکت دلیل۔ جس پر دلیلوں کے دفتر قربان ہو جائیں مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے:۔

" مولوی اکبر علی صاحب سورتی۔ بریلی آئے۔ حضرت قبلہ نیازبے نیاز رح سے چند مسئلے دریافت کرنا چاہے۔ حضرت رح نے فرمایا کہ میں بھول گیا ہوں۔ آپ دوسرے علماء سے پوچھئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں بحث علمی کو نہیں حاضر ہوا بلکہ بغرض استفادہ حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا۔ اچھا، کہو۔

سوال اول۔ سماع میں آپ کیا حکم کرتے ہیں!

جواب:۔ فرمایا کہ ڈھولک کی آواز ایسی کان میں بھری ہے کہ دوسری بات سنائی نہیں دیتی۔

دوسرا سوال۔ تعزیہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔

جواب :۔ فرمایا۔ اگر بنا نہیں ہوگا تو میں بنانے کی اجازت نہیں دونگا۔ اسواسطے کہ کما حقہ، اس کی تعظیم نہ ہو سکے گی۔ اور جو بن گیا ہو گا تو جتنا ممکن ہوگا تعظیم کروں گا۔

تیسرا سوال :۔ یزید کے لعن کو کیا فرماتے ہیں۔

جواب :۔ آج تک اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو (اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا) اس خبیث نام سے بچایا ہے میری رائے میں ایک مرتبہ یہ نام زبان سے نکل جاوے تو دن بھر زبان کی نجاست نہیں جاتی۔ میں تو لعن یا غیر لعن اُس کا نام ہی نہیں لیتا۔ اتنی دیر حسینؑ کیوں نہ کہوں کہ قلب کو نور ایمان سے ترقی ہو۔

یہ تینوں جواب اس مزاح سے فرمائے کہ مولوی صاحب کو سکوت ہوا پھر کچھ نہ کہہ سکے۔"[1]

مصنف تذکرہ ہذا عرض پرداز ہے کہ مزاح کے علاوہ ان جوابات میں وہ دیگر خصوصیات جو ادبِ مذکور ہوئیں یعنی اختصار۔ بلاغت۔ موثر۔ مسکت دلنشین اور چبھتی ہوئی دلیلیں بھی موجود ہیں۔ اور ان سے ہمارے صحیح عقائد کا درس بھی ملتا ہے۔

حرص و طمع سے بے نیازی!

جسے عشق حقیقی کی آگ جلا کر خاک کردے وہ طمع سے پاک ہوجاتا ہے اسی لئے فقیر کی جھولی میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ درحقیقت نہ فقیر باقی رہتا ہے نہ جھولی۔ ظاہر بینوں کی نظریں خواہ کچھ بھی دیکھیں سچ کہا ہے

---

[1] کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۳۹ و ۴۰

"کہ عشق ایک آگ ہے جو سوائے معشوق کے ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے"۔

حضرتِ نیاز بے نیاز پیدائشی ولی تھے۔ اللہ نے انھیں عشق کا نام زندہ رکھنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ تمام اولیاء اللہ اسی لئے خلق کئے جاتے ہیں۔ لیکن خالق حقیقی نے حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو خاص اوصاف سے نوازا تھا۔ اسی لئے حرص و طمع سے بے نیازی بھی ان کی ایک خاص صفت تھی۔ چنانچہ آپؒ کی زندگی میں قدم قدم پر اس کا اظہار ہوتا رہا۔

بریلی میں اگر وہ چاہتے تو سردارانِ روہیلہ، جن میں اکثر آپؒ کے معتقد تھے، آپؒ کے لئے محل اور خانقاہ کے لئے عالی شان عمارات تعمیر کرا سکتے تھے۔ لیکن آپؒ نے معمولی مکانات میں قیام فرمانا پسند کیا۔ اور خس پوش خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ خود حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی ہمشیرہ (بی بی جی صاحبہ) حضرت نیاز بے نیاز رح کی والدۂ ماجدہ شاہ غریب نواز صاحبہ رح کی معتقدہ تھیں اور اسی لئے شاہ غریب نواز صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا کو معہ جملہ افراد اپنے ہی محل خاص میں ٹھہرایا تھا[1] لیکن وہ قیام عارضی تھا اور خانقاہی روایات کے بموجب زنانخانہ محلہ بانکے کی چھاؤنی میں بتایا جاتا ہے یہی روایت زیادہ قابل قبول ہے کیونکہ آپؒ کے قدیم ترین مریدین چھاؤنی والے تھے اور خانقاہ سے انھیں خصوصی مراعات حاصل تھیں[2] اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے بی بی جی صاحبہ کی خاطر سے یہ حضرات چند روز ان کے مکان متصل مسجد بہاری پور میں مقیم رہ کر مستقلاً چھاؤنی میں مقیم ہو گئے۔ مدرسہ جو بی بی جی کی مسجد

---

[1] ناز و نیاز [2] مسودۂ نظامی۔

میں آتے ہی قائم ہوا ہوگا۔ وہیں عرصہ تک قائم رہا۔ اور کسی مناسب وقت پر خانقاہ شریف بھی خس پوش حالت میں قریب بہاری پور ہی قائم کی گئی۔ یہ محلہ بعد میں حضور قطب عالم نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اور آپؒ کی خانقاہ کی شہرت کے باعث محلہ خواجہ قطب" کہلایا۔

حضورؒ کی شان بے نیازی واستغنا اس حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ کہ دنیا میں "نیاز بے نیاز" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اور آج دنیا آپؒ کو اسی نام سے پکارتی ہے اپنی بے نیازی کی وجہ خود بیان فرماتے ہیں۔

؎ مطلق کردہ ام من زوجۂ کونین را تا ندم
کہ با مہرت قبولم اتفاق افتاد ایجابم

ایک جگہ اور فرماتے ہیں۔

؎ نیاز را بمقامے کہ حق عطا فرمود
برابر ست دُرِ بے بہا بریزۂ خشت

اپنا آبائی ورثہ بھی اپنے بھائی حضرت راز احمد سے تقسیم نہیں کرایا نہ اس کے منافع سے فائدہ اٹھایا۔ ورثہ تاحین حیات بھائی کے تصرف میں رہا۔ ان کے بعد دونوں بھائیوں کی اولاد میں تقسیم ہوا۔ صرف فتوحات غیبی پر تکیہ رہا۔ کسی غیر مرید سے نذر قبول نہ فرماتے تھے[1]

خلیفہ محمد بخش اللہ خاں صاحب شاہ آبادی جو اول فوج سرکاری میں صوبہ دار تھے ایک مرتبہ بعد خلافت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی طرف سے اور دیگر غلامان کی طرف سے جو ان کے ذریعہ سے داخل

---

[1] مسودۂ نظامی۔ خانقاہ شریف۔ بریلی۔

سلسلہ تھے نذر نقد اور پارچہ وغیرہ پیش کرتے اور ایک جانب رکھتے جاتے تھے حضرت نیاز بے نیاز کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ ایک بنڈل چائے کا بھی پیش کیا حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ ہمارے کام کی چیز ہے اور اپنے دست مبارک میں لے لیا[1]

ان چند مثالوں سے آپؒ کی طبیعت کی شان بے نیازی و استغنا۔ اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس سلسلے میں آپؒ کا یہ فصیح و بلیغ شعر بھی آب زر سے لوحِ دل پر نقش کر لینے کے قابل ہے فرماتے ہیں۔

طمع فاتحہ از خلق نہ داریم نیاز ؎
عشق من در پسِ من فاتحہ خوانم باقیست

یہ سچ ہے ایک ولی کامل اور فقیر واصل کو خلق سے فاتحہ کی بھی تمنا نہیں ہوتی اس کا عشق خود ہی ہمیشہ فاتحہ خواں رہتا ہے۔

خلاصۂ بیان یہ ہے کہ حضرت قطب عالم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اخلاق و عادات میں حضور سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ تھے۔ اس میں جتنا زیادہ لکھا جائے کم ہے تذکرہ ہذا کی محدود گنجائش کے پیش نظر جو کچھ تحریر ہوا اس پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ؎

چمن میں تیرے پھولوں کی دوامی ہے فراوانی
غنی کو آپ اپنی تنگ دامانی کا شکوہ ہے

---

[1] کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۵۷

(۹)

غذا و لباس

غذا حضرتؒ کے خادم خاص منشی علی بخش کا بیان ہے کہ "آخر زمانہ میں" حضور ڈیڑھ روٹی تناول فرماتے تھے[1] زمانۂ محویت میں یہ ڈیڑھ روٹی بھی ختم ہو کر چند لقمے غذا رہ گئی تھی اگر حالت میں صحو ہوتا تو لوگ عرض کرتے کھانا حاضر ہے اور لقمے بنا بنا کر منھ میں دے دیتے۔ اگر نوش فرما لیتے تو خیر ورنہ لقمہ منہ میں ہی رہ جاتا اور آپ مستغرق ہو جاتے غرضکہ بمشکل چند لقمے حلق سے فرو ہوتے تھے[2]

غذا میں کریلے اور چائے سے بہت رغبت تھی۔ ایک موقع پر فرمایا۔ کہ "میری فاتحہ اہل ہند کریلوں پر اور اہل ولائت چائے پر کیا کریں"[1] چائے سے خصوصی رغبت کا ذکر حضرت مولوی محمد فائق صاحب نے بھی کیا ہے حضرت کی عادت یہ تھی کہ فتوحات میں سے نقد و جنس کی کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگاتے تھے ایک بار فلیسفہ محمد بخش اللہ خاں صاحب نے نذر پیش کی جس میں ایک بنڈل چائے بھی تھی حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "یہ ہمارے کام کی چیز ہے" اور اپنے دست مبارک میں لے لیا[2]۔

چنانچہ خانقاہ عالیہ نیازیہ بریلی میں آج بھی حضور قبلہؒ کے سالانہ عرس کے موقعہ پر توشہ کی فاتحہ میں کریلے کا سالن ضرور ہوتا ہے اور چائے بھی بیحد لذیذ بنتی ہے جس کا ایک مخصوص نسخہ اور تیاری کا خاص طریقہ ہے۔

---

[1] ناز و نیاز۔ حصہ اول۔ صفحہ ۵۸ (۲) کرامات نظامیہ۔ ص ۶۸

۱۰

لباس

لباس سے بھی آپ کی شان بے نیازی نمایاں تھی۔ اس میں آپ کو کسی قسم کا اہتمام یا تکلف پسند نہ تھا۔ وہ اکثر موٹے کپڑے کا ہوتا تھا۔ خانقاہ نیازیہ بریلی کی روایات سے پتہ چلتاہے کہ آپ لباس کے معاملے میں حضرت نظام الدین رح اورنگ آبادی کی تقلید فرماتے تھے اور عام طور سے موٹے کپڑے کا کرتا اور تہمد استعمال کرتے تھے۔ کلاہ طاقیہ زیب سر ہوتی تھی[1]

اخلاق وعادات کے سلسلے میں جو کچھ اوپر تحریر ہوا وہ مشتے نمونہ از خروارے کی مصداق ہے ورنہ آپ ہر اس خوبی کے حامل تھے جو آپ کے خاندانی بزرگوں بالخصوص بزرگان طریقت ومعرفت کے اخلاق حسنہ اور ان کی سیرت مبارکہ میں موجود تھی۔ درخت اپنے تخم کی تفصیل ہوتاہے اور اس کے پھل اس کی قدر وقیمت کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ہم نے سلف صالحین کو دیکھا نہیں ہے مگر ان کے صالح افراد خاندان کو دیکھ کر۔ نیز ان کی تصانیف اور تالیفات وتعلیمات سے بخوبی اندازہ ہوتاہے کہ قطب عالم مدار اعظم حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز عدیم المثال بزرگانہ وفقیرانہ اخلاق وعادات کے حامل تھے۔

---

[1] مسودۂ نظامی۔ خانقاہ شریف۔

باب - ۲۸

آپ کے چند اہم احتیاطی اُصول !

ایک اعلیٰ مثال !

معاملاتِ دین و دنیا میں آپ بالطبع بہت محتاط رہتے تھے یہی حال معاشرتی امور میں تھا۔ مثلاً جب اپنے مرشد گرامی منزلت حضرت محب النبیؐ مولانا فخرالدین دہلوی قدس سرہ العزیز کے حکم سے آپ بریلی تشریف لائے تو اپنے اہل وعیال اور دیگر افراد خاندان کو جو آپ کے ہمراہ تھے، شاہی محلات یا اپنے عقیدت مند افغان سرداروں کے پختہ عالی شان مکانات میں ٹھہرانا پسند نہیں فرمایا حالانکہ اگر آپ چاہتے تو بہ آسانی ایسا کر سکتے تھے لیکن آپ نے ذاتی انتظام سے خس پوش مکانات مہیا کر کے سب کو ان میں ٹھہرایا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ آہستہ آہستہ ضرورت کے مطابق ان ہی میں توسیم و اضافے ہوتے رہے۔ ان ہی کے قریب خانقاہ قائم ہوئی جو پہلے خام اور خس پوش تھی لیکن رفتہ رفتہ وہی پختہ اور حسب ضرورت وسیع ہو گئی۔ آپ چاہتے تو ابتدا ہی بڑے پیمانے پر کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ ماشاء اللہ آپ کے والد بزرگوار، جو آپ کے ہمراہ ہی بریلی تشریف لائے تھے، متمول اور ذی حیثیت شخص تھے۔ اور آپؒ کے بعض مریدین و

عقیدت مند روہیلہ سردار بھی اس قسم کی ہر خدمت بخوشی انجام دے سکتے تھے لیکن آپ کے احتیاطی اصولوں نے اسے گوارا نہیں فرمایا۔

سلاطین و امرا کی صحبت سے اجتناب

دوسری مثال آپ کی احتیاط کی یہ ہے کہ آپ[2] ایسے امرا و سلاطین کی صحبت سے اجتناب فرماتے تھے جن کے دل اللہ و رسول کے عشق سے قطعاً غافل ہوں۔ فقیر کو ہر آن عشق حقیقی اور ذکر حبیب سے واسطہ رکھنا ضروری ہے دربار داری دنیا پرست امرا و سلاطین کی صحبت اور ان کی مصروفیات کی فضا فقر و درویشی کے لئے ساز گار نہیں ہوتی وہ انھیں بندگانِ حق اور پاسبانِ قوم و اسلام سمجھ کر۔ صراط مستقیم پر گامزن رکھنے کی کوشش ضرور کرتے تھے لیکن مساعی اصلاح اور صحبت وہم نشینی میں بہت فرق ہے۔

اس معاملے میں حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اس قدر محتاط تھے کہ اپنے سجادہ نشین حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین حسین کے خلافت نامہ میں یہ عبارت شامل کر دی تھی

ولا یصاحب السلاطین والامراء

(یعنی تمہیں وصیت کی جاتی ہے کہ) سلاطین و امراء کی صحبت اختیار نہ کرنا کیونکہ اس زمانے میں کثرت ایسے ہی سلاطین و امرا کی تھی جنھیں اسلامی اقدار حیات سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ پھر یہ عبارت سب کے خلافت ناموں کا لازمی جزو بن گئی۔

لہ کرامات۔ ص ۶۵

نذر قبول کرنے میں احتیاط

آپؒ کسی غیر مرید سے کسی حال میں بھی نذر قبول نہ فرماتے تھے۔ البتہ مندرجۂ ذیل مقامات کے متوسلین کی اولاد مستثنےٰ تھی۔

احتیاطین

(۱) بانکے کی چھاؤنی۔

(۲) قصبہ بچھرایوں ضلع مراد آباد

(۳) شاہ جہاں پور

یہاں کے رہنے والے مریدوں کے لئے حضرتؒ کی وصیت تھی کہ اگر ان خاندانوں کے غیر مرید افراد نذر پیش کریں تو وہ قبول کر لی جائے[1] قبلہ عزیز میاں صاحبؒ کے دور میں برابر اس دستور پر عمل ہوتا رہا[2] اور موجودہ سجادہ نشین حضرت حسن سجاد صاحب مدظلہ العالی بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ اس سلسلہ عالیہ نیازیہ کے مشائخ کرام نے جہاں جہاں اپنی خانقاہیں قائم کی ہیں وہاں انھوں نے مرکزی معمولات خانقاہی اور اہم اصول دستور پر بجنسہٖ عمل کرنے کے سلسلے میں مبالغہ آمیز کوشش کی ہے۔ البتہ جزوی امور میں وقت اور ماحول کے تقاضوں کے پیش نظر ترمیم کی ہے لیکن اصول کہیں نہیں توڑا۔ پھر مرکز میں کوئی دستور، یا مخصوص جس کے لئے سرکار قبلہؒ نے وصیت بھی فرمائی ہو کیونکر ختم ہو سکتا ہے۔

بہر حال مذکورۂ بالا تین مقامات کے مریدین اور ان کی اولاد بہت خوش نصیب ہیں کہ انھیں نذر کے معاملے میں مذکورہ طور پر مستثنیٰ قرار دے

---

[1] بیان مسعود حسین نظامی [2] ایضاً

کہ ہمیشہ کے لئے اپنی بے مثال خوشنودی کی سند عطا فرما دی یہ حضرات اپنے
اس امتیازی اعزاز پر جس قدر فخر کریں کم ہے۔

شاگردوں کو ذکر بالجہر میں احتیاط کی تاکید

حضور قبلہؒ کے خانقاہی طلبہ کا ایک واقعہ کرامات

نظامیہ میں مرقوم ہے انھیں حضرتؒ کا حکم تھا کہ شہر کے باہر جاکر ذکر بالجہر کیا کریں۔
چنانچہ اس پر عمل شروع کر دیا ابھی تین ہی دن گذرے تھے کہ باغ کے درختوں
کے پتے اور پھل خشک ہو ہو کر گرنے لگے۔ مالی نے اس کا ذکر مالک سے کیا
اور کہا کہ حالانکہ خزاں کا زمانہ نہیں ہے پھر بھی درختوں کے پتے اور پھل
خشک ہو ہو کر گر رہے ہیں۔ مالک نے وجہ پوچھی تو مالی نے کہا کہ بظاہر تو کوئی
ارضی یا سماوی وجہ معلوم نہیں ہوتی البتہ دو تین روز سے میاں صاحبؒ کی خانقاہ
کے کچھ آدمی رات کو باغ میں بیٹھ کر "کوکا کرتے ہیں"

اس پر مالک باغ نے جناب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے
شاگردوں نے میرے باغ کو اجاڑ دیا۔ حضرتؒ کو خیال ہوا کہ شاید انھوں نے
باغ سے کچھ میوہ توڑا ہے لیکن مالک نے اصل ماجرا بیان کیا۔ اس پر آپؒ نے ان طلباء
کو بلا کر فرمایا کہ میں جو تم کو ذکر کرنے کے لئے جنگل بھیجا کرتا ہوں تو کیا خانقاہ میں
جگہ نہیں ہے جنگل بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے ذکر کے اثر سے شہر ویران
ہو جاتا۔ اس مصلحت سے جنگل بھیجتا ہوں اور تم لوگوں نے ان کے باغ میں ذکر
کر کے باغ کو ویران کر دیا۔ آئندہ ایسی باتوں کی احتیاط چاہئے۔ [1]

اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت اقدس رح خانقاہ یا بستی کے
اندر ذکر بالجہر کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جب
ان کے مریدوں کا ذکر اتنا پر تاثیر ہوتا تھا۔ تو خلفاء کے تصرفات کا کیا کہنا۔ اور

جب خلفاء وطلباء کا یہ عالم ہو تو خود حضرت رح کے تصرفات کا کوئی کیا احاطہ کرسکتا ہے۔

(آئندہ صفحات میں حضرت اقدس رح اور آپ رح کے چند خلفاء کے تصرفات کا کچھ ذکر کیا گیا ہے وہاں مطالعہ فرمائیے)

بحث سے اجتناب اور بعض دیگر امور میں احتیاط !!!

آپ رح بحث سے گریز فرماتے تھے تاکہ فضول وقت ضائع نہ ہو۔ اکثر بہت مختصر جواب دیتے اور کبھی مزاح میں بلیغ جوابات مل جاتے تھے۔ مثلاً ایک بار مولوی اکبر علی صاحب سورتی بریلی آئے اور حضرت قبلہ رح سے چند مسئلوں پر گفتگو کرنا چاہی حضرت رح نے فرمایا کہ میں بھول گیا ہوں آپ دیگر علماء سے پوچھ لیجئے۔ اس پر مولوی اکبر علی صاحب نے کہا کہ میں بحث علمی کے لئے نہیں حاضر ہوا ہوں بلکہ بغرض استفادہ حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضرت رح نے فرمایا۔ اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو۔

سوال اوّل:۔ سماع میں آپ کیا حکم کرتے ہیں۔

جواب:۔ فرمایا کہ ڈھولک کی آواز ایسی کانوں میں بھری ہے کہ دوسری بات سنائی نہیں دیتی۔

سوال ۲۔ تعزیہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب:۔ فرمایا کہ اگر بنا نہ ہوگا تو میں بنانے کی اجازت نہیں دونگا اس واسطے کہ کما حقہ اس کی تعظیم نہ ہوسکے گی۔ اور جو بن گیا ہوگا تو جتنا ممکن ہوگا۔ تعظیم کرونگا۔

تیسرا سوال:۔ یزید پر لعن کو کیا فرماتے ہیں۔

جواب:۔ آج تک اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو (اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کیا) اس خبیث نام سے بچایا ہے۔ میری رائے میں ایک مرتبہ

یہ نام زبان سے نکل جائے تو دن بھر زبان کی نجاست نہیں جاتی۔

میں تو لعن یا غیر لعن کیا اس کا نام ہی نہیں لیتا۔ اتنی دیر حسینؓ۔ حسین کیوں نہ کہوں کہ قلب کے نور ایمان میں ترقی ہو۔

یہ تینوں جواب اس مزاح سے فرمائے کہ مولوی صاحب کو سکوت ہوا اور پھر انھوں نے کچھ نہ کہا۔[1]

نوٹ:۔ اس ضمن میں آپ کے مزید عقائد و عمل کیا تھے آئندہ صفحات میں مناسب مقام پر مذکور ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

وضو کی احتیاط

وضو میں مبالغہ کے ساتھ احتیاط ملحوظ رکھتے اور ہر وقت باوضو رہتے تھے۔

احتیاطیں

ذکر و اشغال سے متعلق ایک خاص احتیاط

ذکر و اشغال کے سلسلے میں عام مقررہ اصولی احتیاطیں تو مدنظر رہتی ہی تھیں لیکن آپ کی ایک خصوصی احتیاط یہ تھی کہ آپ روزانہ تمام اشغال شروع سے دہراتے تھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آپ کا روزانہ دستور العمل بیان کر دیا جائے۔

دستور العمل

" حضرت بنا زبے بنا ز قدس سرہ العزیز کا یہ دستور العمل رہا ہے کہ شب کو بعد بارہ بجے وضو فرما کر اوّل تہجد ادا فرماتے پھر اپنا تمام وظیفہ خاندانی ختم کرتے

---

[1] کرامات نظامیہ از مفتی محمد فائق صاحب

د. جو قلمی بیاض کی صورت میں کافی ضخیم ہے۔ مؤلف تذکرۂ ہذا) پھر بارہ تسبیح ضرب کی ادا فرماتے۔ اس کے بعد مطلع ہونے پر ایک مسماۃ پیرانہ سال اللہ والی تھیں وہ حاضر ہو کر آدھا ٹکڑا پان کا پیش فرماتیں۔

اسے حضرتؒ منھ میں رکھ کر آنکھ بند کر لیتے اور اپنے اشتغال میں مستغرق ہو جاتے ابتدائی اشغال سے شروع فرماتے اور تھوڑی تھوڑی دیر ہر شغل کو کرتے ہوئے تا آنکہ اپنے مقام میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہوتا تو سنتیں ادا کر کے تھوڑا توقف فرماتے تھے پھر فرض (با جماعت خانقاہ ہی میں) ادا فرما کر پلنگ پر تشریف لے جاتے تھے۔ (بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور قبلہؒ ہی صبح کی نماز پڑھایا کرتے تھے) حسب اقتضائے موسم لحاف یا رضائی یا چادر سے منھ ڈھک کر سو رہتے جب آفتاب خوب برآمد ہو جاتا تو بیدار ہوتے۔ حقہ حاضر کیا جاتا اسے نوش فرماتے پھر ہاتھ منھ دھو کر وضو فرما کر باہر برآمد ہو جاتے تھے۔ یہاں طالبانِ خدا کا کام انجام دیتے (یعنی ان کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے)"۔

ایک روز حضرت تاج الاولیاءؒ نے عرض کیا کہ حضور اس ضعف میں اور اس حال میں جو آپ کا مقام ہے اب آپ کو تکلیف ضرب نفی اثبات کے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا میاں سچ ہے مگر جب سے شیخ نے حکم دیا ہے ممانعت نہیں کی۔ پھر میں کیسے ترک کروں۔ آپ کو وضو میں مبالغہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ رات یا دن

لہ واضح رہے کہ مذکورہ بالا تمام مصروفیات خانقاہ شریف میں رہتی تھیں جہاں دیگر اہل سلسلہ بھی موجود رہتے تھے۔ وہیں ایک حجرہ حضور قبلہؒ کے لئے مخصوص تھا غالباً وہیں بعد نماز فجر آپ تھوڑی دیر استراحت فرماتے تھے۔

میں جس وقت وضو ساقط ہوتا فوراً وضو فرماتے۔ حضرت تاج الاولیاءؒ نے عرض کیا کہ حضور کا ایسا تو مقام ہے پھر روزانہ مشق ابتدائی اشغال سے اس کے کیا معنے ؟ فرمایا۔ میاں موت کا وقت بہت سخت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ خاردار درخت پر باریک کپڑا ڈال کر ایک جانب سے کھینچا جائے اور اس کے تار تار ہو کر کھچیں۔ یہی حالت روح کی ہے کہ ہر رگ و ریشۂ بدن سے کھنچ کر آتی ہے۔ اُس وقت اگر اُس تکلیف سے انتشار رہا تو ہم اپنی پامردی سے جو عمر بھر کی عادت ہے ابتدا سے ہر شغل کو کرتے رہنے کی اس سے اپنے مقام اصلی تک پہنچ جائیں گے۔"[1]

دیکھا آپ نے کس قدر اہم تھی حضور قبلہؒ کی یہ احتیاط۔ آخری وقت کی نزاکت کا کتنا خیال تھا اور اُس نازک وقت سے عہدہ برا ہونے کی کیا کیا تیاریاں تھیں ہر اہل سلسلہ کو اس سے سبق لینا چاہیے۔

عطائے خلافت میں احتیاط

آپ کی خانقاہ میں خلافت و اجازت عطا کرنے کا معیار بہت سخت تھا۔ کافی جانچ پڑتال کے بعد آپ خلافت عطا فرماتے تھے۔ اس موضوع پر تفصیلی بیان باب ... میں دیکھئے

عورتوں کی بیعت میں احتیاط

آپ عورتوں کو بھی بیعت فرماتے تھے لیکن اُن کی احتیاط میں اتنا مبالغہ فرماتے تھے کہ عام طور سے آپ اپنے خلفا کے خاندان کی عورتوں کو خود مرید نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی عورتوں کی بیعت، تعلیم اور تربیت انھیں خلفا کے سپرد ہوتی تھی۔ جو عورتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں وہ سر سے

---

[1] کرامات نظامیہ۔

پاؤں تک برقعوں اور چادروں میں چھپی ہوتی تھیں ۔ تخلیہ کی صورت میں بھی اُن عورتوں سے آپ براہ راست گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ اُن عورتوں کے ہمراہ اتنی عمر کے بچے ضرور ہوتے تھے جو اُن کی بات کو حضرت تک باآسانی پہنچا سکتے آپ کے گھر کی کنیزیں بھی صاحب کرامات و تصرف ہوئی ہیں۔ (تفصیل کے لئے "کراماتِ نظامیہ ملاحظہ فرمایئے") [1]

---

[1] مسودۂ نظامی بریلی شریف۔

باب - ۲۹

خلاصۂ سیرتِ حسنہ

(آپ کی حیات، تصنیفات و تعلیمات سے ماخوذ)

۱- آپ نجیب الطرفین سید علوی تھے حسب و نسب میں عالی منزلت ہونے کے باعث اور پشتہا پشت سے جو امتیازی اسلامی اخلاق فضائل تربیت خاندان میں بطور ورثہ قائم ہو چکی تھی اور جسے اپنے والدین گرامی قدر کے توسل سے حضرت نے خود بھی اپنایا تھا۔ اس کے اثرات کے تحت، آپؒ حسن اخلاق اور سیرت و کردار میں سادات کرام رضہ کے اخلاق حسنہ و سیرت مبارکہ کا بہترین نمونہ تھے۔

۲- عشق حق آپؒ کے خمیر میں تھا۔ عمل و کردار۔ رفتار۔ گفتار، غرضکہ تمام اوصاف اُسی عشق حقیقی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اور یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ عشق پنجتن پاک رضہ میں آپؒ کو فنائیت حاصل تھی۔ اسی لئے ہر ایسی چیز یا رسم سے جو بزرگانِ موصوف سے منسوب ہوتی یا ان کے نام پر کی جاتی، آپ کو محبوب ہوتی۔

۳- آپ سادات کرام اور سید زادوں سے محبت و ادب میں غلو فرماتے تھے۔ مریدوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے اور خلفا کے خلافت ناموں میں یہ تاکید تحریر کر دی جاتی چنانچہ آج تک خاندان بنارسیہ کے خلفا کی شاخوں میں بھی یہ تاکید درج کی جاتی ہے۔

(۴) اسی طرح آپؒ اپنے والدینؒ گرامی و بزرگانِ سلسلہ بالخصوص اپنے مرشدانِ گرامی کی محبت و اطاعت اور ان کے ادب و احترام میں غلو فرماتے اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔

(۵) اللہ کی مخلوق کو آپؒ بلا لحاظ مذہب و ملت "عیال اللہ" سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان کے ساتھ دلی محبت اور پرخلوص ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ اور اسی جذبے کے ساتھ ان کی اصلاح و تربیت میں تمام عمر گذار دی۔

(۶) زمانے کے ستائے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کرتے اور آپؒ ان کے لئے دعائے خیر فرماتے۔ ان کے دل کے زخموں پر ہمدردی کے ساتھ محبت و شفقت کا مرہم رکھتے جس سے اُن کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ بلکہ آپ رح کی نظرِ کرم سے مشکلات بالکل ہی رفع ہو جاتیں۔ مریدوں اور خدمت گزاروں کے لئے تو آپؒ ہی ملجا و ماوی تھے۔ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ آپؒ اسی پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔

(۷) آپ مسلسل محنت و جفاکشی کے عادی تھے۔ تمام عمر دوسروں کی فلاح و بہبود کی کوششوں میں گذار دی۔

(۸) فقر و درویشی اور بوریا نشینی کے باوجود وجاہت دینی و علمی کو کبھی قربان نہ ہونے دیا۔ اسی لئے سجادہ پر کھڑے ہو کر کبھی کسی کی تعظیم نہیں کی خواہ رئیس ہوتا یا نواب۔

(۹) اسی طرح اظہارِ حق میں کسی کا مطلق خوف نہ تھا نہ کسی کی رو رعایت فرماتے۔ توحید وجودی کو جس طرح ڈنکے کی چوٹ اور وضاحت کے ساتھ آپؒ نے اپنے اشعار میں بیان فرمایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

(۱۰) یوں تو آپؒ دیدار معشوق حقیقی میں ہر وقت محو رہتے تھے (کیونکہ تعلیمات نیاز یہ پر مخلصانہ عمل کے بعد اس کے برعکس صورت حال ہو ہی نہیں سکتی تاہم چونکہ انسانی توجہ کم و بیش ہوتی رہتی ہے بقول حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ! گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

توجہ جب بھرپور ذات پر مرکوز ہوجاتی تو استغراقی کیفیت ہو جاتی جس کی مدت کا تعین دشوار ہے (ہمارے بزرگوں کے طریقے میں یہی بے خودی عین ہشیاری ہو زیادہ سے زیادہ محویت و استغراق مقصود حقیقی ہے تاکہ اسی عالم استغراق میں عالم فانی سے عالم باقی میں منتقلی نصیب ہو) محویت کے عالم میں بھی نماز پڑھوا لینے کی سخت تاکید تھی۔ اتباع شریعت غلو کے ساتھ فرماتے اور اپنے عزیزوں اور مریدوں کو بھی اسکی سخت تاکید فرماتے۔

(۱۱) حاکموں۔ نوابوں۔ رئیسوں اور اسی قسم کے دیگر اہل ثروت طالبانِ دنیا کی نہ تعظیم کرتے نہ ان کی نذر قبول فرماتے۔ البتہ مریدوں کی نذر بخوشی قبول فرما لیتے تھے۔ خواہ وہ برائے نام ہی ہوتی اسی طرح غریبوں کی دعوت بخوشی قبول فرماتے اور تعریف فرماتے خواہ وہ کتنا ہی خلاف مزاج ہوتا۔ بریلی کے مریدوں میں نوری صاحب کا واقعہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

۱۲۔ شاگردوں اور مریدوں کی تعلیم و تربیت میں پوری توجہ اور محنت آپ کا طرۂ

امتیاز تھا یہی وجہ تھی کہ مدرسہ وخانقاہ دونوں مرجع خلائق رہے اور دونوں مراکز سے جلیل القدر ہستیاں تیار ہو ہو کر نکلیں تفصیل مدرسہ کے حالات اور خانقاہی خدمات میں گذر چکی ہے۔

۱۴۔ آپ بیحد خوددار۔ غیور اور مستغنی المزاج انسان تھے۔ دولت اور دنیوی جاہ وثروت کی محبت کو کبھی دل میں جگہہ نہ دی۔ شروع شروع میں جس وقت آپ بریلی تشریف لائے تھے تو حافظ الملکؒ کی ہمشیرہؒ نے اپنے عالی شان مکانات میں ٹھہرانا چاہا لیکن آپنے خود اپنے زیر انتظام بانکے کی چھاؤنی میں مع اہلخانہ واعزا قیام کرنے کو ترجیح دی اور امرا کا احسان نہ لیا۔ آپ کی سیرت حسنہ کے اس پہلو پر مندرجۂ ذیل دو اشعار سے پوری روشنی پڑتی ہے۔

(۱) نیاز را بقاعے کہ حق عطا فرمود ۔۔۔ برابر ست وگرِ بے بہا بریزۂ خشت

(۲) طمع فاتحہ از خلق نہ داریم نیازؔ ۔۔۔ عشقِ من در پسِ من فاتحہ خوانم باقیست

(۱۵) آپ اپنے اصولوں کے سختی سے پابند تھے۔ غیر معمولی مقام ولایت پر فائز

لہ۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی ہمشیرہ بی بی جی حضرت نیازؔ بے نیاز رح کی والدۂ ماجدہ شاہ غریب نواز صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کی معتقدہ تھیں۔ ہٰذا صرف چند روز مسجد بی بی جی بہاری پور سے متصل ان کے مکان میں قیام فرمانے کے بعد (خاندانی روایات کے بموجب) بانکے کی چھاؤنی میں تمام افراد منتقل ہوگئے اور عرصہ تک وہیں مستقل قیام رہا۔ کیونکہ آپؒ کے قدیم ترین مریدین چھاؤنی والے تھے۔

ہونے کے باوجود آپ نے اپنے دینی معمولات ذکر واشغال و مراقبات میں آخر وقت تک فرق نہیں آنے دیا جیسا کہ گذشتہ باب میں مذکور ہو چکا ہے۔

۱۶۔ آپ نہایت سادہ اور قلیل غذا استعمال فرماتے اور لباس بھی نہایت سادہ پہنتے تھے البتہ کلاہ زرین ہوتی جو خاندان نظامیہؒ کی خصوصیت ہے۔ تفصیل گذشتہ باب میں بیان ہو چکی ہے۔

باب ۔ ۳۰

آپؒ کی روحانی قوت

قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی روحانی قوت کا اندازہ لگانا اس کے ذکر کا ادعا۔ چھوٹا منھ بڑی بات اور سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے لہذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں چند واقعات بیان کر دیئے جائیں تاکہ قارئین کو خود ہی اس حقیقت کا اندازہ ہو سکے۔ کہ آپؒ بے پناہ قوت روحانی کا مخزن تھے اس ضمن میں دو خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔

(اولاً) یہ کہ نہ آپ کے معاصرین میں کسی نے آپؒ کی سی زبردست قوت روحانی کا کبھی مظاہرہ کیا نہ آپؒ کے بعد آج تک کوئی ایسی قوت کا مظاہرہ کر سکا۔

(ثانیاً) یہ کہ آپؒ نے دوسروں کو بھی (بالخصوص اپنے خلفاء کو) ازراہ عنایت و سخاوت جسے چاہا ایسے زبردست روحانی تصرفات کی قوت بخش دی جیسا کہ متعدد خلفا کے حالات سے معلوم ہوتا ہے تاہم انھیں آپؒ کا ہم پلہ نہیں کہا جا سکتا۔ استاد بہر حال استاد ہی رہتا ہے۔

(۱) ابھی آپؒ صغر سن ہی تھے کہ آپؒ کی نسبت مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے یہ بیان کیا کہ ایک صاحبزادے ایسے ہوئے ہیں کہ اکثر لوگ ان کی نگاہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ یہ سن کر مرزا صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ برسات میں ایسے پودے بہت سے ہوتے ہیں۔ کہ جن کے پتے چکنے اور وہ ہونہار معلوم ہوتے ہیں۔ مگر آخر کو درخت تو ایک ہی دو ہوتے ہیں۔ باقی سب جاتے رہتے ہیں۔ اس کا ذکر کسی نے مولانا سے (مولانا محمد فخر الدین فخر پاکؒ سے) کیا۔ آپؒ کو ناگوار ہوا فرمایا کہ یہ وہ پودا نہیں ہے جو جاتا رہے اور حکم دیا کہ میاں کے شجرے کے شروع میں یہ آیت شامل کی جائے ھٰذِہٖ شجرۃٌ اصلُھا ثابتٌ وفرعُھا فی السماء

یہ نیازؔ بے نیازؒ کے لئے شیخؒ کی طرف سے خاص عطیہ ہے۔ کہ سوائے خاندان نیازیہؒ کے شجروں کے مولاناؒ (محمد فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ) کے دیگر خلفاءؒ کے شجروں میں بھی اس کے لکھنے کا حکم نہیں دیا۔

جب خود مولاناؒ کے خلفا کے شجروں میں اس آیت کے لکھنے کا حکم نہیں ہوا تو دوسرے خاندان کے لوگ اگر اپنے اپنے شجروں کے شروع میں اس آیت کو بطور عنوان کے لکھیں تو یہ حقیقۃً سرقہ ہے

(۲) آپ جب شکم مادر میں تھے اسی وقت سے آپ پر خاندانی بزرگان نعمت ورُوحانیت کی نظر رہی اور فیضان ولایت سے آپ مستفیض ہوتے رہے۔ جیسا کہ حضرت محی الدین دیاسنامی قدس سرہ العزیز کے اس واقعہ

لہ:۔ کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۱۸

سے ثابت ہی کہ آپ نے والدۂ ماجدۂ حضرت نیازبے نیاز رحمتہ اللہ علیہا سے دوبار بیعت لی اور اس کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں نے دوسری بار اس بچہ کی روح سے بیعت لی ہے جو تمہارے شکم میں ہے کیونکہ جب یہ پیدا ہوگا اُس وقت میں نہ ہونگا۔ (اُس وقت حضرت نیاز بے نیاز ہی شکم مادر میں تھے۔) اس واقعہ کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے

(۳) آپ بچپن ہی سے مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام وجناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی آغوش پناہ وعاطفت میں رہے اور ملت اسلامیہ کے ان سربراہان ولایت اور تاجداران روحانیت نے حضرت نیاز بے نیاز کو اپنا بچہ فرماکر اپنی آغوش عاطفت میں لے لیا۔ اور ہمیشہ سرپرستی فرمائی ، ایسے ولایت پناہ پیدائشی ولی اللہ کی بے پناہ روحانی قوت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

(۴) اس زبردست ذریعہ کے علاوہ بھی بچپن سے عالم شباب تک روحانی قوت کو بڑھاتے رہنے کے آپ کو چند دیگر ذرائع نہایت موثر وبے مثال ایسے حاصل رہے جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوئے ہوں۔ مثلاً زمانۂ شیرخوارگی ہی سے آپ کی والدۂ ماجدہ کی (جنھیں تاریخ میں "رابعۂ عصر" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے) نگاہ وتوجہ کے قوی اثرات۔ حضرت محب النبی مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی رضی اللہ عنہ کی تربیت روحانی۔ عمدۃ الاولاد غوث الاعظم رضہ حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رضی اللہ عنہ کے ذریعہ

بحکم حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خاندانِ غوثیہ میں شمولیت کا فخر اور پھر ان ہی تاجداران
ولایت و روحانیت کے ذریعہ خاندانی روحانی نعمتوں اور خزانوں کا حصول وغیرہ وغیرہ
وہ عوامل و عناصر ہیں جن کی برکتوں۔ قوتوں اور نتائج و ثمرات کا اندازہ لگانا ہم ناقصول
عقل کے بس کی بات نہیں۔ البتہ اگر عقل و شعور ساتھ دیں تو کچھ اندازہ اُن اشغال و اذکار کی فہرست
اور ان کے ثمرات سے لگایا جا سکتا ہے جو شمس التحقیق شریف اور رسالہ راز و نیاز
وغیرہ (خاندانی مسودات) میں مذکور ہیں نیز اُن اشغال و اذکار کی طویل فہرست
سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو مختلف ذرائع سے آپؒ کو عطا ہوئے (اور جن کی
تکمیل بھی آپؒ نے محنت و مجاہدہ کے بجائے منٹوں میں فرمائی ہو گی کیونکہ تائید
ربانی آپؒ کے ساتھ تھی جیسا کہ سوانح حیات سے ظاہر ہے) یہ فہرست کتاب
ہذا کے باب ...... میں، صفحات ...... پر درج ہے۔ اگر تائید
الٰہیہ سرپرست نہ ہوتی تو اتنے کثیر التعداد اشغال و اذکار و مراقبات کی تکمیل
کے لئے ایک انسانی زندگی تو کیا کئی زندگیاں بھی کافی نہیں ہو سکتیں۔ دراصل یہ خزانہ
آپ کی ذاتی نعمتوں کے لئے بطور خزانہ مع قدرت تصرف و اجراء دربار خدائے
رحمٰن و رحیم سے خاص طور پر حضور غیاث بے نیاز قدس سرہ العزیز کو عطا ہوا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ پر چاروں طرف سے "کمالات روحانی"
کی بارش ہو رہی تھی۔ تائید غیبی اور کرم ربانی کے گہرے بادل سایہ فگن تھے۔
اور باران رحمت الٰہی کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ کرامات و تصرفات کی کھیتی لہلہا
اٹھی تھی۔ اور کل مخلوق خداوندی کو استفادہ و استفاضۂ روحانی کی عام دعوت
دی گئی تھی جن کے مقدر میں تھا وہ اس سرچشمۂ ہدایت سے آپ کی حیات
ظاہری میں بلا واسطہ سیراب ہوئے باقی آپؒ کے پردۂ ظاہری فرما لینے
کے بعد اس "دریائے کوثر" سے بذریعہ جانشیناں و خلفاء سیراب ہوئے اور

آج بھی ہو رہے ہیں کیونکہ آپ سے وہ سلسلۂ عشق و معرفت جاری ہوا جسے مشیت الٰہیہ کی کامل تائید حاصل ہے۔ یہ "رود" کوثر، یہ تسنیم و سلسبیل کا مقدس دھارا، برصغیر پاک و ہند کے مشہور سلاسل طریقت کے تعلیمات اور ان کے روحانی فیوض و برکات سموئے ہوئے سلسلۂ عالیہ نیازیہؒ کی صورت میں جاری ہے

اور آپ کے جانشینانِ گرامی منزلت، جو اپنی مثال آپ گذرے ہیں، اس مستند و ٹکسالی سلسلے کی زندہ نشانیاں ہیں۔ اسی طرح آپ کے خلفائے کرام نے بھی چاردانگ عالم میں تعلیمات نیازیہؒ کی شمعیں روشن کیں جن کی ضیا پاشی سے لاکھوں طالبانِ خدا کے دل روشن ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

(۵) آفتاب ولایت نیازیہؒ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں نصف النہار تک پہنچ گیا تھا جس کا ثبوت اس سندِ غیبی کے ظہور سے ہوا جس کے ذریعہ آپؒ کو ذاتِ احدیت مآب کی طرف سے "قطب عالم مدار اعظم" کا خطاب عطا ہوا، اور ایک ہزار سال تک آپؒ کے سلسلۂ عالیہ میں، دنیا کے مختلف حصوں میں، اقطاب و اولیا ہوتے رہنے کی بشارت دی گئی۔ اس کی تفصیل ہم باب ۲۴ میں (صفحات ..... تا ..... کتاب ہذا میں دے چکے ہیں۔

اس واقعہ مبارکہ اور بشارتِ مقدسہ کے پیش نظر ہم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو "اعظم الاقطاب الدین ۱۲۹۲ھ" کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ غیب کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ راقم الحروف کے قلب پر لکھتے لکھتے بطور الہام مذکورہ الفاظ جھلکے۔ بہت پسند آئے۔ خیال ہوا کہ ذرا اعداد حروف تہجی کی جانب توجہ کی جائے۔ جمع کیا تو تاریخ موجود تھی۔ یہ تاریخ تکمیل تذکرہ ہوگی انشاء اللہ العزیز۔

(۶) یہ بھی فراموش نہ کیجیے کہ حضرت نیازِ بے نیاز قدس سرہ العزیز کو اپنے مرشدانِ عالی شان کے توسل سے سلاسل قادریہ و چشتیہ کی جانشینی بھی حاصل ہے اس لحاظ سے آپ میدانِ فقر و تصوف کی دو عظیم شاہراہوں کے مستند خضر، دو زبردست روحانی قوتوں کے مشترکہ سرچشمے جلالی و جمال کے واحد مرکز اور مذکورہ سلاسل کے اولیا گر ولی اللہ بلکہ ایسے قطبِ عالم تھے جن کے غلاموں میں صدہا سال تک اقطاب پیدا ہوتے رہیں گے۔

(۷) آپؒ کے بعض خلفا اور شاگردوں سے ایسے تصرفات واقع ہوئے اور ایسی کرامات سرزد ہوئی ہیں جن کے پیشِ نظر ان کا درجہ بھی درجۂ قطبیت ہی ثابت ہے۔ لہٰذا آپؒ کی کرامات اور قوت روحانی کا اندازہ آپؒ کے شاگردوں اور منتہی خلفا سے لگائیے جن کا مختصر ذکر کرامات نظامیہ اور رازونیاز میں موجود ہے[۱]۔ ان خلفا کے حالات کے پیشِ نظر حضرت نیازِ بے نیازؒ یقیناً "اعظم الاقطاب" ہیں۔

(۸) ان ہی وجوہات کی بنا پر برصغیر ہند کے بعض سلسلے یا خانوادے سلسلۂ عالیہ نیازیہ میں آہستہ آہستہ مدغم ہو گئے اور بعض تعلیمات نیازیہ رحو روحانیت نیازِ بے نیاز قدس سرہ العزیز کے "فیض یافتہ" ہیں۔

---

[۱] تذکرہ ہٰذا کی ضخامت بہت زیادہ ہو جانے کے اندیشے کے پیشِ نظر اس میں ان خلفاء کے حالات درج نہ ہو سکے۔ کاش کوئی صاحب جانشینانِ گرامی منزلت اور خلفائے سلسلہ کے حالات علیحدہ تیار کر کے شائع فرما دیں۔

(۹) برصغیر کے چار مشہور آستانوں سے آج تک حضور قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے جانشین حاضرہ کو، سالانہ عرس کے موقع پر خلعت اور خاص تبرک صاحب مزار کی جانب سے اور ان کے حکم سے مقرر کیا ہوا عطا کیا جاتا ہے دیگر کسی آستانے کے جانشین کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ کیا یہ سلسلۂ عالیۂ نیازیہؒ کی عظمت اور بے مثالی کی دلیل نہیں ہے؟

(۱۰) حضرت نیاز بےؒ نیاز کی زبردست روحانی قوت کی ٹھوس مثالیں سیکڑوں سے متجاوز ہونگی لیکن ہم یہاں صرف معدودے چند کا ذکر کرتے ہیں تاکہ ہر خاص و عام پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حضرت قطب عالم مدار اعظم قدس سرہ العزیز کتنی زبردست روحانی قوت کے حامل تھے مثلاً۔ (آگے منسلکہ صفحات میں ملاحظہ ہوں)

باب ۳۱

آپؒ کی محافل سماع

اور اُن کے آداب وغیرہ

قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز حضرت شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز اپنے پیران عظامؒ عالی مقام کی طرح مثالی اہل سماع تھے۔ "مثالی" اسے کہتے ہیں جو ہر لحاظ سے کسی علم یا فن میں کامل ہو۔ ایسا کہ جس کی مثال دی جا سکے۔ حضرت نیازؒ بے نیاز جملہ لوازم شریعت اور شرائط طریقت و معرفت کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ واضح رہے کہ گانا یعنی خوش آوازی کے ساتھ نغمہ سرائی "شریعت میں" حرام مطلق" نہیں ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے خود گانا سُنا ہے اور مغنیہ عورتوں سے سُنا ہے۔ احادیث آگے درج کی جائیں گی۔ فی الحال حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے دو چار واقعات سماع کا ذکر سنیئے۔

ایک مرتبہ حضرت نیاز بے نیاز علیہ الرحمۃ کو سماع میں ایک حالت طاری ہوئی قوالوں کے پاس جانے کا قصد کیا خدام نے ہاتھوں پر لے لیا۔ اس وقت آپ کے تمام جسم کا وزن گلاب کے پھول کی مثل ہلکا معلوم ہوتا تھا۔ ایک صاحب نے باآواز بلند کہا یارو، دیکھو حضرتؒ کا جسم

کتنا ہلکا ہوگیا ہے۔ چنانچہ چند صاحبوں نے خود جا جا کر اس کا تجربہ کیا اور
ہر ایک نے تصدیق کی کہ واقعی جسم مبارک پھول کی طرح ہلکا ہے۔ لطیفہ
یہ ہے کہ جو ہاتھ لگاتا تھا آپؒ کے کیف کے اثر سے وہ بھی اسی کیفیت
میں آجاتا تھا۔ اس پر مولوی عبداللطیف صاحب خوارق [illegible]
اور خلیفہ میر محمد سمیع صاحب (جن کو حضرت نیازؒ نے [illegible] امام السالکین
کا خطاب دیا تھا) دوڑے اور یہ کہتے ہوئے کہ "یار [illegible]
میں شیخ کی کیفیت خراب کرتے ہو" آپؒ کو مسند پر بٹھا دیا اور یہ
حالت دیر تک رہی۔

اکثر آپ کی کیفیت کا اثر ایسا ہی قوی ہوتا تھا کہ ایک سے دوسرے کو
اور دوسرے سے تیسرے کو متاثر کر دیتا تھا۔ ایسا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ
زبردست دوسروں کو متاثر کر دینے والی حالت حضرت امام حسین علیہ السلام
کے سینۂ مبارک پر تیروں کے زخموں کا حال سننے پر پیدا ہوئی تھی جس کا ذکر
ہم باب ۳۲ کرامات و تصرفات میں صفحہ ۳۹۴ [illegible]
کی تیسری مثال ملاحظہ ہو۔

نواب حسین علی خاں بریلی کے صوبہ دار تھے [illegible]
رکھتے تھے ایک روز ان کے ہم جلیسوں میں باہم مشورہ [illegible]
صوفیوں کی دعوت کی جائے اور قوالی کرا کر ان کا تماشہ دیکھا [illegible] سوائے
حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے سب کے پاس دعوت [illegible] بھیج
دیئے۔ صوفیوں کو پتہ چل گیا کہ تقریب مذکور ان کا مذاق اڑانے کے [illegible]

؎ ۔ دور سعادت خانی (۱۷۹۴ء تا سنہ ۱۸۰۱ء)

کی جا رہی ہے۔ چنانچہ سب مل کر حضرت قبلہؒ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم لوگوں کی شرم و آبرو آپ کے ہاتھ ہے۔ آپ کا تشریف لے جانا ضروری ہے۔ اول تو آپ نے عذر کیا لیکن جب ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا تو آپ نے وعدہ کیا کہ میں بھی آ جاؤں گا۔ چنانچہ وقت معہود پر ڈولی میں بیٹھ کر آپ بھی تشریف لے گئے اور تمام فقرائے شہر آپ کی ڈولی کے ساتھ تھے۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھا کہ فرش بچھا ہوا ہے جس پر صوفی اور قوال بیٹھے ہیں اور لب فرش کرسیاں بچھی ہیں جن پر صوبہ دار صاحب اور ان کے مصاحب بیٹھے ہیں۔ آپ ڈولی سے اُتر کر صوفیوں کے پاس فرش پر بیٹھ گئے۔ اُن لوگوں نے آپؒ کو دیکھ کر کہا کہ یہ سب کے گرد ہیں۔

غرضکہ قوالی شروع ہوئی۔ جب قوال نے اس شعر کی تکرار کی ؎

تا نقشِ زمین بود و زماں بود علی بود تا صورتِ پیوندِ جہاں بود علی بود

تو جناب قبلہؒ کو ایک حالت شروع ہوئی۔ آپؒ کے گلے میں جو رومال بندھا تھا اس کو کھول کر جس وقت سیدھے ہاتھ کو ہلایا تو اس طرف جتنے کرسیوں پر بیٹھے تھے وہ کرسیوں سے فرش پر گر کر لوٹنے لگے اور ان کی وہ بُری حالت ہوئی کہ سر ٹوٹ پھوٹ گئے۔ حسین علی کے بھائی جو مجلس سے باہر تھے انھیں خبر ہوئی، وہ دوڑے ہوئے آئے اور حضور قبلہؒ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور قصور معاف کرایا۔ حضرت نے پانی منگوا کر دم کیا اور فرمایا کہ ان کے منھ پر چھڑکو اور تھوڑا تھوڑا پلا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اُن سب کو ہوش آیا۔ آپؒ نے ڈولی طلب کی۔ حسین علی خاں نے عرض کیا۔ حضور پالکی حاضر ہے۔ ان کے اصرار پر آپ پالکی میں سوار

ہوئے اور حسین علی خاں اور ان کے بھائی نے پالکی کا کندھا دیا۔ اور باوجود منع کرنے کے بازار چوک تک کندھا دیتے چلے آئے (فقرائے عظام کو نیچے بٹھلانے اور خود اوپر کرسیوں پر بیٹھنے کا غرور کتنی جلدی خاک میں مل گیا۔ مصنف تذکرۂ ہذا) چوک سے حضرت رح نے انھیں واپس کیا۔ وہ دوسرے روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور موضع کوٹیا نذر میں پیش کیا۔ جواب تک خانقاہ شریف کے متعلق چلا آتا ہے[1]۔ حملۂ صفدری میں ہے کہ "اسی ضمن میں بادشاہ اودھ کو رپورٹ بھیج کر ساڑھے چار سو بیگھا معافی (موضع گوٹیا) بنام حضرت حکیم الٰہی حاجی محمد رحمت اللہ قدس سرہٗ العزیز والد ماجد حضور قبلہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ) کے نام معافی کرائے جس کے پروانجات آج تک موجود ہیں [حملۂ صفدری ص ۳۵ مؤلفہ مولوی محمد فائق صاحب)

اسی طرح ایک مرتبہ جناب قبلہ رح کو کیفیت ہوئی۔ ابر غلیظ گھرا ہوا تھا کسی قدر ترشح شروع ہوئی۔ آپ رح نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ فوراً ترشح بند ہوگئی اور جب تک وہ کیفیت رہی آسمان پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی لدکا ہوا ہے۔ جب وہ کیفیت رفع ہوئی تو اس کثرت سے پانی برسا کہ جس کی کوئی حد نہ تھی[2]۔

ایک مرتبہ حضرت نیاز بے نیاز رح رحمۃ اللہ علیہ کو مضمون عشقیہ

---

[1] کرامات نظامیہ صفحات ۳۸ - ۳۹ (کتاب ناز و نیاز میں بھی اس واقعہ کا ذکر چند جزوی حذف و اضافہ کے ساتھ موجود ہے)

[2] کرامات نظامیہ - صفحہ ۶۵ -

پر تواجد ہوا۔ عین تواجد میں آپ نے پانی مانگا۔ جب پانی آیا آپ نے نوش فرما کر اس کو پھونک دیا۔ وہ پانی دھواں بن کر غائب ہو گیا۔ اسی طرح حضرت رح نے اس روز متواتر ایک مٹکا پانی پیا۔ اور سب دھواں ہو کر اڑ گیا۔[1]

برصغیر کے بزرگان سلسلۂ چشتیہ سب اہلِ سماع تھے

تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ برصغیر کے بزرگان سلسلۂ چشتیہ سب اہلِ سماع تھے اور ان شرائط و آداب کی سخت پابندی کرتے تھے جو محدثین کرام سے زیادہ خود انھوں نے وضع کئے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ ان میں سے بعض حضرات بہت زیادہ سماع سنتے تھے بعض کم اور بعض بہت ہی کم سنتے تھے۔ لیکن جواز و اباحت بلکہ اس کے مستحب ہونے کے قائل سب تھے۔ کمی بیشی کے اسباب مختلف تھے یعنی:

(الف) بعض حضرات بالطبع کم میلان رکھتے تھے بعض زیادہ اور بعض بہت زیادہ۔

(ب) بعض حضرات دیگر مصروفیات کی بنا پر اس میں کمی بیشی روا رکھتے تھے۔

(ج) بعض حضرات عصری یا مقامی تقاضوں کی بنا پر یا تو محافل سماع کی کثرت کو یا صرف مزامیر کے استعمال کو روکتے تھے۔

(د) خاص خاص مریدوں یا خلفا کو اگر کسی بزرگ نے منع کیا ہے

---

[1] کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۶۵

تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ منع کرنے والے بزرگ سماع یا مزامیر کے خلاف تھے بلکہ ان مخصوص اشخاص کی کسی خامی کے باعث یا مقامی مصالح یا فتنہ وفساد سے بچانے کی خاطر انھیں روکا جاتا تھا۔

بعض بزرگوں کے اقوال (سماع سے متعلق)

مفتاح العاشقین صـ۲۳ میں حضرت نصیر الدین رح چراغ دہلی فرماتے ہیں کہ "شیخ الاسلام خواجہ معین الحق الشرع والدین قدس سرہ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا "کہ سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے"[1]

خواجہ بختیار کاکی رح۔ آپ کا وصال ہی سماع میں ہوا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رح۔ سماع کو راحتِ دل قرار دیا ہے کہ وہ اہل محبت کے دل میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ حرکت کے بعد حیرت۔ حیرت کے بعد ذوق۔ ذوق کے بعد بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ ..." ایک موقعہ پر فرمایا۔ سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں[2]

حضرت نظام الدین رح اولیا: فرمایا کہ سماع ایک صوت موزوں ہے۔ اس لئے حرام نہیں۔ اس سے تحریک قلب ہوتی ہے۔ اگر یہ تحریک یاد حق کے لئے ہے تو مستحب ہے لیکن اگر فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے"[3] "سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں:

(۱) انوار (عالم ملک سے ارواح پر نازل ہوتے ہیں)

لہ۔ بزم صوفیہ۔ صفحہ ۴۸ ۲ہ۔ ایضاً صـ۱۴۳ و صـ۱۳۳ ۳ہ۔ فوائد الفوائد۔ بحوالہ بزم صوفیہ۔ صفحہ ۲۳۲۔

(۲) احوال (جبروت سے قلوب پر نازل ہوتے ہیں) اور
(۳) آثار (ملکوت سے جوارح پر " ") کو

حضرت نصیرالدین چراغ دہلیؒ: فرمایا۔ سماع داروئے دردمنداں است (یعنی اہلِ درد کے حق میں دوا ہے) — نیز فرمایا "سماع میں ذوق دردِ دل سے ہوتا ہے نہ کہ مزامیر سے"۔ ؎

محبّ النبیؐ حضرت مولانا فخرالدین فخرِ جہاںؒ۔ کتاب مناقب فخریہؒ دیکھیے۔

حضرت شرف الدین احمد منیریؒ: سماع اہلِ حق کے لئے مستحب اہلِ زہد کے لئے مباح اور اہلِ نفس کے لئے مکروہ ہے ؎

آداب سماع
(محافل نیاز میں کے لئے مخصوص)

ہمارے بزرگانِ کرامؒ نے قوالی کی محفلوں اور قوالی سننے کے آداب مقرر کر دیئے ہیں تاکہ یکسانیت، ضبط و نظم اور قوالی کا تقدس برقرار رہے، واضح رہے کہ ازروئے شریعت اسلامیہ شادی بیاہ کے اعلان، ختنہ کے موقعہ پر۔ عید کی خوشی کے اظہار اور محض دل بہلانے کے لئے بھی حدود شرعیہ کے اندر رہ کر گانے بجانے کی ہے۔ ان تمام مواقع کے لئے کوئی "آداب" بجز حدود شرعی کے مقرر نہیں ہیں۔ لیکن مشائخ کرام نے شرعی حدود کے علاوہ چند مزید پابندیاں اپنے اوپر عائد کرلی ہیں تاکہ قوالی کا تقدس برقرار رہے

؎ - ایضاً - صفحہ ۳۴۱

؎ - مکتوبات سہ صدی - صفحہ ۲۶۷، بزم صوفیہ - صفحہ ۳۷۵

اور انھیں روحانی ترقی نصیب ہو۔

محافلِ نیازیہ میں آج تک یہ آداب ملحوظ رکھے جاتے ہیں مثلاً:

(۱) گانے والے اور سننے والے حتی الامکان متقی، پرہیزگار۔ اہلِ فہم دیندار پابندِ شرع - پابند آدابِ محفل بلکہ سلسلۂ چشتیہ میں مرید ہوں (فنِ موسیقی کے مظاہرے کے لئے مسلم ہونے کی قید نہیں ہے اسی طرح اعراس میں بعض شرائط نرم کردینے میں مضائقہ نہیں۔ (انما الاعمال بالنّیات)

(۲) مغنّیہ عورتوں سے گانا سننا خلافِ اسلام نہیں ہے۔ بشرطیکہ فتنہ وفساد یا کوئی دوسری خرابی پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو۔

(۳) صدرِ محفل، سلسلے کا بزرگ ہو۔ اس کے زیرِ سایہ روحانی فیضان زیادہ ہوتا اور سامعین محفوظ رہتے ہیں۔

(۴) سامعین پر لازم ہے کہ باوضو رہیں اور دوزانو، مؤدب۔ سر ڈھانکے ہوئے۔ خاموش اپنے "خیالِ شغل" میں مستغرق بیٹھیں اور آوازِ مزامیر کو "صوتِ سرمدی" کے سرچشمہ سے منسوب سمجھیں۔ مزامیر کا خیال نہ رہے۔

(۵) ہر حال میں صدرِ محفل کا ادب ملحوظ رہے۔ اس کی طرف پشت نہ ہو۔ اس کے سامنے بے طریقہ۔ پاؤں پھیلا کر ننگے سر کوئی نہ بیٹھے۔ جہاں بٹھلا دیا جائے وہیں بیٹھے۔ منتظمین سے تعاون کرے۔

(۶) سماع کے دوران نہ محفل میں کوئی آئے نہ وہاں سے اُٹھے۔

(۷) سگرٹ۔ بیڑی۔ تمباکو وغیرہ پینے کی سخت ممانعت ہے۔

۱۲۔ کسی صاحب کو براہ راست، قوال کو نذر دینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی صاحب ایسا کریں تو صدر محفل قوالی بند کر دیتے ہیں اور قوال کو باہر نکال دیا جاتا ہے۔

۱۳۔ دیگر خانوادوں اور خود نیازی شاخوں کے صاحب اجازت خلفاء و مشائخ کو صدر محفل کے قریب نشستیں دی جاتی ہیں۔

۱۴۔ نذر گزار کو چاہیئے کہ کھڑا ہو کر، پھر سامنے دو زانو بیٹھ کر یا جھک کر نذر پیش کرے البتہ دیگر مشائخ اور معذور اشخاص اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۵۔ نذر کا روپیہ ایک ہاتھ سے دینا ادب و خلوص کے خلاف اور رعونت یا جہالت کی علامت ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ اُلٹے ہاتھ کی ہتھیلی پر سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی رکھی جائے اور سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر روپیہ رکھ کر پیش کیا جائے۔ تاکہ صدر خود اٹھالے

۱۶۔ اگر صدر کو "خیال" میں مستغرق پائے تو انتظار کرے اُسے ہوشیار نہ کرے۔

۱۷۔ مصنف نے بریلی شریف کے سالانہ عرس حضور قبلہ؟ منعقدہ ۱۹۶۹ء میں، جو زیر سرپرستی صاحب سجادہ حضرت شاہ حسن میاں صاحب مدظلہ العالی منعقد ہوا تھا، مندرجہ بالا تمام باتیں خود دیکھیں اور ان کے علاوہ حسب ذیل اُمور کا بھی مشاہدہ کیا:۔

(الف) مسند بچھی رہتی ہے اور قوالیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جب صاحب سجادہ صاحب تشریف لاتے ہیں تو فوراً ہی مستقل خانقاہی قوال کی چوکی قوالی شروع کرتی ہے اور وہی فاتحہ تک گاتی رہتی ہے۔

۸۔ گانے کے دوران آپس میں گفتگو یا ہنسی مذاق آداب محفل کے خلاف ہے۔

نذر پیش کرنے کا طریقہ

۹۔ نذر خدا کو پہنچتی ہے اور خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ لہٰذا نذر خواہ کتنی ہی ہو علامت، عبودیت اور خلوص کی متقاضی ہے۔ نیکی ذرہ برابر بھی ہو تب بھی قبول ہوتی ہے۔

۱۰۔ یہ ایمان ہونا چاہیئے کہ خدا اور رسولؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور شیخ طریقت جو اس وقت محفل میں مسند نشین ہیں یا ان کی غیر موجودگی میں ان کے نائب و خلیفہ جو ان کی نمائندگی کر رہے ہوں۔ خدا اور رسولؐ کے مظہر و آئینہ ہیں۔ اور ہر طرح ادب و احترام کے مستحق۔

۱۱۔ اسی طرح ہر نائب و خلیفہ طریقت، خواہ اس کا تعلق کسی شیخ طریقت یا سلسلے سے ہو اپنی جگہ مظہر حق و نائب رسولؐ ہے لہٰذا مستحق ادب و احترام ہے۔ اسی طرح وہ اپنے طور پر صدر محفل کا احترام مد نظر رکھیں گے اور اپنی نذر صدر محفل کو پیش کریں گے۔

اگر ان کا کوئی مرید محفل میں ہو تو وہ اپنے مرشد یا ان کے خلیفہ کو نذر پیش کرے اور وہ اس سے لے کر خود صدر محفل کو پیش کریں یا مرید کا ہاتھ مع نذر صدر محفل کے آگے بڑھا دیں۔ یا اسے پہلے ہی اشارہ سے ہدایت کر دیں کہ وہ براہ راست صدر محفل کو پیش کرے۔

(ب) قوالی میں جب تک صاحب سجادہ روپیہ قوال کو نہ دیں کوئی دوسرا نذر نہیں کرتا۔ صاحب سجادہ کے روپیہ دیتے ہی قوال پر روپے کی بارش ہوجاتی ہے۔

(ج) روپیوں کی بارش کے دوران صاحب سجادہ صاحب جلد جلد نذر گزاروں سے روپیہ لے کر یا تو خود قوال کی طرف پھینکتے جاتے ہیں اور اس کا کوئی ساتھی اُٹھاتا جاتا ہے یا صاحب سجادہ صاحب اپنے قریب بیٹھے ہوئے کسی دوسرے شخص کو عطا فرمادیتے ہیں اور وہ قوال کے آدمی کو دیتا جاتا ہے۔ خود مصنف کو یہ شرف ایک بار اجمیر شریف میں عطا ہوا تھا۔ اور دوبار پاکستان میں حضرت جعفر میاں صاحب مدظلہٗ (برادر خورد حضرت حسن میاں صاحب قبلہ) نے عطا فرمایا۔

نوٹ (۱) ثابت ہوا کہ قوالی کے دوران مسند خالی بچھے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (اہل نظر کی نگاہوں میں وہ کبھی خالی نہیں رہتی)

(۲) نذریں مسند پر رکھی جاسکتی ہیں جسے قوال خود یا ان کا کوئی ساتھی اُٹھا لیتا ہے۔ یا کوئی دوسرا بزرگ اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر دے سکتا ہے خواہ ہر روپیہ دیتا جائے یا آخر میں سب جمع کر کے ایک بار دے دے۔ مقصد یہ پیش نظر رہے کہ ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے نہ اپنے "خیال" میں خلل پڑے نہ حاضرین کے۔

۱۸۔ یہ طریقہ سلسلۂ نیازیہ میں نہیں ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو

نذر پیش کرے۔ وہ اپنی جیب سے ایک روپیہ ملا کر اپنے دونوں ہاتھ پہلے شخص کے ہاتھوں کے نیچے رکھے ہوئے اٹھے اور وہ دونوں پھر کسی تیسرے کے سامنے جائیں۔ تیسرا شخص بھی ایک دو روپے اس میں ملائے اور خود اسی طرح ہاتھ لگائے ہوئے وہ تینوں ایک ساتھ ایک مجمع کی صورت میں صاحب صدر کے سامنے روپیہ لئے ہوئے پہنچیں اور نذر کے طور پر سب کے ہاتھ بیک وقت ان کے سامنے بڑھے رہیں۔ کبھی کبھی چار پانچ اشخاص تک نوبت آتی ہے۔ یہ طریقہ ہمارے یہاں نہیں ہے۔

(۱۹) سلسلۂ نیازیہ میں یہ طریقہ بھی نہیں ہے کہ حاضرین میں سے کوئی صاحب قوالوں کے پاس جا بیٹھیں یا دو چار آدمی صدر محفل اور مسند کی بے ادبی کا خیال کیے بغیر قوالوں کو گھیر لیں اور اپنے پسند کی فرمائشیں کرنے لگیں۔ ایسی صورت میں وہ محفل، محفل سماع نہیں رہتی۔ صدر محفل فوراً محفل ختم کر دیں اور فاتحہ دیں۔

(۲۰) وجد و تواجد، مغلوب الحالی کی حد تک قابل معافی ہے۔ اگر کیف کی حالت میں کوئی بزرگ کھڑے ہو جائیں تو تمام اہل محفل پر کھڑا ہونا لازم ہے۔ اس معاملے میں جیسا صدر محفل کریں ان کی تقلید حاضرین کریں۔

بعض اوقات کافی دیر تک بعض لوگ اپنے "کیف" کا اظہار کرتے رہتے ہیں بلکہ تال سُر پر باقاعدہ رقص کرتے ہیں۔ اس سے محفل درہم برہم ہوتی اور دوسروں کا لطف غارت ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ جذبات کیف و مستی کو حتی الامکان دبانا چاہیئے۔ اپنے گھر

میں جتنا چاہیں اُچھلیں کودیں لیکن دوسروں کی محفل میں اس کی احتیاط رکھیں۔

کامل بیخودی چند سکنڈ کی ہوتی ہے۔ زیادہ عرصہ کی ہو تو عالم بیخودی میں بھی ہوش رہتا ہے اور وجد و تواجد کو دبایا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر بیٹھے بیٹھے ہاتھوں کی حرکت سے یا نیم استادہ حالت سے بھی اظہار کیف و بے خودی ہوتا ہے۔ بہر حال مختلف اشخاص کا معاملہ مختلف دیکھا گیا ہے۔ اس کے لئے کوئی خاص حالت مختص نہیں کی جا سکتی ہے۔ بغیر حقیقت کے اگر ایک انگلی کو بھی جنبش ہوئی تو سزا ملے گی۔ حقیقت کا فیصلہ خدا کرے گا۔ صدر محفل تو قرائن پر فیصلہ کرتا ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جو بالعموم دیکھے جاتے ہیں مستثنیٰ حالات کی نوعیت بھی مختلف دیکھی گئی ہے۔ بعض جید بزرگوں کا وصال بحالت سماع ہوا ہے جو صوفیائے کرام کی نظر میں بہترین صورت وصال ہے اکثر بزرگوں نے اس کی تمنا کی ہے۔

(۲۱) **فاتحہ بعد سماع:** سلسلۂ نیازیہ میں بعد ختم محفل سماع شیرینی یا جائے پر فاتحہ دی جاتی ہے اور وہی بطور تبرک تقسیم ہوتی ہے۔ کبھی کھانے پر فاتحہ ہوتی ہے اور وہی اہل محفل کو بطور تبرک کھلایا جاتا ہے۔ اس فاتحہ کو "قل" کہتے ہیں۔

فاتحہ۔ نذر۔ نیاز وغیرہ کا مفصل طریقہ اپنے بزرگوں سے سیکھنا چاہئیے یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

ان روایات و مراسم کی سند | اصولاً فاتحہ و نذر اور ایصال ثواب

وغیرہ ہمارے مذہب اسلام میں ازروئے قرآن وسنّت جائز۔ مباح۔ مستحب بلکہ مسنون ہے۔ اس وقت اس پر بحث مقصود نہیں ہے۔ اس موضوع پر مستند کتب موجود ہیں ان کا مطالعہ کیجئے۔

ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ مراسم اور طور طریقے ہمارے سلسلے میں تواتر کے ساتھ زمانۂ قدیم سے اسی طرح رائج ہیں جس طرح مصنّف نے اوپر مجملاً بیان کئے ہیں۔ ممکن ہے بعض جزوی امور میں کبھی کبھی کوئی ترمیم کی گئی ہو ورنہ مجموعی ڈھانچہ ایک ہی چلا آرہا ہے۔ کم از کم حضرت مولانا محمد فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز تک کی سند بدیہا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ:۔

نظام بیعت ہی واحد نظام ہے جس میں تواتر اور احتیاط کے ساتھ اپنے مرشد طریقت کے ذریعہ مرکزی خانقاہی عمل کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور ان ہی "مراسم" کو من وعن (صرف جزوی ترامیم کی گنجائش کے ساتھ) عملاً ہر خلیفہ اختیار کرتا ہے جس پر اس نے اپنے مرشد کو عمل کرتے دیکھا ہو۔ اس طرح عمل کا بنیادی ڈھانچہ ضرور محفوظ رہتا ہے جس کی اصل سند قرآن وسنت میں مل جاتی ہے۔ تقریباً تمام مستحب ومباح امور کا عملی ثبوت اسی طرح بزرگان دین کے عملی تواتر سے ملتا ہے۔

اب مصنّف کو صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت مولانا سیّد فخر الدین محمد دہلوی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ خاص وجانشین حضرت قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد گرامی منزلت کے طور طریقوں کی پابندی سختی کے ساتھ کی ہوگی۔ پھر حضور قبلہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے جانشینوں نے سختی کے ساتھ حضور قبلہؒ کی خانقاہ میں حضور قبلہؒ ہی

کے طور طریقوں کی پابندی کی ہوگی اور اُن کے خلفا نے بھی اپنے اپنے مقام پر انہی طور طریقوں کو برقرار رکھا ہوگا۔ اور ان ہی کو مصنّف نے کئی "ذریعوں" سے دیکھا ہے اور زیرِ نظر اوراق میں انہی کو بیان کیا ہے۔

وہ "ذریعے" یہ ہیں :
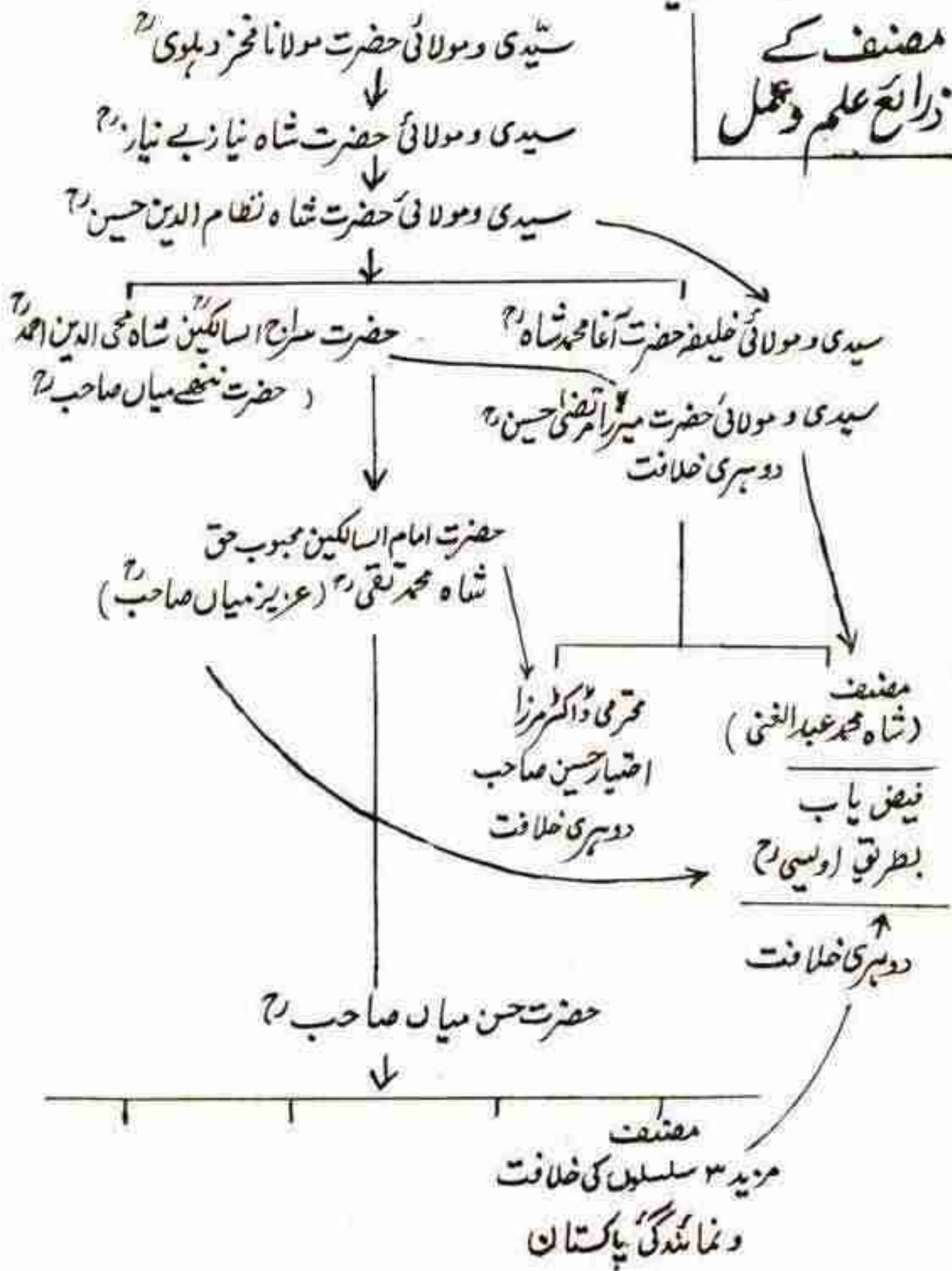
اس نقشہ سے واضح ہو جائے گا کہ مصنف نے جو مراسم بیان کیے ہیں انھیں جملہ بزرگان سلسلۂ نیازیہ رح کی عملی تائید حاصل ہے اور اس پر نہ صرف اس کے دور کے ذاتی مشاہدے کی بلکہ ہر بزرگ مذکور الصدر کے اپنے اپنے زمانے کے مشاہدوں کی بھی مہریں ثبت ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ مصنف کے مشاہدہ و بیان کو اس کے مذکورہ بزرگوں کے مشاہدات و عمل کا مستند و معتبر خلاصہ سمجھنا چاہیے

مصنف نے زیادہ تفصیلات بخوف طوالت حذف کردی ہیں تاہم ان کے ترک و حذف سے مجموعی ڈھانچے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جتنے امور نمبر وار درج کیے گئے ہیں کم از کم ان پر عمل لازمی سمجھا جائے۔

اس کے باوجود مزید جو امور دریافت طلب معلوم ہوں انھیں اپنے بزرگوں سے دریافت کیجیے۔ دیگر سلسلوں کی نقل کرنا قابل مواخذہ ہے۔

غلبۂ چشتیت

قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ عالیہ میں قادریہ۔ چشتیہ نظامیہ۔ چشتیہ صابریہ۔ سہروردیہ۔ نقشبندیہ قدیمہ سلاسل کا حسین امتزاج ہے۔ تاہم حضرت قبلہ رح پر چشتیت کا غلبہ تھا۔ لہٰذا ہمارے لیے وہی طور طریقے ضروری ہیں جو اُن کی خانقاہ میں رائج تھے اور جو بالتواتر اور زینہ بہ زینہ ہم تک پہنچے ہیں۔

عصری تقاضوں کے پیشِ نظر ترمیم

اگر سلسلۂ نیازیہ رح کی کسی شاخ میں اس کے ذمہ دار امیر جماعت اپنے زمانے یا ذاتی حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر

چاہیں تو جزوی ترمیم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ایسا بزرگوں نے بھی کیا ہے اور محافل سماع اصل مقصود نہیں ہیں۔ صرف حصولِ مقصد کا زینہ ہیں۔ زینے کی تزئین میں اتنا منہمک نہ ہوں کہ اصل کام رہ جائے۔

موجودہ عصری تقاضے

ہمارا زمانہ بہت نازک زمانہ ہے اور ہم خاص طور پر عرصۂ دراز سے چند ضروری امور کی طرف بہت کم توجہ دے رہے ہیں۔ مثلاً دیگر جماعتوں کی ہمیں بھی اتحاد، تنظیم، تبلیغ اور تصنیف و تالیف پر بہت زیادہ توجہ صرف کرنا چاہیئے تاکہ ہم بھی اپنے بزرگوں اور اپنے سلسلے کی خوبیوں کو دوسروں کے لئے جاذب توجہ اور پُرکشش بنا سکیں حقیقت میں ہمارے پاس زرِ خالص ہے لیکن نہ جاننے والوں کو مختلف طریقوں سے اسے نمایاں کر کے دکھانے کی ضرورت ہے۔

مصنف کی یہ تصنیف بھی (اس کی دیگر تصانیف کی طرح) اپنے لاجواب سلسلۂ نیازیہؒ اور عظیم المراتب بزرگوںؒ کی قابل قدر تبلیغی خدمت ہے۔ کیا صاحب استطاعت نیازی بھائی اس کی طباعت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے؟

باب ۳۲

کرامات و تصرفات

فصل (۱) حضرت اقدسؒ اور ان کے بعض غلاموں کی چند کرامات

جس طرح معجزہ شرط نبوت نہیں ہے اسی طرح کرامات کا ظہور بھی شرط ولایت نہیں ہے (پوشیدہ کرامت کو تصرف کہتے ہیں) تاہم مخالفین نبوت و ولایت، معجزات و کرامات کے اظہار پر اصرار کرتے رہے ہیں لیکن شقی ازلی معجزات و کرامات دیکھ لینے کے بعد بھی بے ایمان کے بے ایمان ہی رہے اور سعید ازلی کو پختگی ایمان کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اولیا اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو اظہار کرامات پر مامور ہوتے ہیں اور دوسرے اس پر مامور نہیں ہوتے تاہم ان سے کرامات و تصرفات کا ظہور بھی گاہے ماہے ہوجاتا ہے۔ مجذوب ان دونوں گروہوں سے الگ ہوتا ہے کیونکہ وہ جذبۂ حق کے باعث مغلوب الحال بلکہ مخبوط الحواس ہوتا ہے اور اس سے رشد و ہدایت کی توقع بیکار ہے۔

محض کرامات سے مخلوق خدا کو مستحکم فائدہ (جو سلوک سے پہنچتا ہے) نہیں پہنچتا سلوک تعمیر انسانیت اور تزکیۂ اخلاق و روحانیت کے

لئے ضروری ہے۔ اس کی مثال طوفانی بارش کی ہے جس سے تشنہ زمین کی کایا تو پلٹ جاتی ہے لیکن لہلہاتی فصلوں کے لئے مقررہ اصولوں کے بموجب کاشت کی جدوجہد ضروری ہے۔ اگر زمین، شور یا سنگلاخ ہے تو ہزار بارشیں ہوں وہ ہری نہیں ہوتی۔

اسی طرح محض مولویانہ یا بے روح زاہدانہ تعلیم و تعلم سے بھی روحانی انقلاب پیدا نہیں ہوتا کیونکہ قواعد صرف و نحو۔ اصول منطق استدلال فلسفہ، بحث و تکرار۔ مباحثہ و مناظرہ وغیرہ سے عشق حقیقی کا سوز اور دل کا گداز نہ پیدا ہوتا ہے نہ اُسے درجہ کمال نصیب ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے کسی عاشق صادق۔ فقیر کامل۔ خدا مست رہنما۔ محقق باخدا۔ فانی فی اللہ باقی باللہ، عالم شریعت و طریقت۔ عارف اسرار معرفت و حقیقت عاشق شہنشاہ حجازؐ، مجسمۂ سوز و گداز کی دستگیری ضروری ہے جو کمالاتِ مدرسہ و خانقاہ پر یکساں حاوی ہوتے ہوئے فیوض روحانی اور برکات خانقاہی کے ذریعۂ مریدوں اور متوسلوں کے قلوب میں وہ انقلاب پیدا کر سکے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے اور جس کی بدولت انسان خدا رسیدہ بن سکتا ہے۔

ایسی جامع کمالات شخصیت گزشتہ ڈیڑھ دو سو سالوں کے اندر صرف قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز علوی، بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی نظر آتی ہے جن کے حالات ایک شمّہ زیرِ نظر تذکرے میں بیان کیے جا رہے ہیں اور انہی کے زیر کرم اُن کے جانشینان گرامی منزلت اور قریبی متوسلین محترم بھی آسمانِ فقر و ولایت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور چمک رہے ہیں۔ حتیٰ کہ

ان کی شہرت و فضیلت کے حاسد پیدا ہو گئے اور طرح طرح سے ان مہر و ماہان حقیقت و معرفت پر خاک ڈالنے کی کوشش میں خود اپنی روسیاہی کا سامان کرتے رہے اور ہنوز کر رہے ہیں۔ انھیں شاید یہ یاد نہیں رہتا کہ حسد اپنی آگ میں آپ ہی جلتے رہنے کا نام ہے اور اس سے محسود کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے یہ دُعا مانگی ہے کہ اللہ محسود بنائے حاسد نہ بنائے۔

آمدم برسرِ مطلب۔ ذکر اولیائے کرامؒ کی کرامات اور ان کے تصرفات کا اتنا سا واضح رہے کہ یہ سلسلۂ تکمیل سلوک جب مریدین ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں بالخصوص جب وہ اپنے پیر و مرشد کی زیر توجہ ان کے خانقاہی ماحول میں محنت و مجاہدہ کریں تو ان کے اندر ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے جو کبھی تو غیر محسوس ہوتا ہے۔ کبھی سکون و سرورِ قلب کی صورت اختیار کرتا ہے، کبھی سوز و گداز اور اضطرابِ عشق بن جاتا ہے اور کبھی مختلف تاثیرات و اثرات کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ یہی تصرف کا نام پاتا اور یہی کرامت کہلاتا ہے۔ لیکن اصل غرض تسلسل عشق ہے۔

یہ نکتہ بھی فراموش نہ کیجیے کہ نعمت "ولایت" تو ہر اُس مرید کو بقدر استعداد عطا ہو جاتی ہے "فقیر کامل" کی دستگیری اور اس کے سلسلۂ طریقت کا سایۂ عاطفت حاصل ہو لیکن اظہار کرامت اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے ذریعہ کرامت کا ظہور اللہ جل شانہ، کی نظر میں بھی ضروری ہو۔ لہٰذا عاشق کو عشق سے سروکار ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ ہو ؎

بندۂ عشق ہے اگر۔ حاصل بندگی نہ دیکھ (غنی)

ان نکات کے مختصر ذکر کے بعد ہم چند مثالیں مریدین و متوسلین

نیازیہ رح کے تصرفات کی اور چند مثالیں خود حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کی کرامات و تصرفات کی بیان کریں گے تاکہ علوم متداولہ پر سلوک روحانیت کی۔ علم پر عشق کی۔ دماغ پر دل کی۔ نفسیات اور مسمریزم و ہپنوٹزم وغیرہ پر روحانی علوم وسلوک کے اثرات کی۔ زہد خشک پر مذہب عشق کے سوز و گداز کی۔ اور دنیا کے دیگر تمام اہل کمال پر ہمارے مرد مومن "یعنی ایسے باکمال انسان کی فضیلت ثابت ہو سکے جو قرآن و سنت و بیعت اولیاء اللہ کے احکام پر عمل کر کے تزکیۂ نفس و اخلاق اور تجلیۂ قلب و روح کی نعمتوں سے بھی مالا مال ہو۔

غلاموں کے تصرفات:-

باب ۱۹ کی فصل ۶ میں حضور قبلہ رح کے خانقاہی طلبا کی سخت ریاضت کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ دن کو ایک وقت کھانا کھاتے تھے اور شب کو چائے پر گزارتے تھے اور روزانہ رات کو اپنے شغل میں بیٹھتے تو صبح کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے طلبا (یعنی خانقاہی مریدین) سے فرمایا۔ کوئی ایسا ہے جو اپنے خیال کے اثر سے اس گیندے کے درخت کو خشک کر دے۔ اس پر شاہ جی شرف الدین صاحب آمادہ ہوئے اور اپنی توجہ سے اُسے خشک کر دیا۔ دو ایک روز بعد پھر حضور قبلہ رح نے فرمایا کہ کوئی ایسا ہے جو اسی خشک پودے کو خیال کے اثر سے ہرا کر دے اس پر مرزا اسد اللہ بیگ رح آمادہ ہوئے اور ان کی پُر تاثیر نظر کے اثر سے (جو ان کے ریاض کا نتیجہ تھا) وہ خشک پودا پھر ہرا

ہوگیا۔ جب طلبا کی یہ حالت تھی تو خود حضرت قبلہ رح کی توجہ اور پُر تاثیر نظر کی کیا حالت ہوگی اندازہ لگا لیجئے۔

حضور قبلہ قدس سرہ العزیز ذکر بالجہر کے لئے طلبا کو عموماً شہر کے باہر بھیجا کرتے تھے۔ ایک روز ان طلبا نے باہمی مشورہ کیا کہ اتنی دور جانے کے بجائے فلاں شخص کے باغ میں جو نسبتاً نزدیک تھا ذکر کی مشق کی جائے چنانچہ اس دن سے انھوں نے اپنے اسی مشورے پر عمل شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد اس کا اثر یہ ہوا کہ باغ مذکور کے درختوں کے پھل خشک ہو ہو کر گرنے لگے۔ باغ کے مالی نے مالک سے کہا کہ میں لاکھ پانی دیتا ہوں لیکن اثر نہیں ہوتا اور کوئی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ البتہ ایک نئی بات امسال یہ ہوئی ہے کہ خواجہ قطب والے میاں صاحب کے کچھ آدمی روزانہ رات کو باغ میں بیٹھتے اور صبح تک کوکا کرتے ہیں، شاید اس سبب سے پھل سوکھ کر گرتے ہوں۔ اس پر مالک حضور قبلہ رح سے شکایت کی۔

حضور قبلہ رح ان مُریدوں پر خفا ہوئے اور تاکید فرمائی کہ آئندہ کسی باغ وغیرہ میں بیٹھ کر ذکر بالجہر نہ کیا جائے بلکہ شہر اور بستی کے باہر کیا جائے چنانچہ چند روز میں باغ کی حالت درُست ہوگئی۔

یہ خانقاہی طلبا کی جماعت ہوتی تھی جس سے منتخب طلبا کو خلافت و اجازت کا شرف عطا ہوتا تھا۔ ان سے فرداً فرداً محیر العقول کرامات کا صدور ہوا ہے، جن کا ذکر کرامات نظامیہ اور بدایوں سے شائع شدہ کتاب نازو نیاز میں موجود ہے۔ اور اب ڈاکٹر مسعود نظامی بریلوی ارادہ کر رہے ہیں کہ وہ "بریلی سے بلخ و بدخشاں تک" کے نام سے سرحد و افغانستان وغیرہ کے نیازی خلفائے کرام اور ان کی خانقاہوں کے

حالات ان کے وطنوں کا دورہ کر کے براہ راست معلوم کر کے اور اُنھیں طبع کرائیں۔ اس کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ پاک ڈاکٹر صاحب کا حامی و مددگار رہو۔ یہ بڑی اہم خدمت ہوگی۔ کیونکہ حضور قبلہ رح کے مریدین و خلفاء کے کارنامے حقیقتاً خود حضور قبلہ رح ہی کے کارنامے اور آپ رض ہی کے مساعی جمیلہ کے ثمرات متصور ہوں گے۔

فصل (۲)

اب ہم خود حضور قبلہ حضرت شاہ نیازؔ بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کے چند محیر العقول روحانی واقعات (کرامات و تصرفات) کا ذکر کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں:

شیر مادر تھا یا شراب کہن

ہم بتا چکے ہیں کہ حضور قبلہ رح پیدائشی ولی اللہ تھے چنانچہ بچپن ہی سے ان سے کرامات کا صدور ہوتا رہا لیکن انھیں ہمیشہ پوشیدہ رکھا گیا۔ حضور قبلہ رح کا یہ شعر ؎

شیر مادر تھا یا شراب کہن   جس کا ہے یہ خمار آنکھوں میں

یا یہ شعر:

دمے کہ صانعِ تقدیر طینتم بسرشت
سرشت خاکِ مرا با شرابِ صافی جشت

صاف اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ حضور قبلہ رح کے حالات والدۂ ماجدہ کی آغوش ہی سے غیر معمولی قوتِ روحانی کے حامل رہے ہیں کیونکہ حضور رح کی والدۂ ماجدہ (جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے) ایک عظیم المرتبت ولیۂ کاملہ تھیں اور "رابعۂ عصر رح" و "بی بی غریب نواز"

وغیرہ خطابات کے ساتھ آپ رح کی شہرت تھی۔ حضور قبلہ رح ابتدا ہی سے والدۂ ماجدہ رح کے زیر توجہ رہے، اسی لئے آپ رح سے صغرسنی ہی سے کرامات و تصرفات کا ظہور ہوتا رہا۔

غیر معمولی قوت روحانی ایک عجیب واقعہ

کتاب نازونیاز کے حصۂ اوّل میں "پھول والوں کی سیر" کے تحت ایک عجیب واقعہ مذکور ہے جسے ہم نے زیرِ نظر تذکرے کے باب ۱۱ میں بیان کیا ہے اس سے حضور قبلہ رح کی زبردست روحانی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب کی ضخامت کے پیش نظر ہم اسے دوبارہ یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں۔ ناظرین باب ۱۱ ہی میں مطالعہ فرمالیں۔

بولن شاہ آزاد کو سزا

حضور قبلہ رح کے بریلی تشریف لانے کے قبل دہلی میں ایک آزاد فقیر (مجذوب) بولن شاہ نامی کو جب کوئی بیماری یا تکلیف ظاہری لاحق ہوتی تو وہ اکثر حضور نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد قبلہ رح کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا اور حضرت رح کی عنایت و استمداد سے اس کی تکلیف رفع ہوجاتی۔ کچھ عرصہ بعد وہ دہلی سے بریلی آکر ایک دولتمند خادم کے مکان میں جو مسجد بہاری پور کے قریب تھا۔ رہنے لگا۔ اس دولتمند خادم نے اپنی ساری دولت مجذوب پر لٹادی لیکن اسے خاک بھی حاصل نہ ہوا۔ جب وہ کچھ مجذوب سے کہتا تو وہ اُسے ڈنڈے سے خوب پیٹتا۔ یہ قصہ کئی سال سے جاری تھا کہ حضور قبلہ نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا فخر دہلوی قدس سرہ العزیز کے حکم سے معہ والدین وغیرہ بریلی پہنچے اور چندے مسجد بی بی جی اور

قریب کے کسی مکان میں قیام فرما کر محلہ بانکے کی چھاؤنی چلے گئے تاہم
مدرسہ بی بی جی کی مسجد ہی میں جاری رکھا۔ بولن شاہ مجذوب بوجہ حسد
نہیں چاہتا تھا کہ حضور قبلہ رح وہاں قیام فرمائیں یا انھیں شہرت حاصل ہو
چنانچہ اُس نے حربے شروع کیے۔ پہلا حربہ تو یہ کیا کہ ایک دن جب کہ حضور
شاہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ مکان میں پلنگ پر محو استراحت تھے اور
حضور رح کے برادر حقیقی شاہ راز احمد صاحب رح مع والد ماجد صاحب قبلہ رح
مسجد کے صحن میں آرام فرما رہے تھے کہ یکایک حضور قبلہ نیاز بے نیاز رح کا
پلنگ اوپر اٹھا۔ (بولن شاہ چاہتا تھا کہ پلنگ کو بلندی سے اُلٹ دے) کہ
غریب نواز صاحبہ رح (حضرت شاہ نیاز بے نیاز رح کی والدۂ ماجدہ رح) وہاں
ظاہر ہوئیں اور بزور باطن پلنگ کو زمین پر پہنچا کر پھر نہ اُٹھنے دیا۔ جب
یہاں زور نہ چلا تو بولن شاہ نے دوسرا حربہ کیا۔ اس نے چاہا کہ مسجد ہی کو
اُلٹ دے چنانچہ مسجد کو جنبش ہوئی اور اس کا ایک مینار شق ہو گیا لیکن
حضور قبلہ رح نے زور باطن سے بولن شاہ کا یہ حملہ بھی رد کر دیا اور مسجد کو
گرنے سے محفوظ رکھا۔ اب تو حضور قبلہ کو غصہ آگیا اور وہ اپنے
خیال میں مستغرق ہوئے۔ یہاں یہ قصہ ہوا اور وہاں بولن شاہ کو خون کے
دست لگ گئے اور ایسا شدید درد شروع ہوا کہ موگریوں سے
پیٹنے پر ذرا کم ہوتا تھا۔ چنانچہ پٹتے پٹتے ان کی جان پر بن آئی صبح ہوتے
ہی اس نے اُسی امیر خادم کو حضور قبلہ رح کی خدمت میں بھیجا کہ خدارا رحم
فرمائیں اور پانی دم کر کے بھیج دیں تاکہ اسے شفا ہو۔ حضرت قبلہ رح کے
والد ماجد علیہ الرحمۃ نے سفارش بھی کی لیکن حضور قبلہ رح نے اس شخص کو یہ
کہہ کر یونہی واپس کر دیا کہ ہم بیچارے مسافر اور وہ یہاں کے متوطن اور

صاحب زور ہیں ہم کس لائق ہیں جو پانی دم کر کے دیں۔ مرید نے ایسا ہی جا کر کہہ دیا لیکن بولن شاہ نے، جن کا دم لبوں پر تھا پھر یہ کہلایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میری جان بچے لیکن شدّت درد سے امن مل جائے برائے خدا پانی دم کر دیجئے ۔ والد صاحب قبلہ رح نے بُرزور سفارش کی اور حضور قبلہ رح کو بھی رحم آ گیا چنانچہ پانی دم کر کے بھیجا گیا ان الفاظ کے ساتھ کہ آپ نے پرانی ملاقات کا خوب حق ادا کیا بہر حال یہ پانی حاضر ہے، جس کے پیتے ہی درد سر موقوف ہو گیا اور موگری سے سر کوٹنا بھی بند ہوا لیکن اسہال خونین جاری رہے اور دس بارہ دن میں بولن شاہ راہیِ ملکِ عدم ہو گئے ان کی قبر محلہ ساد ھوان میں ہے[له]۔

حضرت امام حُسین علیہ السّلام سے سچّی محبّت کا محیر العقول مظاہرہ

مرزا اسد اللہ بیگ صاحب رح حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے خلفاء میں سے ہیں ۔ بڑے صاحب جلال و صاحب اختیار تھے۔ شہر بریلی محلہ گڑھیا میں حکیم حسین علی و میر قاسم علی رہتے تھے حکیم حسین علی بڑے حاذق طبیب تھے اور حضرت نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ عشرۂ محرم میں حضرت نیاز بے نیاز ایک مرتبہ حکیم صاحب کے گھر پر تشریف لے جا کر شریک مجلس ہوا کرتے تھے۔ آخر زمانے میں، جب حضرت قبلہ رح بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آپ رح نے خدام سے فرمایا۔ تم چلو میں پالکی میں سوار ہو کر پیچھے آتا ہوں۔ اُسی زمانے میں میر قاسم علی

له ۔ ناز و نیاز ۔ حصّہ اوّل ۔ صفحات ۱۵ تا ۱۷ (بغرض اختصار ہم نے کئی باتیں چھوڑ دی ہیں ۔ صرف خلاصہ لکھا ہے)

کے یہاں کوئی رشتہ دار نواب لکھنؤ موجود تھے، اس نواب نے کہا کہ جناب امیرؑ اور اہلبیت اطہار کی محبت سوائے مذہب امامیہ کے اور کسی کو نہیں۔ سب جھوٹے ہیں۔ اس کے علاوہ چند کلمات اور بھی سخت کہے حضور قبلہؒ کے خدام پہنچ چکے تھے۔ مرزا اسداللہ بیگ صاحبؒ کو اس نواب کے کلمات ناگوار گزرے۔ چنانچہ پیش قبض نکال کر نواب کے سینے پر سوار ہو گئے اور وار کرنا ہی چاہتے تھے کہ حضور قبلہؒ پہنچ گئے۔ حضرتؒ کی تعظیم کی وجہ سے مرزا صاحب اس کے سینے سے اُتر پڑے۔ حضورؒ نے فرمایا۔ کیا معرکہ ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے سب حال عرض کیا۔ اس عرصہ میں مرثیے شروع ہوئے جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم اطہر پر تیر لگنے کا حال شروع ہوا بجرد استماع اس حال کے حضرت نیاز بے نیاز زمین پر گر گئے اور رُوح مُبارک پرواز کر گئی۔ تمام مجلس درہم برہم ہو گئی واویلا واحسرتا ہونا شروع ہوا کہ یہ کیا معاملہ پیش آیا خدام حضور کو پلنگ پر ڈال کر دولت خانہ پر لائے حکیم جمال الدین اور حکیم حسین علی دو چار گھڑی کامل بیٹھے رہے اور نبض دیکھتے رہے جب کسی عنوان رمق روح بھی نہ پائی گئی تو حکمار مذکورہ نے اجازت تجہیز و تکفین کی دی لیکن خلفار حضرت نے نہ مانا اور کہا کہ صبح دیکھا جائے گا۔ مجبور ہو کر تمام عمائد شہر معہ حکمار کے اپنے اپنے گھر چلے گئے اور خدام نے حضور اقدس کا پلنگ اندر مکان زنانہ کے کوٹھے میں رکھا اور تمام خلفار گرداگرد حضور کے بیٹھ کر رو دیا کئے۔ چنانچہ صبح کو پھر کل شہر جمع ہوا اور تاکید واسطے تجہیز و تکفین کے کی لیکن پھر خلفار نے نہ مانا شام کو پھر سب صاحبوں کا اجماع ہو کر وہی گفتگو رہی لیکن پھر خلفار نے نہ مانا تیسرے دن جب عصر کا وقت ہوا تو دیکھا کہ

حضرت کی آنکھ کی تیلی نیچے کو آئی اور کسی قدر چشم نیم وا معلوم ہوئی
منشی علی بخش صاحب جو کہ حضور کے علمِ طب میں شاگرد و
نیز پرورش کردہ تھے۔ نوراً عرق انار شیریں اور دودھ جس میں جلیبی ملی
ہوئی تھی روئی کے پھوئے سے حضور کے دہن مبارک میں ٹپکائی لیکن
وہ حضرت کے حلق کے اندر نہ گئی اور پھر حضور کی آنکھیں بند ہوگئیں اس
کی دو گھڑی کے بعد پھر حضرت نے آنکھیں کھولیں تو اس وقت وہی عرق انار
مع دودھ کے حضرت کے دہن مبارک میں ڈالا یہ حضرت کے حلق سے فرو
ہوگیا ہر طرف سے مبارک سلامت کی صدا آنے لگی حضرت نے دریافت فرمایا
میں کہاں ہوں اور یہ کون سا وقت ہے خدام نے سب حال عرض کیا اور
کہا وقت مغرب ہے۔ پھر حسب الارشاد حضرت کا پلنگ خانقاہ میں لایا
گیا۔ سب لوگ نماز میں مصروف ہوئے حضور نے تیمم کرکے بہ اشارت نماز
ادا فرمائی میر اکبر علی صاحب جو حضرت نیاز بے نیاز کے خلفاء میں سے
ایک خلیفہ تھے اور جن کا ذکر کچھ پہلے ہو چکا ہے کہتے ہیں کہ میں نے اس
وقت حضور کو تنہا پاکر عرض کیا کہ یا حضور یہ کیا معرکہ تھا۔ حضرت نے فرمایا
کہ تجھ کو اس سے کیا غرض ہے جب میں نے مکرر سہ مکرر عرض کیا تو آپ
نے اپنا کرتہ اٹھایا تو دیکھا کہ جسم اطہر تیر کے زخموں سے مشبک ہو رہا
ہے میں فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا اور میری روح پرواز کر گئی ایک شبانہ
روز میری یہی کیفیت رہی جب میں نے آنکھیں کھولیں تو میری بہن نے
کھچڑی کا لقمہ میرے حلق میں ڈالا اور مجھ سے پوچھا کہ تمھاری یہ حالت
کیوں ہوئی میں نے نقلاً اپنا کرتہ اٹھا کر کہا کہ یوں حضرت نے اپنا
کرتہ اٹھا کر دکھلایا تھا۔ میرا یہ حال ہوگیا۔ میرا کرتا کا اٹھانا تھا کہ

کہ میری ہمشیرہ بیہوش ہوکر گری اور ایک شب تک بے جان پڑی رہی سبحان اللہ کیا تعدد تھا کہ ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا متاثر ہوا[1]

مکانات میں لگی ہوئی آگ زور کرامت سے بجھا دی

ایک مرتبہ حویلی کی پشت پر جو لوگوں کے مکانات تھے اُن میں آگ لگ گئی اور آگ کے شعلے اُڑ اُڑ کر مکان کے چھپر پر گرتے تھے۔ مگر چھپر کو آنچ نہیں پہنچتی تھی۔ جب اُس طرف کی آگ بجھ گئی تو دوسری طرف پرانی خانقاہ کی پُشت پر آگ لگی۔ ننھے میاں صاحب سلمہٗ اللہ تعالےٰ خانقاہ میں تشریف لائے۔ مزار مبارک سے حضور قبلہ کی صورت متمثل ہوئی اور فرمایا کہ ننھے میاں (تاج الاولیاء رح سے کہو کہ اُس طرف کی آگ سے ہم نے مکان کو بچا لیا۔ اس طرف کی آگ سے خانقاہ کو وہ بچالیں۔ جناب ننھے میاں صاحب قبلہ رح نے جو حضور قبلہ رح نے فرمایا تھا حضرت تاج الاولیاء رح سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جن کی خانقاہ ہے وہ آپ بچالیں گے ہم کو کیا فکر ہے۔ چنانچہ وہ آگ بھی بجھ گئی۔

غضب ناک آگ کے شعلے آگے نہ بڑھ سکے

گرمیوں کے دنوں میں دوپہر کے وقت حضور قبلہ رح کرتا اتار کر استراحت فرماتے تھے۔ اتفاقاً بریلی میں اس وقت ایسی آگ لگی کہ

---

[1] ناز ونیاز۔ حصہ اول۔ صفحات ۲۸ تا ۳۰۔

[2] حضرت شاہ نیاز بے نیاز رح کے بڑے صاحبزادے اور جانشین اول۔

کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی مکان نہیں بچا اور خبریں کہاں سے کہاں تک پھیل گئی۔ جب وہ آگ محلہ خواجہ قطب میں پہنچی تو حضرت تاج الاولیار قدس سرہ العزیز کو اُس زمانہ میں صغرسن تھے دوڑے ہوئے جناب قبلہؒ کے پاس گئے اور آگ لگنے کی آپ کو خبردی۔ آپ ویسے ہی برہنہ پا چارپائی سے اُٹھ کر باہر تشریف لائے۔ امیر علی خان رسالدار جو گھوڑوں کی سوداگری کرتے تھے ان کے گھوڑے چھپر کے نیچے بندھے تھے اور سائیس ان کو نکالنے کے لئے تلملا رہے تھے۔ جب رسالدار نے حضرت قبلہ کو دیکھا تو سائیسوں سے کہا کہ مت نکالو اگر حضرتؒ کو بچانا ہوگا تو بچا لیں گے ورنہ آپ کے سامنے ان کو جلنے دو۔ اس کہنے پر حضور قبلہؒ کو تغیر پیدا ہوا۔ نظر اٹھاتے ہی وہ آگ دوسری طرف لوٹ گئی۔ ان کے چھپر کا ایک کونہ جلا تھا وہ بھی سرد ہو کر گر گیا۔ دوسرے روز حضرت تاج الاولیاؒ نے جناب قبلہ سے عرض کیا کہ حضور نے کیا پڑھا تھا کہ جس سے آگ بجھ گئی ہم کو بھی بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ پڑھنا کیا تھا سمندر بن کر ایک چھینٹا مارا فوراً بجھ گئی۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ سمندر بننا آسان ہے یہ تو آپ ہی کی شان ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو بُلا لیا

ایک پادری عیسائی حضرت نیاز بے نیاز علیہ الرحمتہ سے گفت گو کو آیا آپ کو اس وقت استغراق تھا وہ آکر چبوترہ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ حضرت کو اس کے منشائے حاضری کی اطلاع کی گئی۔ آپ نے اُس کی طرف دیکھا کہ اتنے میں دروازۂ خانقاہ میں سے ایک

روشنی شعلہ کی لپٹ کی طرح اندر کو آئی وہ پادری بے ہوش ہوگیا۔ بعد ہوشیاری چلاتا تھا کہ ہم مرے جلتے ہیں ہم کو یہاں سے ہٹا دو، لوگوں نے اس کو اٹھا کر باہر خانقاہ کے ڈال دیا۔ بعد ازاں حضرت سے پوچھا کہ یہ کیا تھا فرمایا کہ میں نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گفتگو کے لیے بُلایا تھا۔ بمشاہدۂ روحِ القدس اس کا یہ حال ہوگیا کہ تاب نہ لاسکا۔

آپؒ کی مثالی صورتوں کی جلوہ گری

محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحب نے حضرت نیاز بے نیاز رحؒ سے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنی اصلی صورت دکھا دیجئے۔ آپ نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ میری یہی صورت ہے جو آپ دیکھتے ہیں۔ اس میں ان کا اصرار زیادہ ہوا اور یہ کہا کہ محبوب الٰہیؒ کے آستانہ کا خادم ہوں۔ آپ نے سکوت کیا تیسرے روز تنہا حضور تشریف رکھتے تھے سوائے صاحبزادہ صاحب کے کوئی اور نہ تھا۔ جناب قبلہ نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب مکان کا دروازہ بند کر دیجئے۔ صاحبزادہ صاحب مکان کا دروازہ بند کرنے گئے۔ جب لوٹ کر آئے تو دیکھا کہ مثل جناب قبلہ کے تین صاحب بیٹھے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہوئی اور وہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے پسینہ آگیا اور ان پر لرزہ طاری ہوا۔ آپ نے فرمایا آؤ صاحب یہ کہتے ہی دو صورتیں غائب ہوگئیں اور ایک باقی رہی۔ جب وہ آکر بیٹھے تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ تو صورت مثالی دیکھنے کے بھی متحمل نہ ہوئے، اصلی صورت دیکھنے کے کیسے متحمل ہوتے۔

چہرۂ مبارک مثل آفتاب روشن ہو گیا

اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ بخش اللہ صاحب نے بھی یہی فرمائش کی تھی۔ حضور نے اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیرا تو چہرہ مبارک مثل آفتاب کے روشن ہو گیا۔ کسی کو تاب مشاہدہ نہ تھی اور بخش اللہ خانصاحب کا تو یہ حال ہوا کہ وہ وجد میں آکر بے ہوش ہو گئے۔ بعد افاقہ حضور نے فرمایا بھائی اس سے زیادہ نہیں۔

بعد وصال بیعت فرمایا

منظہر حسین خانصاحب چابک سوار ساکن بریلی محلہ بہور کا بیان ہے کہ میری خالہ یعنی زوجۂ خواجہ حسین خاں مرحوم فرماتی تھیں کہ ایک ولایتی کابل سے چل کر بریلی پہنچا ابھی شہر میں داخل نہ ہوا تھا کہ قلعہ کی ندی میں ایک صاحب نے اس سے دریافت کیا کہ تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے اس نے بیان کیا کہ میں کابل سے طالب ہو کر بغرض بیعت حضرت مولانا شاہ نیاز احمدؒ کی خدمت میں جاتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ جن کے پاس تم جاتے ہو وہ نیاز احمد میں ہی ہوں۔ غرض کہ اس کو وہیں بیعت کیا اور فرمایا کہ تم خانقاہ چلو میں بھی آتا ہوں۔ غرض کہ جب وہ ولایتی خانقاہ میں آیا تو دیکھا کہ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کے سوم کی فاتحہ ہو رہی ہے۔ یہاں آکر اس کو معلوم ہوا کہ جناب قبلہ وصال کر گئے اور مجھ کو بعد وصال کے بیعت فرمایا۔ یہ واقعہ اُس نے حاضرین فاتحہ کے سامنے بیان کیا۔

قریب المرگ بچہ صحت مند ہو گیا

برکت علی خاں صاحب شاہجہانپوری کا بیان ہے کہ میں تحصیل کرور بریلی میں محرر مال یعنی محرر متفرقات تھا۔ مجھ سے اور محمد حسین خاں صاحب رسالدار برادر ضمیر خانصاحب رسالدار پنشن یافتہ ساکن بریلی محلہ بہور سے بہت کچھ راہ و رسم تھی۔ ایک روز حسب اتفاق ذکر حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے اوصاف اور کرامات کا آگیا۔ محمد حسین خانصاحب نے فرمایا کہ میاں ان کی کرامات کا کیا ذکر کرتے ہو میری مکرر زندگی انھیں کے فیضان اور دعا سے ہوئی بزمانہ شیر خوارگی میں بخار میں ایسا مبتلا ہوا کہ دو روز تک میں نے آنکھ نہیں کھولی اور نہ دودھ پیا۔ ایک سیدانی صاحبہ میرے مکان میں رہتی تھیں۔ انھوں نے مجھ کو پیدائش کے وقت گود میں لے لیا تھا اس لئے کہ میرے والد کی کوئی اولاد نہ جیتی تھی۔ جب میری یہ حالت سیدانی صاحبہ نے دیکھی اور والدین اور عزیزوں کو سخت پریشان دیکھا تو ان کو بہت ملال ہوا اور دفعتہً مجھ کو گود لے کر باہر نکل آئیں۔ ہر چند سبھوں نے منع کیا کہ آپ نہ جائیے وہ نہ مانیں اور کوچہ در کوچہ ہوتے ہوئے خانقاہ شریف میں حاضر ہوئیں اور مجھ کو حضرت نیاز بے نیاز رح کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور نے آنکھ کھولی اور سیدانی صاحبہ نے سلام کیا۔ پوچھا کہ سیدانی صاحبہ کیسے آئی ہو اور یہ بچہ کس کا ہے۔ انھوں نے ساری کیفیت عرض کی حضرت نے ایک پرچہ کاغذ کا اٹھا کر اس پر کچھ تحریر فرمایا اور تہ کر کے سیدانی صاحبہ کو دیا اور فرمایا کہ اس تعویذ کو موم جامعہ میں کر کے

اس کے گلے میں ڈال دو اور جب بچہ ہوشیار ہوجائے اور وہ دودھ پینے لگے تو اس تعویذ کو موم جامہ سے نکال کر اور دھو کر اس پانی کو ماں کے دودھ میں ملا کر بچہ کو پلا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے باندھنے کے ایک گھنٹہ بعد مجھے ہوش آ گیا اور میں دودھ پینے لگا۔ سب عزیزوں کو خوشی ہوئی۔ اس خوشی میں سیّدانی صاحبہ کو تعویذ دھو کر پلانا فراموش ہوگیا تیسرے روز سیّدانی صاحبہ کو یاد آیا اس تعویذ کو موم جامہ سے نکال کر دھونے کا ارادہ کیا۔ میرے نانا صاحب اتفاق سے مکان میں بیٹھے تھے انھوں نے کہا کہ سیّدانی صاحبہ تعویذ تو دھوتی ہو ذرا مجھ کو دکھلاؤ دیکھوں تو اس میں کیا لکھا ہے کہ بچہ کو اس کی برکت سے ایسی جلد شفا ہوئی۔ سیّدانی صاحبہ نے ان کو دیا انھوں نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس تعویذ میں یہ لکھا تھا

آفتابم آفتابم آفتاب ۔ سوائے اس کے اس میں اور کچھ نہ تھا۔ نانا صاحب نے کہا کہ اس میں تو یہ لکھا ہے۔ غرض کہ سیّدانی صاحبہ نے اس تعویذ کو دھو کر اور والدہ کے دودھ میں ملا کر مجھ کو پلایا اس کی برکت سے میں تندرست ہوگیا۔ یہاں تک کہ جوان ہوا نوکر ہوا ترقی پاتے پاتے رسالدار ہوا اور اب پنشن پا رہا ہوں اور اس وقت سے اب تک کوئی بیماری نہیں ہوئی یہ سب حضرت قدس سرہ العزیز کا تصرّف ہے۔

بحالت فالج قوت کا مظاہرہ

آخیر عمر میں جب حضرت نیاز بے نیاز رح باعارضہ فالج مبتلا ہوئے تو ایک روز غلاموں میں سے

خلیفہ شاہ نور حسین صاحب رح کو حضرت کی یہ حالت دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ دروازہ بند کر لو بعد اس کے حضور نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ لاؤ جس ہاتھ پر فالج گرا تھا اس ہاتھ سے اُن سے پنجہ کیا اور مثل تندرستوں کے ان سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد بغیر اعانت چارپائی سے اٹھے اور صحن میں ٹہلنے لگے۔ دو چار پھیرے چہل قدمی کر کے پھر لیٹ گئے اور جو پہلی حالت تھی وہی حالت بے حس و حرکت کی ہو گئی اور فرمایا کہ ہمارے درد بہت ہے

شدت آتش باطن کا مظاہرہ

ایک مرتبہ حضرت نیاز بے نیاز کو مضمون عشقیہ پر تواجد ہوا عین تواجد میں آپ نے پانی مانگا جب پانی آیا نوش فرما کر اس کو پھونک دیا وہ پانی دھواں بن کر غائب ہو گیا اس طرح اس روز حضرت نے متواتر ایک مٹکہ پانی پیا اور سب دھواں ہو کر اُڑ گیا۔

تھوڑا کھانا ہزاروں کے لئے کافی

قریب انتقال بروز عرس حضرت مولانا محمد فخر الدین رح فاتحہ کے وقت فرمایا کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ آج فاتحہ میں روٹی بھی رکھی جائے۔ چنانچہ ایک خوان روٹیوں کا بھی رکھا گیا۔ بعد فاتحہ آپ رح نے فرمایا کہ ہمراہ بتاشوں کے روٹی بھی تقسیم کرو۔ منشی علی بخش نے عرض کیا کہ حضور صرف خانقاہیوں کے لئے پانچ چھ سیر آٹا پکتا ہے اور اس عرس میں کئی ہزار کا مجمع ہے۔ آپ نے اپنی چادر دی اور کہا کہ اس سے سب کھانے کو ڈھانک دو۔

اور اس کے نیچے سے روٹی لانا شروع کردو۔ موافق حکم کے عمل کیا گیا جب سب عُرس والوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اطلاع کی گئی ۔ آپؒ نے فرمایا اب جو خانقاہ میں ہیں انھیں کھلاؤ۔ جب وہ کھا کر سیر ہو گئے تو آپؒ نے اپنی چادر منگوائی ۔جب چادر کو اُٹھایا تو دیکھا کہ اتنی ہی روٹیاں اور سالن موجود ہے جتنا قبل تقسیم تھا۔ یہ جناب قبلہؒ کی کھلم کھلا کرامت ہے۔

جسم مبارک پھول کی طرح ہلکا ہو گیا

ایک مرتبہ سماع میں آپؒ کو ایک حالت طاری ہوئی ۔ قوالوں کے پاس جانے کا قصد کیا۔ منشی علی بخش و نبی بخش خدام نے حضرت کو ہاتھوں پر لیا ۔ اس وقت آپؒ کا تمام جسم مبارک کا وزن مثل گلاب کے پھول کے ہلکا معلوم ہوتا تھا۔ منشی علی بخش نے بآواز بلند کہا ، یارو دیکھو حضرتؒ کا جسم کیسا ہلکا ہے ۔ چند صاحبوں نے لیا ۔کسی نے گلاب کے پھول سے زیادہ وزن نہ پایا اور لُطف یہ کہ جو ہاتھ لگاتا تھا آپؒ کے اثر سے وہ بھی کیفیت میں آجاتا تھا۔ مولوی عبداللطیف صاحب اور خلیفہ میر محمد سمیع صاحب جن کو حضرت نیاز بے نیازؒ نے " امام السالکین " کا خطاب دیا تھا۔ وہ دوڑے اور کہا کہ یارو اس مشاہدے میں حضرتؒ کی کیفیت خراب کرتے ہو۔ اس کہنے پر حضرتؒ کو مسند پر بٹھایا اور یہ حالت دیر تک رہی۔

بحالت کیف ترشح بند

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت قبلہؒ کو کیفیت ہوئی۔ ابر غلیظ گھرا ہوا تھا۔ کسی قدر ترشح بھی شروع ہوئی۔ آپؒ نے آسمان کی طرف نظر

اُٹھائی فوراً ترشح بند ہوگئی اور جب تک وہ کیفیت رہی آسمان پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی لٹکا ہوا ہے۔ جب وہ کیفیت رفع ہوئی تو اس کثرت سے پانی برسا کہ جس کی کچھ حد نہ تھی۔

سید حاجی ہاشم شاہ کو دریائے خٹک میں ڈوبنے سے بچالیا۔ حکم مرشد کی بجا آوری کی مثال اور حاجی صاحبؒ پر حضور قبلہؒ کی عنایات

حضرت قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز نے حاجی ہاشم شاہؒ کو ایک شخص کے خط کا جواب تحریری عطا فرما کر حکم دیا کہ اسے فوراً کابل جا کر شخص مذکور کے حوالہ کریں اور واپس آئیں اس زمانے میں نہ ہوائی جہاز تھے نہ موٹر کاریں حتیٰ کہ ریل بھی نہ تھی۔ سید حاجی ہاشم شاہؒ تین ماہ میں اُس شخص کے گھر پہنچے اور حضور قبلہؒ کا والا نامہ اس کے حوالہ کیا۔ سید صاحبؒ نے دوسرا کمال یہ کیا کہ خود اپنے گھر نہیں گئے جو وہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ حالانکہ انھیں اپنا گھر چھوڑے ہوئے چھ سات ماہ ہو چکے تھے۔ خیال گزرا ہوگا کہ مرشدؒ نے والا نامہ پہنچانے کا حکم دیا ہے گھر جانے کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ لہٰذا اُلٹے پاؤں واپس ہوئے۔ راہ میں دریائے خٹک پار کرنا تھا کشتی تو تھی مگر اُجرت دینے کے لئے کچھ نہ تھا۔ یا بے نیازؒ کہتے ہوئے دریا میں چھلانگ لگادی اور غوطے کھانے لگے۔ یکایک ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے انھیں پکڑ کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ ورنہ سید صاحبؒ گئے تھے۔

جب وہ بریلی پہنچ کر حضور قبلہؒ کے قدمبوس ہوئے تو حضورؒ نے فرمایا شکر ہے کہ بخیریت یہاں پہنچ گئے اگر دریائے خٹک میں میں نے

تمھیں نہ بچایا ہوتا تو تم یقیناً ڈوب گئے ہوتے۔ آگے آؤ۔

چنانچہ جناب حاجی صاحب حضور قبلہ رح کے قریب آئے اور آپ نے ایک دانہ بتاشہ بتاشوں میں سے اٹھا کر سید صاحب رح کے منھ میں دے دیا۔ بتاشے کا منھ میں لینا تھا کہ سید صاحب بیہوش ہو گئے حضور قبلہ نے خدام کو حکم دیا کہ سید صاحب کو ایک حجرے میں بند کر دیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ سترہ دن کے بعد حضور قبلہ رح بہ نفس نفیس حجرۂ مذکور میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ سید صاحب ہنوز بے ہوش ہیں۔ چنانچہ حضور قبلہ رح نے قدرے توجہ فرمائی اور سید صاحب ہوش میں آگئے۔ بتاشہ ہنوز منھ میں موجود تھا اور جوں کا توں خشک تھا۔ حضور قبلہ رح نے حال دریافت کیا، سید صاحب رح نے اپنا حال بیان کیا۔ اس پر حضور رح نے شاباشی دی اور ارشاد فرمایا کہ اے سید لوگ جتنا سترہ سال محنت کر کے حاصل کرتے ہیں تم نے وہ سترہ دن میں حاصل کر لیا۔ اب چالیس دن ہر وقت جہاں میں رہوں میری حضوری میں بیٹھا کرو تاکہ میرے وجود کے فیضان سے مستفیض ہو سکو۔

سید صاحب سات سال حضور قبلہ رح کی خدمت میں موجود رہے اور پھر اجازت لے کر وطن واپس تشریف لے گئے۔ حاجی صاحب رح کو حضور قبلہ نے خلافت و اجازت بھی عطا فرمائی وہ دیوغاب (نواح کابل) کے رہنے والے تھے، وہاں انھوں نے خانقاہ قائم کی اور آخری دم تک سلسلۂ نیازیہ رح کی اشاعت فرماتے رہے۔ ہزاروں اشخاص (ولایتی) آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر منزل مقصود تک پہنچے۔

شاہ شجاع کا واقعہ جب وزیر دوست محمد خاں نے تخت کابل

پر قبضہ کر لیا اور شاہ شجاع کو نکال دیا اور وہ انگریزوں کی پناہ میں ہندوستان میں پناہ گزیں ہوا تو کچھ عرصہ بعد اس نے دو چار آدمیوں کو عرائض و تحفہ جات حضور قبلہؒ کی خدمت میں بھیجے اور بصد الحاح و زاری داخل سلسلہ ہونے کی تمنا کا اظہار کیا۔ عرضیوں میں لکھا کہ میں بذات خود حاضر ہوتا لیکن میرے وہاں حاضر ہونے میں بہت جھمیلے ہیں۔ کوئی تدبیر فرمائیے تاکہ میں بھی داخل سلسلۂ عالیہ ہو سکوں۔ چنانچہ حضور قبلہؒ نے مولوی نعمت اللہ شاہ بدخشانی کو صاحب ارشاد کر کے روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اثنائے راہ میں شاہ شجاع کو بمقام لدھیانہ میرے ہاتھ پر بیعت کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ شاہ شجاع نے ایک عرضی واسطے ملنے کابل کے پھر لکھی اور حضور شاہ نیاز بے نیازؒ میں روانہ کی۔ آپ نے بحالت وجد منشی علی بخش صاحب سے ارشاد فرمایا۔ لکھ دے۔ میں نے کابل دیا لیکن بروقت ملنے کابل کے ایک لاکھ روپیہ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی سید محمد نظام الدین اولیا بخاری بدایونی قدس سرہ العزیز کے مزار شریف پر بھیج دینا اور خبردار کسی دوسرے سے اس بارے میں رجوع نہ کرنا۔

چنانچہ تھوڑے دنوں شاہ شجاع خاموش بیٹھا رہا۔ اتفاق سے کوئی مجذوب وہاں وارد ہوا اور شاہ شجاع کے ساتھی خوشامدیوں نے کہہ سن کر اُسے اس مجذوب کے پاس لے گئے۔ شاہ شجاع تلون مزاجی اور دنیاوی طمع کا شکار ہو کر دامن صبر کھو بیٹھا اور مجذوب سے کابل ملنے کی درخواست کی۔ مجذوب نے کہا کہ تمھیں کابل ملے گا۔ جب یہ خبر شاہ شجاع کی مجذوب سے مل کر کابل کے لئے کہنے کی قطب عالم مدارا اعظم شاہ نیاز بے نیازؒ

نے سُنی تو بہ نظرِ غضب ارشاد فرمایا کہ ہم نے کابل دیا تھا مگر پھر چھین لیا اور اس کے (یعنی شاہ شجاع کے) ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیلوں اور کوؤں کو کھلا دیا۔ حاضرین مجلس نے عرض کیا کہ حضور آپ دریائے کرم ہیں جس شخص کو آپ نے کچھ عطا فرمایا پھر اس کا واپس لینا غریب نوازی سے بعید ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خوب بات ہے ـــــ دیویں حضرت سلطان جی رح صاحب اور نام ہو مجذوب کا ـــــ اور یہ بھی حضور رح نے زبانِ مبارک سے فرمایا کہ جو کوئی میرا ملنے والا دوسرے سے رجوع کرے گا اس کو مارے جوتوں کے سات طبق زمین میں دھنسا دوں گا۔ دیکھو جواب میں کہ کابل تجھے دیا لیکن پھر لے لیا اور تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مار ڈالا۔ چنانچہ دو سال کے اندر اس تحریر کا حرف حرف پورا ہوگیا۔ شاہ شجاع کو کابل کا تخت مل گیا اور وہ ایک سال سے زیادہ ہی برسرِ اقتدار رہا۔ مگر کوئی نذر حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے مزارِ مبارک پر نہیں بھیجی۔ دوسرے سال سیاسی شورشیں اس کے خلاف برپا ہونے لگیں اور دوسرا سال تمام نہ ہونے پایا تھا کہ مخالفین نے اسے جبکہ وہ نوروز کے جلوس کی سیر کر رہا تھا ہوا دار سے کھینچ کر تلواروں اور خنجروں سے اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور اس کی لاش کو چیل کوّوں کو کھلا دیا۔ اس کے بعد دوست محمد خاں کو تخت نشین کیا گیا۔

مولوی یار محمد صاحب ولایتی کو ظاہری صورت انتقال کی خبر دے دی

مولوی یار محمد صاحب ولایتی کے بعض حالات دلچسپ ہیں اس لئے مختصراً کچھ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آپ جب حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں داخل ہوئے تو آپ کی خوراک ایک بکرے کا گوشت روزانہ تھی۔ تین روز تک انھیں یہ غذا دیگر خانقاہیوں سے الگ دی گئی، چوتھے روز مولوی صاحب نے خود ہی کہا کہ حضرت مجھ میں اور دیگر خدام میں فرق نہیں ہے۔ لہٰذا میں بھی سب کے ساتھ ہی کھانا کھایا کروں گا۔ چنانچہ اجازت دے دی گئی۔ پہلے روز انھوں نے چھ چپاتیاں کھائیں۔ پھر پانچ پھر چار پھر تین۔ کسی سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ خانقاہ کی ایک دیوار میں بڑے بڑے طاق بنے تھے۔ چنانچہ ایک طاق میں بیٹھے رات دن اپنے شغل میں مستغرق رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ حرارت عشق کا اتنا غلبہ ہو گیا کہ جو پاس سے نکلتا اسے آگ کی سی لپٹ محسوس ہوتی تھی۔ ان کی نگاہ گرم سے درخت خشک ہو جاتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ حضرت قبلہ رح نے فرمایا۔ ابھی کچھ عرصہ اور ٹھہرو۔ اسی طرح تین چار بار ہوتا رہا۔ بالآخر حضرت قبلہ نے فرمایا۔ نہیں مانتے تو جاؤ لیکن سر دار کو سرخ کر دگے۔ اس کے بعد خلافت عطا فرما کر رخصت کر دیا۔ جب ولایت پہنچے تو کلمہ انی انا اللہ زبان سے جاری ہو گیا اور علمائے ظاہر نے متفق ہو کر آپ کو دار پر کھینچ دیا۔

مولوی جان محمد صاحب کابلی کا واقعہ

آپ بھی حضرت قبلہ نیاز بے نیاز رحمۃ کے خلفاً میں سے تھے اور غالباً انھوں نے حضور قبلہ رح کے خلفائے ولایت میں سب سے آخر انتقال فرمایا۔ انھیں جو فتوحات ہوتی اپنی ذات پر مطلق خرچ نہ کرتے اور سال بھر کے بعد اپنے خدام کے ذریعہ سب حضرت قبلہ کی خدمت

میں بھیج دیا کرتے تھے۔ بعد وصال حضرت قبلہؒ ان کے صاحبزادگان کی خدمت میں بھی اسی طرح بھیجتے رہے۔ دونوں میاں بیوی تقریباً سو سال کے ہو چکے تھے اور سلائی کر کے گزر بسر کرتے مگر فتوحات سے کچھ خرچ نہ کرتے تھے۔ آپؒ ہی کا ایک واقعہ خاص کابل کا ہے کہ آپ کی زبان سے بھی کلمہ انی انا اللہ نکلنا شروع ہوا اور علمائے ظاہر نے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا لیکن آپ نے فرمایا۔ میں یار محمد نہیں بلکہ جان محمد ہوں۔ پہلے میرا ناخن تراش کر تو دیکھو۔ چنانچہ ناخن تراشا گیا سب حاضرین کے ناخن ترش گئے۔ اس پر سب خوفزدہ ہو گئے اور آپ کو چھوڑ دیا۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے خدام و خلفا سے سرزد ہوئے اور بعد میں بھی اُن کے سلسلے کے جانشیان عالی مرتبت اور پھر ان کے خدام و خلفاء سے سرزد ہوتے رہے ہیں تو اندازہ کیجیے کہ ان کی تعلیم کس قدر ٹکسالی ہے اور خود اُن کی روحانی قوت کتنی زبردست تھی۔

حضرت قطب عالم مدار اعظم حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قدس سرہُ العزیز نے اپنا مقام دفن قبل از وصال فرمایا تھا۔ چنانچہ وہیں دفن ہوئے۔ رات کو پانی برسا۔ قبر شریف خام تھی پانی انداز میں پانی نے سوراخ کر دیا۔ صبح کو عبید اللہ صاحب مغفور فاتحہ پڑھنے کو آئے اور دیکھا کہ پانی نے سوراخ کر دیا ہے۔ آپ نے اس سوراخ میں ہاتھ ڈالا اور حضرت قبلہ کے پائے مبارک کو مس کیا۔ خلیفہ مرزا

اسد اللہ بیگ صاحب ناراض ہوئے کہ مولوی صاحب کیا کرتے ہو۔ جناب قبلہ کی قبر بہت گہری کھدی تھی اور آپ کا جسم مبارک ایک بانس نیچے تھا۔ مولوی صاحب نے کہا تمھارا اعتقاد درست نہیں دیکھو میں نے جناب قبلہ کے ہاتھ کو مس کر لیا اور مس کرنے سے میرے ہاتھ میں مُشک کی بوُ آرہی ہے اور وہ خوشبو مولوی صاحب کے ہاتھ میں ایک مہینہ قائم رہی۔ اس کے بعد مزار مبارک پختہ تعمیر ہوا۔

باب ۳۴

دیگر اوصاف وکمالات

بعض اولیاء اللہ میں یہ صفت بھی پائی گئی ہے کہ وہ اپنے خاص فرائض منصبی کے علاوہ، ایسے ایسے علوم و فنون میں بھی کمال کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کے حصول کے لیے وہ کسی درس گاہ یا استاد کے مرہون منت نہیں ہوتے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انھیں منجانب اللہ ایسی قدرت عطا کی جاتی ہے کہ وہ بلا منت غیرے، حسب ضرورت جس کمال کو چاہیں اس کا اظہار فرمائیں۔ یہ بھی ان کے کمال ولایت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

اولیا راہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ

کرامات وتصرفات پر ایمان نہ رکھنے والے اشخاص ہٹ دھرم ہوتے ہیں لیکن کیا وہ ایسے علوم و فنون میں بلاکسب کمال حاصل کرنے والے حضرات کی برتری اور ان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام خصوصی کے بھی قائل نہ ہوں گے جو خود ان ہٹ دھرم اشخاص کے دائرہ کسب واکتساب کے اندر ہوتے ہیں لیکن وہ سخت محنت کے باوجود بیک وقت ان علوم وفنون میں کمال حاصل نہیں کر سکتے۔ بڑے سے بڑا فاسق وفاجر بھی تائب ہوکر روحانیت کے مدارج اعلیٰ پر پہنچ جاتا تھا۔

ہمارے مشائخ کرام رح نے غیر مسلموں کو کافر نہیں کہا بلکہ "عجمی" کہتے تھے۔ انھیں قرآنی اذکار کا ترجمہ بتایا جاتا تھا۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی؎

کے ایک مکتوب میں ہے :۔

"صلح باہندو ومسلمان سازند وہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بہ شما داشتہ باشند، ذکر وفکر مراقبہ وتعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود اورا بر بقۂ اسلام خواہد کشید" [1]

ترجمہ: ہندو اور مسلمان دونوں سے صلح رکھو اور ان دونوں فرقوں میں سے جو شخص تمہارا معتقد ہو اسے ذکر وفکر مراقبہ تعلیم کرو کیونکہ ذکر خاصیت خود اُس شخص کو اسلام کی طرف کھینچ لے گی [x]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس انتظار میں ذکر و فکر مراقبہ تعلیم نہ کرنا کہ وہ پہلے باقاعدہ مسلمان بن جائیں یا اپنے اسلام کا اعلان کر دیں ان بزرگوں کی مصلحت اور اصول تبلیغ کے منافی تھا

حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اگر بیعت کے شرائط و قواعد کو وہ پہلے ہی سے بیان کر دیں تو بہت سے لوگ محروم رہ جائیں [2] کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک ہی دفعہ اس پر ڈالنا نفسیاتی مصلحتوں کے خلاف ہے [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض عمال رضؓ کو نرمی و اعتدال کی تاکید فرمائی ہے [4]

"ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے زمانے سے لے کر شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے زمانے تک مشائخؒ کو

---

[1] مکتوبات کلیمی ص ۷

(x) ملفوظات شاہ فخر دہلویؒ اردو ترجمہ فخر الطالبین ص ۹۹ (سلمان اکیڈمی - کراچی)

[2] تاریخ مشائخ چشت ۔ ص ۱۳۱

[3] حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ۔ ص ۲۰۳ [4] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۸

ایسے لوگوں کی اصلاح و تربیت کرنی پڑی ہے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اپنے قبیلے کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے"۔ [1]

یہ صورتِ حال ہمیشہ رہی اور آج تک موجود ہے۔ دورِ حاضر میں تو حکومت کی جانب سے آئینی پابندیاں بھی عائد کر دی گئی ہیں۔ اس کے باوجود دل کسی قید و پابندی کی پروا نہیں کرتا جدھر چاہتا ہے جھک جاتا ہے۔ تاہم مشائخ کرام رح احتیاط کرتے ہیں۔ نہ وہ نام بدلنے پر اصرار کرتے ہیں نہ اعلان پر۔ وہ دل بدل دیتے ہیں اور معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے ہیں: خواہ معافی دے خواہ عذاب۔

ایک اور اہم اصول جو ان بزرگوں سے ہم تک پہنچا ہے یہ ہے کہ وہ ذکر و اشغال میں عربی الفاظ کے استعمال پر اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ عجمی کی زبان کے الفاظ ہی استعمال کراتے تھے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (دہلوی) کا ایک حکم کشکول کلیمی میں ہے کہ

اگر مرید عجمی باشد بہر زبان کہ دانستہ باشد، تلقین فرمایند	یعنی اگر مرید عجمی ہو تو اسی کی زبان میں اسے تعلیم و تلقین فرمائیں۔ [2]

حضرت شاہ فخر الدین صاحب رح بھی اسی اصول کے پابند تھے اور حضور نیاز بے نیاز رح نے بھی غیر مسلموں کے متعلق ان ہی اصولوں پر عمل فرمایا۔ چنانچہ آپ رح کے خاندان میں چند اشغال بزبان ہندی و اردو موجود ہیں۔ اور ان ہی الفاظ میں وہ تعلیم کیے جاتے ہیں۔

فخر الطالبین میں ہے: ایک غیر مسلم کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمارے طریقہ میں داخل ہو گیا ہے اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہے۔ ہمارے

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۳۰۳ [2] مسودہ نظامی۔

معتقدوں میں ہے۔ وہ پریشان تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اُسے نوکری بھی مل گئی۔ (اردو ترجمہ۔ صفحہ ۹۸۔ سلمان اکیڈمی۔ کراچی)

اسی کتاب میں ایک دوسرا واقعہ اس طرح درج ہے.... فرمایا ایک دن ایک ھ (عجمی) میرے پاس آیا۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور ایک پیرزادے صاحب کا نام لے کر کہا کہ وہ آئے باہر بیٹھے رہے۔ ان کو ناگوار ہوا کہ اندر ھ تو بیٹھا ہوا ہے اور میں پیرزادہ ہو کر باہر بیٹھا ہوا ہوں یہ کیا طریقہ ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کہا حالانکہ اس میں کھلا ہوا فائدہ تھا کہ وہ حقہ ہمارے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ رہا تھا۔ اس لئے خلوت تھی اور لوگ بدگمانی میں تھے۔" (اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتاً وہ دل سے مسلمان تھا صرف اپنے ہی ہم قوموں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ مؤلف)

" اس کے بعد یہ ذکر ہوا کہ اگر کسی ھ کو کسی شغل کا شوق ہو تو اسے ایمان والا سمجھنا چاہیئے یا نہیں۔ فرمایا۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ خدا کا نام بتلانے میں کوتاہی نہ کرنا چاہیئے۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے وہ مسلمان کیا جائے۔ پھر کوئی شغل بتایا جائے۔ اجی خدا کے نام میں بہت بڑا اثر ہے۔ وہ خود اپنی طرف کھینچ لے گا۔ پھر اس نیک کام میں دیر کی ضرورت ہی نہیں۔"[1]

غیر مسلموں کے ساتھ ان بزرگوں کے حسن سلوک کی ہزارہا مثالیں اور صورتیں تھیں لیکن یہاں ہم خالص دینی بلکہ عرفانی تعلیمات میں حسن تعلیم و تربیت کا پہلو پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک اور زریں اصول کی وضاحت ضروری ہے تاکہ ناظرین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ہم نے

---

[1] اُردو ترجمہ فخر الطالبین۔ شائع کردہ سلمان اکیڈمی۔ کراچی۔ صفحہ ۹۹

جہاں[1] خاندان نیازیہ رح کے اشغال واذکار کی فہرستیں دی ہیں۔ ان میں چند اشغال اہل ہنود کے بھی دئیے ہیں۔ وہیں ہم نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ ناظرین کو یہ دھوکا نہ ہو کہ حضور قبلہ رح نے غیر اقوام سے کچھ لے کر دینی سرمایہ میں اضافہ فرمایا ہے۔ بلکہ آپ رح نے مذکورہ اشغال ہنود کو اپنے اصولوں کے مطابق صحیح کر کے اُن ہی کو ان ہی کی زبان میں تعلیم فرمائے تھے۔ اور اُن کے نام بھی وہی رہنے دئیے۔ ان بزرگوں کے روادارانہ طریقہ تبلیغ کا یہ عام اصول تھا کہ وہ کسی سے کوئی بنیادی چیز خلاف اسلام ہرگز نہیں لیتے تھے بلکہ خود اپنی صحیح تعلیم ان تک پہنچا دیتے تھے۔ الفاظ خواہ کسی زبان کے ہوں اس کی تصدیق کے لئے ہم حضرت شاہ فخر علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

" شاہ صاحب رح ہندوؤں سے بہت اچھی طرح ملتے تھے ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے، ایک مرتبہ سفر میں ایک ہندو سے ملاقات ہوئی۔ وہ عامل تھا اور جس چیز کو چاہتا تھا منگا لیتا تھا۔ شاہ صاحب رح سے کہنے لگا:-

'' اگر کرم فرمودہ بخانۂ من تشریف فرمائید موکلانِ ایں عمل بہ شما آشنا سازم'

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر بات قرآن شریف میں میں موجود ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں"[2] (جملہ امور در قرآن شریف موجود است - حاجت نہ دارم")

---

[1] باب ۲ -

[2] - مناقب المحبوبین - ص۹۳ - بحوالہ تاریخ مشائخ چشت رح ص۵۱۲ و ۵۱۳

آپ نے دیکھ لیا کہ ان بزرگوں نے یہ بات کو قرآن شریف سے پا یا حتی کہ اعمال واذکار بھی وہیں سے لئے اور وہ نہایت اطمینان اور شان استغنا کے ساتھ ان سے یہ فرما کر کہ "قرآن پاک میں سب کچھ موجود ہے" ان کی پیشکشوں کو قبول کرنے سے انکار فرما دیتے تھے۔ لہٰذا یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضرت مولانا شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ نے ہنود سے کچھ دینی اشغال و اعمال لے کر اپنے سرمایہ میں شامل کیے۔ یا حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے خاندانی اذکار و اشغال و اعمال میں کمی تھی جو ہنود سے لے کر پوری کی گئی۔

درحقیقت بات یہ تھی کہ قطب عالم مدار اعظم حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کی شہرت و عظمت کے ڈنکے چار دانگ عالم میں ایسے بج رہے تھے کہ غیر مسلم اقوام کے "بزرگ" بھی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اپنی اپنی مشکل حل کراتے بلکہ بعض اوقات آپؒ کی غلامی قبول کر لیتے تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے مریدوں میں یوروپین افراد۔ سکھ۔ پارسی، ہندو وغیرہ سب ہی شامل تھے جن میں آخر الذکر کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ ان کے لئے ہندوؤں کے مشہور ہندی اشغال کا قلم بند کر لینا (بعد از اصلاح) اشد ضروری تھا۔ تاکہ ان کے خلفا و جانشینان بھی بوقت ضرورت کام لے سکیں اور آئندہ نسلوں کے غیر مسلم مریدوں اور معتقدوں کو فائدہ پہنچا سکیں۔ یہ وجہ ہے کہ ہم فہرست اشغال میں اشغال ہنود کے نام پاتے ہیں۔

خانقاہ شریف کے غیر مسلم حلقہ بگوشوں، معتقدوں اور ہمدردوں کی تعداد ہر سجادہ نشین حضور قبلہؒ کے دور میں بہت زیادہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔ ان کے بعض حیرت انگیز واقعات کا ذکر حضور قبلہؒ کے سجادہ نشین صاحبان کے حالات میں کیا جائیگا۔

باب ۳۴

غیر مسلم افراد اور ہمارے مشائخ کرامؒ

ہمارے مشائخ کرامؒ کا ایک اہم اصول انسانیت نوازی تھا اسی لیے ان کی فراخدلی ۔ دسیع النظری اور مخلوق سے محبت و رواداری کا جواب نہیں مل سکتا۔ وہ خلق خدا کو "عَیالُ اللّٰہ" سمجھتے اور اس پر عملاً ایمان رکھتے تھے۔ عقائد و نظریات کے اختلافات کو وہ انسانی برادری کے رشتہ محبت و مروت سے علیحدہ رکھتے تھے۔ اور بلا لحاظ مذہب و مشرب ہر کس و ناکس کے غم میں شریک ہوتے اور اُن کی مدد فرماتے تھے۔ یہ ان بزرگوں کا حسن سلوک ہی تھا جس سے متاثر ہو کر لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حضور قبلہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ کو بھی مذکورہ خوبیاں ان کے بزرگوں سے ورثہ میں ملی تھیں۔ ان کی خانقاہ بھی ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں وغیرہ کے لیے دن رات کھلی رہتی تھی جہاں یہ لوگ نہایت آزادی سے آتے۔ حضور قبلہؒ سے تبادلۂ خیال کرتے مسلمان مریدوں کے ساتھ جن سے خانقاہ بھری رہتی تھی، اُٹھتے بیٹھتے ان کے پُرخلوص مجاہدات دینی۔ ان کے جذبۂ ارادت و اطاعت اور حسن سلوک سے متاثر ہوتے رہتے تھے۔ اکثر آنجنابؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے سلسلۂ غلامی میں داخل بھی ہو جاتے۔[۱]

---

[۱] "سینکڑوں نہیں ہزاروں ہندو آپ کی بدولت حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے" مسودۂ نظامی

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ
اگر کوئی شخص کسی فن میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو اپنے کمال کو برقرار رکھنے کے لئے روزانہ اس کی مشق جاری رکھتا ہے تاکہ کمال مذکور نقطۂ عروج پر قائم رہے اور بوقت امتحان اس کا اظہار ہو سکے لیکن اولیاء اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بوقت ضرورت تائید ربانی ان کی مددگار ہوتی ہے اور وہ اس کی طرف توجہ کرتے ہی حسب دلخواہ کمال مطلوبہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ گویا ہر کمال ان کا غلام ہے جو ادنیٰ اسے اشارے پر حاضر خدمت ہو جاتا ہے۔

اس تمہید سے اپنے ممدوح کے بعض کمالات کی جانب ناظرین کی توجہ مبذول کرانے سے زیادہ اہم مقصود یہ ہے کہ ناظرین کو اس امر کا قائل ہونا چاہیئے کہ اولیا اللہ رح۔ قادر ذوالجلال والاکرام کے مقبول بندے اور اسی تائید و مہربانی کے صدور کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ نیز وہ یہ درس بھی لیں کہ اولیاء اللہ کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔ انہی کی راہ چل کر وہ اللہ کی مقبولیت حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر بفرض محال منتخب مقبول بندوں میں شمار نہ ہو سکا تو ان کے عاشقوں یا غلاموں میں تو یقیناً شمار کر لئے جائیں گے۔ یہی کیا کم ہے۔

اب ہم قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے چند ایسے ہی کمالات کا مختصر سا ذکر کریں گے جن کی نوعیت اوپر بیان کی گئی۔

فنون سپہ گری و شہسواری

ڈاکٹر مسعود نظامی علیگ سلمہ اللہ تعالےٰ کی بیاض خاص سے نقل ہے کہ "فنون مذکور

سے بھی حضرت قبلہؒ کو خاص شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے خلفاء اور صاحبزادگان ان فنون کے امام سمجھے جاتے تھے اور آج بھی خانقاہ میں یہ فنون کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں"۔

اُس زمانے میں ملکی حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ بچہ بچہ ہتھیار بند رہے اور فن شہسواری میں طاق ہو تاکہ سفر و حضر میں خود حفاظتی اور مکان و اہل مکان کی سلامتی کے قابل رہے اور بزمانۂ جنگ' حملہ و مدافعت کے فرائض انجام دے سکے۔ چنانچہ مشائخ کرامؒ ہوں یا علماؒ و صوفیہؒ کوئی ان علوم و فنون سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا تھا۔ تاہم اولیائے کرامؒ اور پیرانِ عظامؒ کی امتیازی خصوصیات وہی تھیں جو اوپر بطور تمہید بیان ہو چکی ہیں۔

افسوس ہے کہ آہستہ آہستہ مشائخ کرام عموماً ان فنون سے نابلد ہو گئے اور مخالفین کو انھیں "بے عمل" کہنے کا موقع ملا۔ حالانکہ "بے عملی" کا الزام لگانے والے ان معنیٰ میں خود بے عمل تھے اور ہیں۔ نیز وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ "عمل" صرف "ہتھیاروں کے استعمال" یا "گندی سیاست" ہی تک محدود نہیں ہے ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

فنون سپہ گری و شہسواری' میں ہمیشہ مسلمانوں کو کمال حاصل رہا ہے اور یہ پیشے شجاعت و مردانگی کا ثبوت اور عزت کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔ غالب اس کی تصدیق یوں کرتے ہیں کہ ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری　　کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

مختصر یہ ہے کہ یہ فنون ہمارے قومی وقار و ورثے میں داخل تھے۔

انھیں خاص و عام سب ہی کوشش بلیغ کر کے باقاعدہ اساتذۂ فن سے سیکھتے تھے۔ لیکن اولیا اللہ بلا کسب و کوشش ہی جب چاہتے مثل ماہرین فن ان فنون میں کمال کا مظاہرہ کرتے تھے۔

علمی ذوق

ہر چند کہ ہم اس عنوان پر پہلے حضور قبلہ رح کی تصانیف اور آپ رح کے معمولات وغیرہ کے تحت روشنی ڈال چکے ہیں تاہم جناب ڈاکٹر مسعود نظامی صاحب (علیگ) کی زبانی بھی سنئے۔ فرماتے ہیں:-

"حضرت رح کے شب و روز تعلیم و تعلم میں ہی صرف ہوتے تھے۔ تعلیم و تربیت سے فرصت ملتی تو کتابوں کے مطالعے میں لگ جاتے۔ اس سے فرصت ملتی تو تصنیف و تالیف کا مشغلہ شروع ہو جاتا۔ خود بھی لکھتے اور دوسروں کو بھی املا بھی کراتے۔ مریدین و متوسلین کو خطوط لکھے اور لکھوائے جاتے۔ حضرت رح نے اپنے بعد ایک بیش بہا کتب خانہ چھوڑا تھا جس کا بیشتر حصہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی نذر ہو گیا[۱] اور اس کے بعد باقی ماندہ میں سے نصف کتب خانہ حضرت رح کے فرزند خورد حضرت شاہ نصیر الدین صاحب رح اپنے ہمراہ بدایوں لے گئے ...... مگر اب بھی یہ کتب خانہ خانقاہ نیازیہ رح بریلی۔ اساتذہ کے ہاتھ کی ہزاروں وصلیوں، سینکڑوں بیش بہا مخطوطات اور ہزاروں مطبوعات پر مشتمل ہے۔ خود حضرت رح کی تصانیف

۱؎ - کرامات نظامیہ صفحہ ۳

کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے سترہ[1] کے نام میرے علم میں ہیں اور ان میں سے بیشتر کو پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔"

دراصل اس سلسلے میں بہت کام کرنے کی گنجائش ہے۔ کیونکہ بقول ڈاکٹر مسعود نظامی صاحب حضرت قبلہؒ کی تصانیف کی فہرست طویل ہے میں نے خود گرامی منزلت حضرت حسن میاں صاحب مدظلہ العالی (موجودہ سجادہ نشین خانقاہ نیازیہؒ) کے بے پایاں کرم خاص کے طفیل متعدد صندوقوں اور الماریوں کی سیر کی ہے اور متعدد کتب و رسائل کے سرسری مطالعہ کا شرف بھی حاصل کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ قلت وقت کے باعث کچھ نوٹ نہ کرسکا۔ سرسری یادداشت مرتب کرنے کے لئے بھی وہیں مدتوں قیام کرنا ضروری ہے جو ہمارے لئے ناممکن ہے، ہذا جو کچھ پیش کیا جارہا ہے اسی کو فی الحال غنیمت سے زیادہ سمجھئے۔ بقول شخصے ؎ مری عمر کم ہے۔ کہانی بڑی ہے۔

خوش نویسی یعنی خطاطی

خوش نویسی میں بھی حضرتؒ کو ید طولیٰ حاصل تھا خانقاہ نیازیہ بریلی میں حضرتؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سورہ فتح کی دو وصلیاں میں نے دیکھی ہیں جو خط نسخ جلی کی شاہکار ہیں۔ اسی طرح بہت چوڑے قلم سے لکھے

---

[1] میں نے باب ۲۲ میں حضور قبلہؒ کی چودہ تصانیف کا ذکر بیاض مسعودی ہی کی مدد سے کیا ہے۔ ان میں سے بعض کی تفصیلات اس قدر زیادہ بیان کردی ہیں کہ کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتیں جن تصانیف کا ذکر نہیں کیا گیا وہ میری نظر سے نہیں گزریں نہ ان کے متعلق کہیں سے کچھ مواد مل سکا۔

ہوئے کتبے خطاطی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ آپؒ کی والدہ صاحبہؒ کا وظیفہ بھی آپؒ ہی کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا قلم بھی جلی ہے۔ خوش نویسی میں حضرتؒ کو ایسی دستگاہ حاصل تھی کہ معاصرین کو اعتراف کرنا پڑا کہ "درخوش نویسی دستے دارد"۔[1]

ملک میں بڑے بڑے ماہرینِ خطاطی گزرے ہیں لیکن تقریباً وہ سب پیشہ ور خطاط تھے۔ اور دن رات انھیں کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا لیکن نہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ کو کبھی اتنا وقت ملا کہ وہ خطاطی کی مشق کرتے۔ نہ کسی نے آپؒ کو مشق کرتے کبھی دیکھا نہ آپؒ کی زندگی کا یہ مشغلہ رہا۔ پھر بھی جب چاہا اور جس قلم میں چاہا کتبوں اور وصلیوں سے لے کر خاندانی وظیفے اور رسالے تک اس طرح تحریر فرما دیئے کہ بڑے بڑے ماہرین فن آپ کا لوہا ماننے پر مجبور ہو گئے۔

دیگر علوم و فنون

فنونِ سپہ گری و خوش نویسی کے علاوہ دنیا کا کوئی علم یا فن ایسا نہ تھا جس میں من جانب اللہ آپؒ کو کمال عطا نہ ہوا ہو۔ اور جس کی حقیقت آنِ واحد میں آپؒ پر منکشف نہ ہو جاتی ہو۔ حضرتؒ نے ان کے کسب وحصول کے لیے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا نہ اس کی فرصت تھی لیکن زندگی میں جب بھی کبھی کسی علم یا فن میں اظہار کمال کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن نے بھی آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ خصوصیت آپؒ کی کمال ولایت کا ثبوت تھی۔

---

[1] منتخبۂ عمدہ۔ صفحہ ۷۶۸۔

علم جفر و نجوم میں مہارت

حضرت نیاز بے نیازؒ جس زمانے میں دہلی تشریف رکھتے تھے ایک شخص نے آپ سے علم نجوم (غالباً جفر) حاصل کیا تھا۔ پھر وہاں سے آکر آپ نے بریلی شریف قیام فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ بریلی سے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا۔ جن صاحب نے علم مذکور سیکھا تھا وہ روزانہ حضرت کی خدمت میں آتے رہے۔ ایک روز انھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو اس قدر استطاعت نہیں کہ حضور کی دعوت کروں۔ حضور سے یہ عرض ہے کہ کل جو کھانا کہیں سے آئے وہ میری طرف سے دعوت سمجھی جائے۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ دعوت کوئی کرے اور وہ دعوت آپ کی سمجھی جائے۔ خیر یہ تو بتلاؤ کیا کھانا ہوگا اور کس وقت آئے گا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت ٹھیک دس بجے آئے گا اور اتنے پیالے قورمہ کے ہوں گے جن کی رنگت ایسی اور اس قسم کے پھول بنے ہوں گے اور اس رنگت کی اتنی رکابیاں متنجن پلاؤ کی ہوں گی۔ جن کی یہ رنگت ہوگی۔ جب دوسرا دن ہوا اور دس بجنے کو ہوئے تو جناب قبلہ نے فرمایا تو دس تو بجے اور کھانا ابھی تک نہیں آیا۔ اس نے گھڑی دیکھ کر کہا کہ حضرت سات منٹ ابھی دس بجنے کو ہیں اور جب سات منٹ بھی گزر گئے تو حضرت نے فرمایا لو اب تو پورے دس بج گئے۔ اس نے کہا حضور کھانا دروازہ پر آگیا ہے لانے والے دریافت کرتے پھرتے ہیں کہ بریلی شریف کے میاں صاحب کہاں ٹھہرے ہیں فلاں بیگم صاحبہ نے یہ کھانا بھیجا ہے۔ آپ آدمی بھیجئے کہ کھانا لوا لائے۔ غرض کہ جب کھانا آیا اور اس کو دیکھا تو جو چیزیں اور جس رنگت کے ظروف

انھوں نے بیان کیے تھے ویسا ہی پایا۔ ان میں کچھ تفاوت نہ تھا۔ اس بیان سے اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ جناب قبایہؒ کو سر فن میں کمال حاصل تھا۔ جب آپؒ کے شاگردوں کو اس قدر ملکہ حاصل تھا تو آپؒ کو اس میں کس قدر ملکہ نہ ہوگا۔

ایک اور زبردست امتیازی خصوصیت

خانوادہ چشتیہؒ نیازیہؒ کی ایک امتیازی خصوصیت اور بھی بڑی دلچسپ بلکہ محیّر العقول ہے۔ وہ یہ کہ آپؒ کی خدمت میں بعض وقت ایسے لوگ بھی آتے تھے جو یا تو لہو لعب (پتنگ بازی۔ مُرغ بازی۔ شکار ماہی وغیرہ) میں رات دن محو رہتے۔ یا جن کے ذرائع کسب معاش ایسے تھے کہ انھیں اللہ اللہ کرنے کی فرصت ہی نہ ملتی تھی لیکن وہ بیعت ہو کر اللہ اللہ کرنا بھی چاہتے تھے۔ اسی طرح بعض نیک دل لیکن غریب خواتین بھی ہوتی تھیں جو بوجہ پردہ گھر کے اندر ہی سلائی کرتیں یا چرخہ کاتتیں یا چکّی پیس پیس کر گزر بسر کرتیں اور انھیں لمبے لمبے وظیفے پڑھنے یا اشغال و اذکار میں محو رہنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ وہ اپنے مشاغل ضروریہ میں مصروف رہتے ہوئے آسان ترین سلوک خدا رسی کی خواہاں ہوتیں۔

ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کو محروم واپس کرنا "فقیرانہ سخاوت" اور "ایک ولی اللہ کی شانِ فیض رسانی" کے منافی تھا۔

نہ ہی یہ مناسب تھا کہ مذکورہ نوعیت کے طالبان و طالبات حق پہلے اپنے مخصوص مشغلوں سے دست بردار ہوں۔ پھر ان کی جانب توجہ کی جائے۔ حضرت نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ کو لپنے بزرگانِ سلسلہ بالخصوص حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رضی اللہ عنہ اور محب النبی

حضرت مولانا فخر الدین فخرِ جہاں قدس سرہ العزیز سے ورثہ میں یہ نصیحت ملی تھی کہ "اگر عجمی (وہ کافر کو کافر کے بجائے عجمی کہتے تھے) حاضرِ خدمت ہو کر اللہ کا نام سیکھنا چاہتے تو پہلے بے دریغ اسے اللہ کا نام تعلیم کردو۔ آہستہ آہستہ دوسری باتوں کی اصلاح کی جانب توجہ کرو۔ اللہ کے نام کے اثر اور تمھاری صحبت و توجہ کے فیضان سے دیگر امور کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی"[1]

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رح ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

"صلح با ہندو و مسلماں سازند و ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بہ شما داشتہ باشند، ذکر و فکر مراقبہ و تعلیم او بگویند۔ کہ ذکر بخاصیت خود او را بر تبۂ اسلام خواہد کشید"[2]

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز کا ایک طویل مضمون مولانا ضیاء الدین رح برنی کے حوالہ سے تاریخ مشائخ چشت رح کے صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۲ پر درج ہے۔ بیان مذکور میں ایک جگہ ہے کہ

"مرید کی اصل ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہو جائے ......"

چنانچہ ان مشائخ کرام رح کے اصولوں کے پیش نظر، مذکورہ بالا اقسام کے مردوں اور عورتوں کو (جو طالب حق بن کر ذکر حق کی تعلیم چاہتے) مناسب ذکر، شغل یا مراقبہ تعلیم کر کے اس کے خیال کو طالب/طالبہ کے مشغلے سے مربوط کر دیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بظاہر تو وہ شخص کھیل، یا

---

[1] ۔ دیکھو تاریخ مشائخ چشت۔ صفحات ۲۹۷ تا ۳۰۴

[2] ۔ " " ایضاً صفحہ ۳۰۱ ۔

مشغلہ میں مصروف نظر آتا ہے مگر بہ باطن وہی شخص مشغول بحق بن جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ کھیل کود ختم ہوجاتا اور شخص مذکور پختہ طور پر مشغول بحق بن کر ابھرتا اور شغل و مراقبہ میں حقیقی لذت محسوس کرتا ہے۔

جب یہ نوبت آجاتی ہے تو اُسے آہستہ آہستہ دیگر ضروری اوامر و نواہی کی تعلیم دی جاتی ہے جسے وہ دل سے قبول کرتا اور خلوص و لذت کے ساتھ اس پر عمل کرتا ہے۔ اس کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ "زاہد خشک" نہیں بنتا بلکہ "مستغرق فی الحق" انسان بن جاتا ہے اور نورٌ من نورِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عشق میں ڈوب کر زندگی گزارتا ہے۔ فیض رسانی کی یہ صورتیں خانوادۂ نیازیہ کا ایک خصوصی کرم ہے۔

سختی سے بچنا اور دین اللہ کو نوآموزوں پر آسان بنا کر آہستہ آہستہ پیش کرنا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے[1] چنانچہ فقرا و مشائخ نے اسی کلیہ کو اختیار کیا اور نہ صرف غلط ذہنی رجحانات کی اصلاح آہستہ آہستہ کی بلکہ شروع ہی سے عشق حق اور یاد حق کے ساتھ طالب حق کی مصروفیات کو مربوط بنایا۔

اس کی خاص مثالیں سلسلۂ عالیہ چشتیہ نیازیہ رح کے مشائخ کرام کی کوششوں میں بکثرت موجود ہیں اور خانوادۂ نیازیہ رح کے سلوک معرفت کی تو یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ طالب حق جٹکی بجاتے غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہوجاتا ہے، خواہ اس کا ظاہر مشغلہ کچھ بھی ہو۔ یعنی بزرگان سلسلۂ نیازیہ رح پہلے باطن پر توجہ کرتے ہیں اور ظاہر کو ایک دم

---

[1] - دیکھو تاریخ مشائخ چشت۔ صفحات ۶۸ و ۶۹

ختم نہیں کرتے بلکہ ظاہر کی اصلاح آہستہ آہستہ کرتے ہیں۔ برخلاف دیگر بزرگوں اور طریقوں کے جو مذکورہ بالا اقسام کے لوگوں کی جانب توجہ ہی نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے اور اپنی دلچسپیوں یا مصروفیتوں کو فوراً ترک نہیں کر سکتے اور اگر وہ پڑھے لکھے ہیں تو انھیں صرف وظیفوں کی تعلیم دے سکتے ہیں اور ظاہر میں اس قدر الجھتے اور طالبوں کو بھی اسی میں اس قدر الجھائے رکھتے ہیں کہ اصل چیز (مشغولیت بحق) کی ہوا بھی نہیں لگتی اور طالبانِ حق بے نیل و مرام دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ بقول اکبر الہ آبادی مرحوم ؎

"دین" ہوتا ہے کتابوں سے نہ زر سے پیدا
"دین" ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

لہٰذا "دین"[1] (استغراق فی الحق) کو مشائخین معرفت ہی سے سیکھنا چاہیے کیونکہ وہی اس مقدس ترین علم و حکمت کے ماہر ہوتے ہیں۔ رہے شمائل شرعیہ اور احکام فقہیہ۔ تو وہ "دین حق" قبول کرنے کے بعد سیکھے جاتے ہیں۔ پہلے نہیں۔

اسی طرح عام طور پر جسے "علم" کہتے ہیں وہ "عرفان" کے تحت آتا ہے اور "عبادت" "جذبہ عشق حق" کے تحت رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نعمتیں (عرفان حق اور عشق حق) اصل ہیں۔ باقی تمام امور ان کی فرع ہیں۔

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھئے کہ اصل کے حصول کے لیے شخصیت کا ہونا لازمی ہے (یہ شخصیت نبی کی ہوتی ہے۔ پھر اس کی امت کے اولیا و مشائخ کی، جو اس کے نائب و جانشین ہوتے ہیں) فروعی مسائل و احکام۔ کتابوں سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے

---

[1] برزبان تسبیح۔ در دل گاؤ خر این چنیں تسبیح کے دارد اثر۔ اس صورت حال کو "دین" نہیں کہتے "دین" دراصل استغراق فی الحق کا نام ہے۔

اس لیے قیامت تک اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب محافظ و معلم احکام شرعیہ رہیں گے لیکن ولایت حقہ کا دروازہ بند نہیں ہوا لہٰذا سید الاولیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت ولایت کا چراغ اولیائے اُمت کے ذریعہ تا قیامت روشن رہے گا اور وہی نور ولایت کے محافظ و مبلغ رہیں گے۔ ایک چراغ سے لاکھوں چراغ روشن کئے جائیں۔ روشنی کی ماہیت تبدیل نہیں ہوتی۔ تاہم یہ روشنی علم شریعت اور نور ولایت کی جامع ہوتی ہے۔

تنبیہہ: اس کے بعد باب (اتباع شریعت اسلامیہ) دوبارہ پڑھئے)

خلاصۂ تحریر

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ:

اولیاء کرامؒ و مشائخ عظامؒ کا خاص فریضہ تو خدا رسی کی تعلیم و تربیت دینا ہے لیکن وہ جس دوسرے کام کی طرف دل سے توجہ کریں تو اسے بھی مثل اہل کمال کے انجام دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو بڑے سے بڑا ماہر فن بھی ان کے سامنے کان پکڑ لیتا ہے۔ کیونکہ ہر شے کی ماہیت اور ہر فن کی کُنہ ان کی نظر کے سامنے ہوتی اور ذات پاک حقیقت الحقائق۔ ان بزرگوں کی پشت پناہی کرتی ہے۔

حضرت امیر خسروؒ نے کس درسگاہ میں فن موسیقی میں کمال حاصل کیا تھا اور کن اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر خود استاد بنے تھے کہ تان سین جیسے ماہر فن سے اپنا لوہا موسیقی میں منوالیا اور خود متعدد

راگ راگنیاں ایجاد کیں۔ کہتے ہیں کہ ستار بھی ان ہی کی ایجاد ہے۔
یہی نہیں۔ موصوف نے برصغیر پاک وہند میں پانچ بادشاہوں
کی دربارداری کی ہے۔ معیاری شاعری (فارسی و ہندوستانی)
میں دفتر کے دفتر یادگار چھوڑے اور پھر اپنے پیر و مرشد
سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ العزیز کی خدمت
بھی اس شان سے کی کہ ان کی محبت و خدمت کے آج تک ڈنکے
بج رہے ہیں۔ مشاغل کی اتنی اور ایسی کثرت بھی ان ہی بزرگوں کا
کارنامہ ہے۔ ان کے امکان میں سب کچھ ہے بشرطیکہ وہ توجہ کریں

؎ باخدا باش و کلاہِ تتری دار

باب ۳۵

حضرت شاہ نیاز بے نیاز اور سیاست

ملّت اسلامیہ کا مجموعی اور افراد کا انفرادی ضابطۂ حیات اسلام اور فقط اسلام ہے۔ لہٰذا ہماری سیاست کو بھی اسلامی اصولوں کے تابع رہنا چاہئیے۔ مشائخ کرام عرصۂ دراز سے سیاسیات میں عملی حصّہ نہیں لیتے۔ ان کا اصل کام تبلیغی و اصلاحی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ اسلام کی بنیادوں کو بچانے اور اس کی روح کو محفوظ رکھنے پر پوری توجہ اور ہمّت صرف کی ہے اسی لیے انھوں نے اپنے مقاصد سے ہٹ کر کبھی کسی سیاسی تحریک یا ملکی توسیع میں باقاعدہ حصّہ نہیں لیا۔

لیکن وہ مقامی یا ملکی سیاست سے بے خبر یا بالکل غیر متعلق بھی نہیں رہے۔ انھوں نے ہمیشہ اُس سیاست کا مقابلہ کیا جو ان کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہوئی بے راہ روی پر وہ مسلم حکمرانوں اور عمال حکومت پر بھی اسی طرح سخت تنقید کرتے تھے جس طرح بالعموم اہل معاشرہ پر کرتے تھے۔

وہ تمام فرقوں، گروہوں اور جماعتوں کے ہمدرد ہوتے تھے تاکہ ان سے تعلق رکھنے والے افراد بھی محدود طبقاتی تعصبات کو چھوڑ کر وسیع تر انسانیت نوازی کے عادی بنیں اور ان میں رب کے ساتھ بلاتفریق مذہب وملّت، ہمدردی کا جذبہ بیدار رہے۔ یہ ہیں وہ

بنیادی اصول جن کی پابندی قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ کے اشیاخؒ نے اور ان کے اتباع میں خود موصوفؒ نے کی چنانچہ آپؒ نے موجودہ مفہوم میں سیاسیات میں حصّہ نہیں لیا۔ نہ وہ کبھی کسی سیاسی ادارے کے عہدہ دار یا رکن بنے اور نہ کبھی کسی سیاسی یا فرقہ وارانہ منافرت کی تحریک میں شریک ہوئے۔ تاہم اپنے مخصوص اصولوں کے تحت اصلاحی کوششیں برابر جاری رکھیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

فصل

افغان سرداروں اور روہیلوں سے تعلقات

باب ۱۴[1] میں ہم نے حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے دور کے ہندوستان کے سیاسی، معاشی و معاشرتی حالات مختصر طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ افغانیوں اور روہیلوں کے سیاسی مناقشات، شیعہ سنّی فسادات، اور بگڑتے ہوئے قومی حالات کا جائزہ بھی پیش کر دیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ قارئین یہاں پھر ایک بار ان حالات کا مطالعہ کر لیں۔

حالات مذکورہ کی روشنی میں اُس وقت روہیل کھنڈ میں روہیلہ سرداروں کی طرف بالخصوص اور تمام روہیلوں کی طرف بالعموم ہر خاص و عام کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور ان ہی سے مستقبل میں بہتری کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ چنانچہ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہٗ نے ان کی طرف خاص توجّہ فرمائی اور یہ موصوفؒ کی معاملہ فہمی اور آپؒ

---

[1] کتاب ہذا کے صفحات ۱۱۴ تا ۱۳۱۔

کے حسن تدبّر کی بہترین مثال ہے۔ ہم یہاں اس کے وجوہ کا خلاصہ تحریر کئے دیتے ہیں تاکہ صورت حال کے سمجھنے میں مدد ملے۔ وجوہ یہ تھے:

۱۔ زمانۂ مذکور حکومت مغلیہ کے سیاسی زوال کا زمانہ تھا۔ ان کی قومی طاقت و تنظیم ختم ہو چکی تھی اور عام مسلمان سخت انتشار و بدنظمی کا شکار تھے۔

۲۔ صرف روہیلہ سرداروں سے یہ امیدیں وابستہ تھیں کہ وہ قومی وقار کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھال لیں گے۔

۳۔ کیونکہ وہ سخت کوش اور جاں باز تھے۔ وہ اسلام کے بہادر اور غیور سپاہی تھے ان میں دینی غیرت اور اسلامی حکومت کے وقار کو بلند رکھنے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا بالخصوص نوواردوں کے ذہنوں کی تربیت کی، ملکی حالات کے پیش نظر، بہت گنجائش تھی۔

۴۔ روہیل کھنڈ ایک عرصہ تک سردارانِ روہیلہ ہی کے زیرِ اقتدار رہ چکا تھا اور اُس وقت بھی اُن کے اثرات وہاں بہت زیادہ تھے۔

فصل

حضرت شاہ نیاز بے نیاز کی کوشش کے نتائج

چنانچہ حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ نے افغان سرداروں اور روہیلوں کی تربیت کی جانب خاص توجہ فرمائی اور حضرت موصوف

کی پُرخلوص کوششوں کے نتائج بہت خوشگوار اور ہمت افزا نکلے چنانچہ نہ صرف بیشمار روہیلے داخل سلسلہ ہو کر تہذیب نفس و باطن کے ساتھ ساتھ سیاسی جد وجہد میں مصروف رہے بلکہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں "شہید حریتؒ" اور نواب علی محمد خاں کی اولاد میں سے بیشتر حضرات خانقاہ نیازیہؒ سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے بعد آپؒ نے اکثر و بیشتر افغان ریاستوں میں جلیل القدر خلفا مقرر کئے۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ باب میں ملے گی۔

فصل
بادشاہِ وقت اور وزرار سے خط وکتابت

خاندانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اصلاح حالات کے سلسلے میں، بادشاہ وقت اور وزرار کو وقتاً فوقتاً خطوط بھی لکھے تھے اور ان کی اصلاح کی ان تھک کوششیں کیں[1]

[افسوس ہے کہ کمترین مولف کو پچھلے زمانہ قیام بریلی شریف میں یہ موقعہ نہیں ملا کہ وہ پرانے ذخیرۂ کتب و دستاویزات سے ضروری نقول و اقتباسات حاصل کر سکے۔ انشاء اللہ آئندہ موقعہ ملتے ہی وہ پھر بریلی شریف حاضر ہوگا اور ضروری مواد حاصل کر کے زیر نظر مسودہ کتاب میں شامل کر دے گا۔ ناچیز محمد عبد الغنی نظامی نیازی]

حقیقی خدمات

خطوط کی نقلیں ملیں یا نہ ملیں، وہ شامل کتاب ہوں یا نہ ہوں۔ مولف کی نظر میں وہ خط وکتابت اصل خدمت نہیں ہے۔ اصل خدمت یہ ہے کہ لوگوں کی عملی تربیت کی جائے اور انھیں اپنی صحبت میں رکھ کر دلوں میں انقلاب برپا کیا جائے جیسا کہ

---

[1] مسودۂ نظامی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ لوگوں کے دلوں سے فانی امور اور مٹ جانے والی اشیا کی محبت نکالنے اور انھیں اللہ ورسولؐ کے پُرخلوص عشق سے پُر کرنے آپس میں اسلامی اخوت ورواداری کے جذبات اُبھار کرانھیں مستحکم بنانے لوگوں کو اسلامی اخلاق کا پابند بنانے اور اُنھیں قومی وقار کی سربلندی کے لیے غیور وبہادر مجاہدین بنادینے کی ان تھک کوشش مسلسل کرتے رہنا معدودے چند وزرا وامرا کو صرف خطوط لکھنے سے کہیں زیادہ بہتر اور حقیقی خدمات ہیں۔

تاریخ میں آپ کی خدمات کا درجہ

حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے اصلاحی خطوط بھی تحریر فرمائے۔ لیکن ان کے مقابلے میں تمام عمر مسلسل اور اَن تھک محنت بھی اُن امور کے حصول کے لئے فرماتے رہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ لہٰذا تاریخ کی نظر میں اُن کا درجہ ایسے تمام علما ومشائخ اور مصلحین وقائدین سے بلند وارفع ہے جنھوں نے آپ کی طرح عملاً اصلاحی مشاغل میں زندگی بسر نہیں کی یا جنھوں نے اللہ ورسول کے لیے دلوں میں انقلاب برپا کرنے کے بجائے محض عارضی اور وقتی انقلاب، قوم یا ملک میں برپا کیا۔ یہ انقلاب بھی اگر اسلام کے عالمگیر اصولوں کے لیے کیا جائے تو غنیمت سمجھئے لیکن اگر محض وقتی جوش یا اپنی شہرت کے لیے کیا جائے تو وہ انسانیت کی خدمت نہیں ہوتی نہ دائمی ہوتی ہے۔

حساس اور دردمند طبیعت

حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کو اللہ تبارک وتعالےٰ نے حساس اور دردمند طبیعت عطا فرمائی تھی۔ حقیقت میں یہ دونوں صفات

قدرت کی بڑی نعمتیں ہیں۔ جب تک یہ دونوں نعمتیں حاصل نہ ہوں مشائخ یا مُصلحین۔ انسانیت کی خدمت نہیں کر سکتے۔

زمانے کے ستائے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اپنے دل کے زخم اور جگر کے ناسور دکھاتے۔ اپنا دکھ درد بیان کرتے۔ ان میں مسلمان بھی ہوتے اور غیر مسلم بھی۔ مرید بھی ہوتے اور غیر مرید بھی۔ آپؒ سب کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے۔ سب کے زخموں پر مرہم رکھتے سب کے دُکھ درد کو اپنا ہی دکھ درد سمجھتے۔ سب کی امکانی مدد فرماتے۔ کسی کو دُعا۔ کسی کو دوا اور کسی کو مالی امداد سے سرفراز فرماتے۔ جو جس چیز کا طالب بن کر حاضر ہوتا اسے اس کے ظرف و خواہش کے مطابق عطا کیا جاتا۔ مدرسہ کی خدمات، خانقاہی فیوض و برکات۔ ذاتی نظام اوقات و معمولات، شبانہ روز کی مصروفیات۔ سب مذکورۂ بالا امور کے شاہد ہیں اور دیوان شریف میں ان امور کی جانب جابجا اشارات موجود ہیں

اس زمانے میں عام مسلمانوں، مسلم حکمرانوں۔ ذی عزّت خاندانوں امیروں، امیر زادوں۔ افغان سرداروں۔ دین کے مبلغوں، محافظوں وغیرہ پر جو مصائب نازل ہوئے یا ہو رہے ہیں تھے اُن کے بُرے اثرات سے کوئی فردِ بشر محفوظ نہ تھا پھر حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ غریب النواز قدس سرہ العزیز کا دل کیونکر کوئی اثر نہ لیتا۔ چنانچہ اپنے محسوسات کی جانب یوں اشارہ فرماتے ہیں:

ستارے نہیں یہ شب تار کے — شرارے ہیں آہِ شرربار کے

کہاں فصلِ گُل ہے کہاں وہ بہار جلو مل کے رو دیں گلے خار کے

ایک جگہ فرماتے ہیں:

جو مانگوں ہوں میں آزادی کہے ہے ہنس کے یوں ظالم
جسے یہ جے غلامی میں اُسے آزاد کیوں کیجیے

اسی غزل کے بعض اشعار یہ بھی ہیں، جو میرے خیال ناقص میں اُسی پرآشوب دور کے عام حالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً

بہارِ چند روزہ سے دل اپنا شاد کیوں کیجیے
ہوائے حسن پر دل کو عبث برباد کیوں کیجیے

لگا کر دیدہ و دانستہ اپنے پاؤں پر تیشہ
بہ کوہِ عشق اپنا قتل جوں فرہاد کیوں کیجیے

لبِ شیریں کی باتوں پر جو کیجیے تلخ کام اپنا
گئے اوقاتِ راحت کے تئیں پھر یاد کیوں کیجیے

نہ دیجیے خال و خط کے دام و دانہ پر میاں دل کو
اگر دیجیے تو پیچھے نالہ و فریاد کیوں کیجیے

نیازؔ اب چپ رہو کو نہ کر دِ افسانۂ غم کو
جہاں سے اُٹھ گئی ہے داد بس فریاد کیوں کیجیے

یہ اشعارِ دل سوزی، غمخواری، ہمدردی اور نصائح کا آئینہ ہیں غم نصیب اشخاص اپنے دل کے زخموں کا مرہم لینے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ آپ سراپا درد و سوز تھے ہی۔ ہر طرح انھیں تسلی دیتے۔ اُن کے غم کو اپنا غم سمجھتے اُن کے درد کی کسک اپنے دل میں محسوس کرتے۔ انھیں ہر طرح سمجھاتے اور اُن کی ہمتیں بڑھاتے۔

اگرچہ کسی جاہ و منصب کے خود طلب گار نہ تھے اور تمام عالم سے اپنی معنی میں بے نیاز تھے لیکن ملکی انتشار، قومی زوال پر رنج وغم اور انسانی ہمدردی و دل سوزی سے بے نیاز نہ تھے۔ چنانچہ مسلسل گھٹن اور کڑھن کے اثرات کا اندازہ آپ کے اس شعر سے لگائیے

غم نے تو ہمدم بگاڑ دی مری سب حیثیت
مانوں تجھے میں اگر بے مجھے پہچان تو

" افغان نواب زادوں سے تعلقات تھے۔ وہ سب مصیبت زدہ تھے۔ انھیں سمجھاتے رہتے۔ نواب نیاز محمد خاں ہوش کو آپ نے بیٹا بنایا تھا۔ ہمیشہ انھیں غیرت و خودداری کا سبق دیتے۔

گر راحت و آرام گیا جانے دو اے دل
ثابت رہو ٹک عشق میں ہمت کو نہ ہارو

وہ نہیں چاہتے تھے کہ روہیلہ جیسی اولو العزم قوم کے افراد انگریز جیسی دوں ہمت قوم کے سامنے دست نگری کریں۔

درخواست بھلائی کی فلک سے نہیں بہتر
دوہمتوں کے آگے نہ میاں ہاتھ پسارو "

اس طرح قوم کو عزت نفس اور خودداری کی تعلیم دی جاتی۔

" جو درماندہ زمانہ کی ٹھوکریں کھاتا خانقاہ نیازیہ کی طرف منھ کر لیتا۔ اس کی ہر طرح چارہ سازی کی جاتی۔ خود مدد کرتے اور دوسروں کے ذریعہ مدد کراتے۔ ہر ایک کے زخم دل پر مرہم رکھتے۔ اس " تیمارداری " نے انھیں " طبیب دلہا " بنا دیا تھا۔ "[1]

وظیفہ کی پشت پر اپنے بعض غلام سرداروں کے نام لکھ رکھے تھے

---

[1] ۔ مسودہ نظامی۔

تاکہ روزانہ نام بنام دعا کی جائے۔ اپنوں بیگانوں سب کے لئے نہایت دل سوزی کے ساتھ دعا فرماتے جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے:

برادرت یارانِ این انجمن برآور بہ لطفِ خود اے ذوالمنن
بہر احتیاجے کہ دارند پیش روا کن خدایا باحسانِ خویش
برارباب ایماں کشا بابِ رزق کہ مفلس نمانند ایشاں بصدق
شفا دہ مریضانِ اسلام را برایشاں کشا بابِ انعام را
بکن از سرِ دین داراں ادا تمامی فرائض بہ لطف و عطا
نگہدار بر حالِ اہلِ سفر کہ در رہ نیابند نقص و ضرر

مندرجۂ ذیل دعائیہ اشعار میں سیاسی اربابِ اقتدار کی فتح و نصرت دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فروغ و استحکام۔ مومنین کی منصوری اور کافرین کی مقہوری کی دعائیں کی گئی ہیں:۔

بدہ مومناں را تو فتح و ظفر بکن کافراں را ذلیل و بتر
علاماتِ کفر از جہاں دور کن ہمہ کافراں را تو مقہور کن
بدین نبیؐ رونقے دہ تمام بہ شرع قائم شود خاص و عام
بدہ حاکماں را توفیقِ خیر کزیشاں نیابد ضرر یار و غیر
تفضل علیٰ جملتہ المومنین لئلا یکونوا من الضالین

ان اشعار سے جہاں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپؒ ایسی اسلامی حکومت کے قیام کے حامی تھے جس کا اصل مقصد ہر خاص و عام کو شریعت محمدی کا پابند بنانا اور اسلام کی رونق بڑھانا ہو، وہیں آپؒ اپنے حکمرانوں کے لئے اللہ سے توفیق خیر کے طالب بھی نظر آتے ہیں تاکہ

وہ ملک میں ایسا نظام عدل قائم کریں جس سے "یار و غیر" (یعنی مسلم و غیر مسلم) کسی کو بھی، محض اختلاف مذہب کی بنا پر، ضرر نہ پہنچے۔

برصغیر میں کفّار سے متعلق اکابر سلسلہ چشتیہ کا نظریہ

برصغیر میں کفار سے متعلق چشتیہ مشائخ کرام رح کے نظریے کی خصوصیات حسب ذیل تھیں۔ (ان ہی کو حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے نظریے کی خصوصیات سمجھنا چاہیے)

۱۔ دین اسلام سے دشمنی، تبلیغی کوششوں میں عملی مخالفت، شعائر اسلامی کی بے حرمتی، اسلامی حکومت کے خلاف سازش وغیرہ کے سلسلے میں وہ کفّار کو دشمنان اسلام سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ مناسب برتاؤ کرتے تھے۔ وہ تمام دنیا کو کفر سے پاک دیکھنا چاہتے تھے اسی لئے دعاؤں میں — علامات کفر از جہاں دور کن ..... کہتے اور امداد خداوندی طلب فرماتے تھے۔

۲۔ اشاعت دین میں مواعظ حسنہ، خوش اخلاقی، محبت، رواداری اور ذاتی نمونے کی خوبیوں سے کام لیتے تھے۔

۳۔ معاشرتی امور میں اپنی دینی و قومی روایات کو نقصان پہنچائے بغیر ان کے دلوں پر اپنی خوش اخلاقی، رواداری اور محبت کے گہرے نقوش چھوڑتے تھے۔

۴۔ وہ انسانیت کے علمبردار اور انسانی قدروں کے محافظ تھے۔ اس لحاظ سے وہ الخلق عیال اللہ کے اصول پر عمل پیرا رہتے تھے لیکن شرعی و دینی حدود کی نگہبانی بھی ان کا فریضہ تھا۔ یہ اُن کی مہربانی اور رواداری تھی کہ وہ کافر کو بھی

کہتے تھے (یعنی عجم کا رہنے والا) لیکن اشعار میں شاعر مجبور ہے کہ وہ مومن کے مقابلے میں کافر کی اصطلاح استعمال کرے کیونکہ وہی صحیح ہے۔ جیسا کہ عالم کے مقابلے میں جاہل، عادل کے مقابل جابر وظالم اور خدا پرست کی ضد ملحد صحیح ہے۔

آپؒ کا پیغام

بہرحال حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ اور آپ کے بزرگوں کا پیغام حیات امن وسلامتی۔ صلح کل۔ محبت۔ رواداری۔ وسیع القلبی اور وسیع النظری کا پیغام تھا۔

باب ۳۶

آپ کے جلیل القدر خلفا: نظام خلفا اور مرکز

فصل - ۱

حضرت نیاز بے نیازؒ نے ہند و بیرون ہند کے خاص خاص علاقو میں جلیل القدر خلفاء متعین کیے جہاں ان کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ مولف ناز و نیاز لکھتے ہیں کہ "ان میں سے ایک ایک خلیفہ ایسا ہوا ہے کہ اُس کے حالات کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔" سینتیس خلفاء کی مختصر فہرست کا پتہ چلتا ہے جو صفحۂ آئندہ پر درج ہے۔ ان میں پندرہ حضرات مکۂ معظمہ سمر قند، یار قند، تو قند، بخارا - کابل - بدخشاں - وزیر خیل، دیوغاب، کشمیر اور پکھلی کے تھے اور ان پندرہ میں سے آٹھ حضرات صرف افغانستان میں متعین تھے[1]۔ حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب بدخشانیؒ کی مقبولیت کا تو یہ عالم تھا کہ شاہ شجاع اُن سے بیعت تھا۔ تربیت کا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ اور بہترین طریقہ پر چل رہا تھا اور مستقبل قریب میں اس سے کافی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ لیکن سیاسی لیڈروں کی عجلت پسندی نے سارا کام بگاڑ دیا اور ۱۸۵۷ء کے منحوس واقعات رونما ہوئے[2] بیرون ہند کے علاوہ خود ہندستان میں جگہ جگہ

---

[1] کرامات نظامیہ۔ [2] مسودۂ نظامی بریلی شریف۔

آپ کے خلفاء مامور ہوئے اور انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ چند نامور خلفا کے مختصر حالات و تصرفات×۔

فصل - ۲

فہرست خلفائے کرام حضرت نیاز بے نیازؒ

قدس اسرارہم

• بموجب فہرست مندرجہ کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۳۳ مؤلف کرامات نظامیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

" حضرت نیاز بے نیازؒ کے مرید اور خلفاء، ہند و سندھ اور بخارا و کابل و مصر اور شام و روم وغیرہ میں تخمیناً آٹھ نو لاکھ کے ہوں گے[1] بہت سے خلفاء غیر ملکوں میں ایسے ہیں کہ ان کا نام و نشان بھی معلوم نہیں اور چندے خلفاء ذی خدمت اور صاحب تصرف گزرے جو نوددنہ اسناد متقفل بصندوقچہ مذکورہ سے ظاہر اور ہویدا ہے"۔

چند خلفاء جن کے نام و نشان کاتب کو معلوم ہوئے وہ یہ ہیں:

مولانا و مرشدنا حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ العزیز صاحب سجادہ و جانشین

×۔ کرامات نظامیہ میں مذکور ہیں۔

[1] ۔ مصنف ناز و نیاز گیارہ لاکھ بتاتے ہیں۔ دیکھو کتاب مذکور حصہ اول صفحہ ۱۸

مولوی عبداللطیف صاحب خوانِ
علوم سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ محمد فخر عالم صاحب شاہجہانپوری رح
سید احمد علی صاحب شاہ آبادی رح
میر محمد سمیع صاحب بدخشانی رح
مولوی یار محمد صاحب رح شہید کابلی رح
مسکین شاہ صاحب ولایتی رح
حکیم رحیم اللہ صاحب بجھرالوی رح
مولوی محمود عالم صاحب بجھرالوی رح
بخش اللہ خاں صاحب شاہ آبادی رح
سید حشمت علی صاحب شاہ آبادی رح
مرزا اسد اللہ بیگ صاحب بریلوی رح
مولوی نعمت اللہ خاں صاحب بخاری رح
در کابل
شاہ جی شرف الدین صاحب ردولوی رح
سید صاحب شاہزادہ کشمیر رح
در اجمیر شریف
سید ضیاء الدین صاحب رح
حافظ وزیر خواجہ صاحب رح در کابل
خلیفہ عبدالرسول صاحب رح در کابل
مولوی محمد حسین صاحب رح در مکہ معظمہ

محمد عبداللہ خاں صاحب بزرگ رح شاہجہانپوری
مولا داد خانصاحب رح شاہجہانپوری
میاں فخر الدین حسین صاحب برادر زادہ
حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہما
مولوی مستان خاں صاحب رح شاہجہانپوری
مولوی عبدالرحمن خاں صاحب رح جاورہ
مولوی عبدالرحمن صاحب رح
غلام مولی خاں صاحب اکبرآبادی رح
ملا عیوض محمد بدخشانی رح
محمد کفایت اللہ خاں صاحب رح
محمد عثمان خاں صاحب رح وزیر خیلی
در کابل ۔
ملا جان محمد صاحب اخوان رح در کابل
مولوی عبید اللہ جی رح در پکھلی
حاجی ہاشم صاحب دیوغانی رح در کابل
مخدوم عبدالشہید صاحب یارقندی رح
شاہ شمس الحق صاحب رح
(مزار در لکھنو)
مخدوم جی بدخشانی رح
شاہ نور حسین صاحب بریلوی رح
خلیفہ وجیہ الدین صاحب رح

فصل-۳ نظام خلفا اور مرکز

تقریباً دو سو سال سے چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام پر جمود کا عالم طاری تھا۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی نے از سر نو اصلاح اور تربیت کا ایسا نظام قائم کیا کہ دور اول کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا وہ اپنے خلفا اور مریدوں کی زندگی کے ہر گوشے پر نظر رکھتے تھے اور بات بات پر ہدایات دیتے تھے وہ خود تو دہلی میں تھے لیکن نظر اور اثر تمام ملک پر رکھتے تھے۔

آپ کے سلسلہ کے جانشینوں کے دور میں بھی مرکزی نظام کے تحت تمام خلفا و مریدین کام کرتے تھے۔ حضرت محب النبی مولانا فخر دہلوی کے دور میں بھی یہی روایت قائم رہی۔ آپ کے بعد حضرت شاہ نیاز بے نیاز نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا۔ چنانچہ بریلی میں مقیم رہ کر بھی جہاں آمد و رفت، نقل و حمل اور رسل و رسائل کی وہ سہولتیں میسر نہیں تھیں جو دہلی میں ہو سکتی تھیں۔ یہ روحانی نظام ایسے منظم طریقہ پر چل رہا تھا کہ بلخ و بخارا، سمرقند اور قوقند کی خانقاہوں میں وہی ہوتا تھا جو آپ بریلی میں بیٹھ کر حکم دیتے تھے۔ اس نظام میں ذرہ برابر فرق واقع نہ ہوتا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

محیط عالم و مرکز نشینم
خطر از دست لغزیدن ندارم

ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد مرکز سے فوراً ہی دوسرا خلیفہ متعین کر دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ممالک کو یکے بعد دیگرے

کئی خلفا روانہ کئے گئے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آپ کی خانقاہ میں بیعتِ فرادیٰ اور خلافت کا معیار کسی قدر سخت تھا۔ البتہ بیعتِ تبحری کے لئے کوئی پابندی نہیں تھی۔ رسالۂ راز دنیاز کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علوم دین پر عبور و عمل رکھنے والے علما کو مرید ہونے کے بعد تصوف کے ابتدائی درجہ میں داخلہ ملتا تھا۔ اس احتیاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے خلفا میں کوئی "تاج الاولیا" تھا تو کوئی "سراج السالکین" اور کوئی "امام السالکین" ہوا تو کوئی "خوان علوم"۔ [1]

---

[1] مسودۂ نظامی

باب ۳۷

امرِ خلافت و ولایت کی مختصر وضاحت

بزرگانِ سلسلہ رح کے عقائد و عمل کی روشنی میں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امرِ خلافت (اور ضمناً امرِ ولایت) کی مختصر وضاحت اپنے بزرگانِ طریقت رح کے عقائد کے بموجب کردی جائے تاکہ عام قارئین سلسلۂ نیازیہ رح کی آگاہی کا سامان ہوجائے اور وہ دیگر جماعتوں یا فرقوں کے غلط عقائد سے محفوظ رہ سکیں۔

فصل (۱)

واضح ہو کہ لفظ "خلیفہ" قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے:۔

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

(یعنی کہا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہ تحقیق ہم پیدا کریں گے زمین پر اپنا ایک خلیفہ یا جانشین ...... الخ)

اِس کے معنی ہیں وہ شخص جو کسی "نفسِ امر" میں متصرف بنا دیا جائے یعنی کسی "نفسِ امر" میں شخصِ متصرفِ امر کو جانشین یا خلیفہ کہتے ہیں۔

حضرت آدم ؑ خلیفۃ اللہ اور نبی مکرم تھے مخفی نہ رہے کہ امرِ خلافت آدم ؑ کا نفس منصب نبوت و ولایت تھا اور کوئی نبی اِن

دو شقوں کے بغیر نہیں ہوا۔ اوّل شقِ ولایت اور دوم شقِ نبوت۔

ہر نبی علیٰ قدرِ مراتب من جانب خدا ممتاز ہے اور یہ ہر دو مادۂ صفاتِ کاملہ خاص ذاتِ الہٰی کے عین ہیں۔

منصب نبوت ایک خصوصیت ہے من جانب باری تعالےٰ سے کہ جس کا فعل ہے پیغام خدا کو مخلوق کی طرف پہنچانا۔ اور منصبِ ولایت ایک خاص امرِ قربیت کا ہے کہ جس کا لازمہ ہے ذاتِ خدا میں سکر و محویت اور استغراق۔ فعل اِس کا موصل الی المطلوب ہے۔ درمیان ہر دو منصب کے فرق فصل اور وصل کا ہے یعنی فعل نبوت ایک طرح موجب فراق اور فعل ولایت موجب قرب و وصل ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ نبی کی نبوت پر نبی کی ولایت افضل ہے۔ بخلاف ولایتِ ولی کے (کہ ولی اپنے نبی کی اُمت میں ہوتا ہے)۔

جس وقت اُس ذات بے چگوں و بے نموں نے توجہ طرفِ ظہور کے فرمائی تو حضرتِ آدمؑ کو اپنے جمیع کمالات و صفات کا مبداءِ خاص فرماکر پردۂ انسان کو اپنا مظہر بنایا یعنی بمقتضائے شورشِ ظہورِ شیون وصفات کے اللہ جل جلالہٗ نے اپنے شیون وصفات عینیہ ذاتیہ پر فی نفسہٖ تغائرِ اعتباری مفروض فرماکر حسبِ خواہشاتِ شیون وصفات تنزلِ مراتب و آثار و لوازمات بہ اعتبارات و حیثیاتِ تنزلِ بالوان وصُورِ مختلفہ۔ مرتبۂ احدیت سے مرتبۂ حضرتِ انسان تک متصرف ہوکر ظہورِ اجلال فرمایا۔ اور اس طرح یہ عالمِ حسن و شہادت ظاہر ہوا۔[1]

---

[1] بحوالۂ خلاصۂ مضامین بزرگان نیازیہ مندرجہ ریاض الفضائل از مؤلف ص ۲۸۹ و ۲۹۰

پس اِس عالم کے واسطے نظامِ عالم بھی لازم ہوا۔ لہٰذا پیغمبران مرسلین یکے بعد دیگرے منشاء احکامِ الٰہی کی اشاعت کے لیے بھیجے گئے۔ جن کے سید و سردار و خاتم حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ جملہ انبیاء و رسل جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے، ہر دو شق ولایت و نبوت پر فائز ہوتے تھے اور حسبِ ضرورت دونوں کا اجرا فرماتے تھے۔ چنانچہ حضور خاتم النبین ؐ کو سب سے آخر میں مبعوث فرمایا گیا اور قرآن و حدیث کے ذریعے نظامِ عالم کے لیے کامل و مکمل آئینِ الٰہی مرتب ہوا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کار منصبِ نبوت کو بطور خاص جاری فرمایا۔ کیونکہ اس وقت اسی کی اشد ضرورت تھی۔ تاکہ تاریکی کفر و جہل کے بادل چھٹ جائیں۔ نورِ آفتابِ رسالت سے صحرائے عرب کا گوشہ گوشہ منور ہو جائے اور ذی استعداد و صاحب حوصلہ عاشقانِ خدا و رسول ؐ کے قلوب "اسرارِ دین" کے لیے تیار ہو سکیں۔

(وصل ۲) ساتھ ساتھ کارِ منصب ولایت کا سلسلہ بھی جاری رہا خاص خاص صحابۂ کرام رضؓ کو حسبِ استعداد و حوصلہ اسرارِ ولایت کی تعلیم دی گئی۔ فرمایا حضور ؐ نے "ہم گروہ انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبوں میں رکھیں اور ان سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کریں۔" (روایت کیا اسے ابوبکر بن شیخ نے اور ابو داؤد نے بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ۔ بحوالۂ تعلیم غوثیہ صفحہ ۶۰)

اِس کے علاوہ متعدد احادیث اور واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ رضؓ کو "اسرارِ دین" کی تعلیم یکساں نہیں دی گئی اور ان میں یہ تعلیم حضرت علی رضؓ کو سب سے زیادہ دی گئی۔ کیونکہ آپ ہی بمشیتِ الٰہی

اس کی اشاعت کے لئے مختص تھے۔ جیسا کہ "واقعۂ کلیم" اور بعض احادیث و واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رح محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں اسی حدیث کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ) "حضرات اہلبیت علیہ السلام کی تخصیص اس مرتبہ و فضیلت کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ حضرت نوح ع کی کشتی آنجناب ع کے عملی کمال کی صورت تھی اور حق تعالیٰ نے حضرات اہلبیت ع کو بھی جناب خاتم المرسلین ص کے عملی کمال کی' جو طریقت سے عبارت ہے۔ صورت گردانا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "کمالِ عملی" اسی شخص میں جلوہ گر ہو سکتا ہے جسے "قوائے روحیہ و عصمت و حفظ و فتوت و سماحت" میں مناسبتِ شخصی حاصل ہو اور یہ مناسبت والدیت اور علاقۂ اصلیت و فرعیت کے بغیر ممکن الوصول نہیں ہے پس اس کمال کو اس کے تمام شعبوں کے ساتھ جو ولایاتِ مختلفہ کا سرچشمہ ہے۔ اہلبیت رض ہی کی نہر سے جاری فرمایا۔ امامت کا سلسلہ بھی انہی حضرات کے ذریعہ وصیٔ رسول ص کی ذاتِ گرامی تک پہنچتا ہے۔ اور یہی راز اس بات کا ہے کہ اولیائے اُمت کے تمام سلسلے انہی حضرات پر ختم ہوتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو اللہ کی رسی سے تمسک کرتا ہے (یعنی اس

لہ مراد امامتِ ولایت۔ (اور اس منصب کے حامل بارہ حضرات اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

لہ مراد شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا مجموعہ اور ان سے متعلق احکام و سلوک وغیرہ۔ یا اس سے مراد بارہ امام بھی ہو سکتے ہیں۔

کی مدد لیتا ہے) اس کے استعاضہ کی سند چار و ناچار انہی بزرگوں پر ختم ہوتی ہے اور وہ انہی کشتی میں بیٹھتا ہے۔"

اس سے آگے آنحضرت ؐ کے کمال علمی کا، استادی شاگردی کی حیثیت سے صحابۂ کرام رضی کے حصول علم کا، حدیث اَصحَابِی کَالنُّجُوم بِاَیِّھِم اِقْتَدَیْتُم اِھْتَدَیْتُم (میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں جو ان کی اقتدا کرے گا ہدایت پائے گا) کا، اور قطع دریائے حقیقت کے لیے ہر دو ذرائع علمی و عملی یعنی سواری کشتی اور ستاروں کے ذریعے سمت معلوم کرنے کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :۔

"حضرت امیرالمومنین کی تخصیص، شرف و مرتبت اسی نکتے کے باعث ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے توسل کے بغیر اہلبیت کے کشتی ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اہل بیت آنحضرت جو اس طریق کی امامت کے قابل تھے اس وقت کمسن تھے اور ان کی تربیت کسی دوسرے کے حوالہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ کمال کے منافی تھا۔ لہذا ضروری ہوگیا کہ گرانباری گناہ سے نجات کے قاعدے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو القا فرمائے جائیں۔ انھیں امام بنایا جائے اور اپنے "کمال عملی" کو آپ ہی کے سپرد کیا جائے تاکہ آپ بحکم ابوت (والد ماجد ہونے کی حیثیت سے) اس کمال کو تر و تازہ حالت میں صاحبزادگان تک پہنچا دیں۔ اور یہ سلسلہ ان کے توسط سے قیامت تک جاری رہے گا۔

"یہی وجہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین ؑ کو یعسوب المومنین[1]

---

[1] ۔ لغوی معنی: سردار قوم۔ حضرت علیؑ کا لقب

کا خطاب عطا ہوا۔ اور آپ نے چونکہ زمانۂ طفلی ہی سے آغوشِ نبوی صلعم میں پرورش پائی تھی۔ آپؐ سے تعلق دامادی بھی رکھنے کا شرف حاصل تھا بچپن سے ہر معاملے میں آپؐ کے رفیق و شریک رہ چکے تھے، گویا آپ حکم فرزندی میں داخل تھے۔ اور اسی قرابت قریبہ کے باعث آپ کو قوائے روحانی میں بھی آنحضورؐ سے مناسبت کلی حاصل تھی۔ لہٰذا امیر علیہ السلام آنحضرت کے "کمال عملی" کے عکس اور صورت تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت امیر علیہ السلام کی استعداد میں اتنی ترقی ہوئی کہ وہ مرتبۂ کمال کو پہنچ گئی۔ چنانچہ اس کے آثار ہر طریقہ و سلسلہ کے اولیا اللہؒ کے ظاہر و باطن سے ظاہر و ہویدا ہیں۔ والحمد للہ ؎

مذکورۂ بالا اقتباس سے طریقت و معرفت میں حضرت پنجتن پاک کا مرتبۂ کمال اور ان سے محبت و عقیدت کی ضرورت و شدت کا اندازہ بخوبی ہو جائے گا۔ لہٰذا ان امور کے پیش نظر ہمارے بزرگان سلسلہ نے اہلبیت کرام سے پُرخلوص عشق و محبت کی اعلیٰ سے اعلیٰ مثالیں پیش کیں ہیں اور اسی کو ایمان و عمل کی کسوٹی اور عاقبت بخیر ہونے کی ضمانت قرار دیا ہے۔

اسی عشق کی بدولت ان بزرگوں کو دربارِ پنجتن پاک میں خاص رسوخ حاصل تھا اور وہاں حاضر ہو کر وہ مشکل عقدوں کا حل دریافت فرما لیا کرتے تھے۔

حضرت قبلہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اس شعر میں اسی طرف

اشارہ فرماتے ہیں:۔

مشکل جو نیاز آ ئے تمھیں فقر میں در پیش
جا شاہِ نجف حیدرِ کرار سے کہہ دو

اور حضور سراج السالکین شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز کا وصال ہی اس شعر پر ہوا ہے:۔

باشد ایمانِ مسلماں مصحفِ روئے علی
سجدہ گاہِ ماست محرابِ دو ابروئے علی

جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کا، جب کہ آپ ساڑھے چار ماہ کے تھے آپ کے سر پر (عالمِ مثال میں) ہاتھ پھیر کر فرمانا کہ "یہ ہمارا بچہ ہے"[1] نیز غوثی شاہ کا واقعہ[2] وغیرہ اسی نسبت روحانی کی مثالیں ہیں جو آپ کو حضرتِ مولا علی مرتضیٰ و خاتونِ جنّت سیّدہ طاہرہ و مطہرہ سلام اللہ علیہما کی ذواتِ عالیہ سے تھیں، یہ اہم نکتہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ آپ علوی سیّد تھے۔ لہٰذا اولادِ علی علیہ السلام ہونے کی حیثیت سے بھی آپ کو حضرت مولا علیہ السلام سے عشق تھا۔

فصل ۳

امر "خلافت" سے متعلق مزید اہم نکات

ذکر خلافت الٰہیہ کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ عملی اور جناب مولا علی علیہ السلام کی تربیت و تکمیل اور آنجناب کی مخصوص صفات کا ذکر بحوالہ تحریر

---

[1] دیکھو باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۴۷ کتاب ہذا
[2] " باب " " صفحہ ۴۷ کتاب ہذا

تحریر شاہ عبدالعزیز دہلوی محدث و مفسر قرآن، کیا جا رہا تھا۔ اب ہم پھر اسی عنوان کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت و خلافت کی دو شقیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردۂ ظاہری فرما لینے کے بعد، خاص منصب نبوت تو ختم ہو گیا لیکن حضور م کی نیابت و خلافت جاری ہوئی۔ اس نیابت و خلافت کے دو پہلو تھے:-

(اول) تبلیغ احکام شریعت و تحفظ حدود مملکت

(دوم) تحفظ و اشاعت معارف و لایت

شق اول ظاہر اسلام اور استحکام مملکت اسلامیہ سے متعلق تھی اور شق دوم باطن اسلام سے۔ بعض حضرات نے شق اول کو خلافت صغریٰ اور دوم کو خلافت کبریٰ بھی کہا ہے۔

چنانچہ خلفائے ثلاثہ رض کی خاص ذمہ داری شق اول ہی سے متعلق تھی اور شق دوم کے تحت ضمنی تھی۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اُس خطبے سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر دیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلعم کے جسم مبارک[x] کو "دفن"[ے] کرنے سے پہلے ہی امور ملکی کا انتظام اہم واجبات سے سمجھا گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی حدود مستحکم رکھنے۔ دروں کو کو روکنے۔ لشکریوں کو تیار رکھنے اور اسلام کی حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رض نے اپنے خطبے میں خاص طور سے اسی امر پہ زور

---

x ے۔ جو "نور خدا" نورٌ مِنْ نورِ اللہ کا لباس نوری بے سایہ تھا۔

ا ے۔ "دفن" سے مراد "محفوظ" کرنا ہے اس طرح کہ شریعت و حقیقت دونوں مطمئن رہیں۔

دیا کہ حفاظت مملکت و اسلام کے لئے کوئی شخص منتظم کا فوراً مقرر کیا جانا ضروری ہے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ سوچ سمجھ کر رائے دو (یعنی کسی شخص کو بذریعہ انتخاب مقرر کرو۔ یہ اسلام میں سربراہ مملکت و امور شریعت کا اولین انتخاب تھا) حاضرین نے کہا آپ نے سچ فرمایا اور پہلے حضرت عمرؓ نے، بعدہٗ مہاجرین و انصار سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد حضرت زبیرؓ اور پھر حضرت علیؓ نے بھی بیعت فرما کر اجماع کی تکمیل فرمائی[1]

حضرت خلیفہ اوّل کے بعد خلیفۂ دوم و خلیفۂ سوم کو اس زمانے کے موزوں ترین جمہوری اصولوں کے مطابق نیز مسلمانوں کے نازک ترین حالات کے پیش نظر، فرائض خلافت سپرد کئے گئے۔ ان میں سے کوئی بھی بزور شمشیر خلیفہ نہیں بنا۔ حضرت علیؓ کو بعض سیاسی مخالفین، بالخصوص ابوسفیان نے جنگ و جدال پر اکسانا بھی چاہا بلکہ "مدینہ کی سرزمین کو سواروں اور پیادوں سے بھر دینے کی" پیشکش بھی کی مگر آپ نے اسے ٹھکرا دیا۔ اور اس کی کوشش کو اسلام دشمنی اور فتنہ فرمایا[2]

---

[1] اس معاملے میں فرقہ پرستی کی بحثیں بہت ناگوار ہیں اور ان سے ملت واحدۂ اسلامیہ کے پرخچے اڑ چکے ہیں۔ ہم فقرائے اسلام کی سنت جمیلہ کے بموجب اتحاد کی دعوت دیتے اور معاملے کا سیدھا سادا واتفاقی پہلو پیش کرتے ہیں کیونکہ اس وقت اس فرقہ کا وجود ہی نہ تھا جس نے بہت عرصہ بعد جنم لیا اور متعدد نزاعی موشگافیاں پیش کیں۔ اس وقت تو خود حضرت مولاؑ نے اتنا سخت اور تباہ کن رویہ اختیار نہیں کیا۔ بعد میں کیوں کیا گیا جس سے تو خود نعوذ باللہ حضرت علیؓ کی مخالفت ثابت ہوتی ہے۔ [2] دیکھو ریاض الفضائل ص ۳۰۱ و ۳۰۲ بحوالہ آفتاب شہادت مؤلفہ شیعہ مجتہد سید طیب آغا جزائری مطبوعہ لاہور ۔ ۱۵۶ و ۱۵۷

حضرت مولاؑ کا کردار اس سلسلے میں نہایت اعلیٰ اور زبردست تاریخی حقیقت ہے جس کے ہوتے کم ازکم آپ کی خلافت صغریٰ سے متعلق کسی نزاع کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آپ معاذاللہ مجبور نہ تھے نہ بزدل تھے۔ مسلمانوں کے کانوں میں حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ۔ (جس کا میں مولا ہوں۔ جناب علیؑ بھی اس کے مولا ہیں) گونج رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو عزت و عظمت آپ کی تھی کسی دوسرے کی نہیں تھی آپ جس قسم کی مدد چاہتے مسلم اکثریت سے مل سکتی تھی لیکن آپ نے ہر خلیفہ کے انتخاب کے موقعہ پر محض اپنے مناقب وفضائل بیان کرنے پر اکتفا کی (یہ جمہوری انتخاب کا پہلا اصول ہے کہ عوام وخواص کو اپنے فضائل وخدمات اور صلاحیتوں سے آگاہ کیا جائے یہی حضرت مولا علیہ السلام نے ہمیشہ کیا لیکن) کبھی آپ نے اپنی ذات کے لیئے جنگ وجدال اور باہمی خوں ریزی کو پسند نہیں فرمایا۔ محض بحفظ اسلام ومملکت اسلامی اور اپنے فرائض منصبی کی تکمیل کے لئے آپ نے بقدرِ ضرورت جنگ وجدال میں حصہ لیا۔ اگر ان امور میں سے کوئی امر بھی آپ کے تعاون سے مجروح ہوتا تو آپ ہرگز ہرگز خلفائے ثلاثہ رضہ کی بیعت قبول نہ فرماتے۔

تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے ہر خلیفۂ وقت کے ساتھ ہمیشہ تعاون کیا۔

خلافت نبویؐ کی دوسری شق یعنی جہت امورِ ولایت

اب "خلافت" کی دوسری شق پر غور کیجئے جسے "خلافت کبریٰ" بھی کہتے ہیں جس کا حقیقی مقصد عاشقانِ حق کے دلوں میں عشق حقیقی کو مستحکم کرنا۔ عبد ومعبود حقیقی کے درمیانی روابط کو استوار کرکے اسے خدارسی کی منزل آخر تک پہنچانا ہے۔ اسی کو

"امر ولایت" اور "کار امامت" بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ امر ولایت یا کار امامت، حضرت مولا علی علیہ السلام کی "خاص ذمہ داری" تھی اور آپ کا یہ "منصب" اللہ و رسولؐ کا مقرر کردہ تھا۔ "انتخابی" نہ تھا اور احادیث نبویؐ کے بموجب آپؑ کی اولاد میں بارہ امام ہوں گے گیارہ ہو چکے ہیں، بارھویں امام مہدی علیہ السلام ہوں گے اور قیامت تک ان کی ذوات عالیہ فیضان ولایت کا سرچشمہ بنی رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر "خلیفہ" نے حضرت علی کو "منصب امامت" پر فائز تسلیم کیا، اس حیثیت میں ہمیشہ آپ کا احترام کیا اور ہر نازک موقع پر آپ کی مدد لی۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ کتب تواریخ و سیر میں مفصل واقعات مذکورہ ہیں

امور شق اول (خلافت صغرائی) کا انجام دینا آپ کا ضمنی فریضہ تھا اور اس کا انحصار "انتخاب" پر تھا جو چوتھے نمبر پر پورا ہوا اور اس حیثیت سے آپ اپنی شہادت تک امور مملکت کے سربراہ بھی رہے۔

فصل ۴

امور ولایت کے اجرا کے لئے حضرت مولا علیؑ کے خلفا

اجرائے امور ولایت خلافت کبریٰ کے لئے حضرت مولا علیہ السلام کے تین خلفا ہوئے (بعض روایات میں چھ خلفا بتائے گئے ہیں)

۱۔ حضرت امام حسن علیہ السلام ۲۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ۳۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ۔

چنانچہ موجودہ قادریہ اور چشتیہ سلسلے اور ان کے شجرہ ہائے طریقت ان

ہی بزرگوں کی معرفت امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک اور ان کے توسل سے حضور نور ذات کبریا مظہر اکمل خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح دوسری جانب نظر کیجئے تو حقیقت حال کی وضاحت یہ ہوگی کہ سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت کی جہت ولایت کا فیضان بہ توسل ولایت و مولائیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ منزل بہ منزل، دور حاضر کے "مستند" مشائخ کرام کی ذوات عالیہ تک۔ اور ان کے ذریعہ ان کے متوسلین تک پہنچتا ہے اور اس طرح ولایت و نیابت نبوی ؐ وعلوی رض کا فیضان، سینہ بہ سینہ اور زینہ بہ زینہ، تا قیامت جاری رہے گا۔ یہی سرور کائنات خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ عملی کمال اور اس کے ابلاغ کی عملی صورت ہے جس کا ذکر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رح نے کیا ہے اور جو اوپر صـ ـ پر مندرج ہو چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ قادریہ وچشتیہ سلسلے امر ولایت سے متعلق ہیں نہ کہ امور مملکت سے۔ چنانچہ شجروں میں شاہان اقالیم ولایت کے اسمائے مبارکہ ہیں نہ کہ دنیاوی حکمرانوں کے لیے

حضرت علی رض بحیثیت خلیفۂ چہارم

پہلے تین خلفاء رض کے بعد چوتھے نمبر پر بہ اتفاق جمہور، حضرت علی علیہ السلام نے انتظام سنبھال لیا۔ (یہ انتظام امور ولایت کے علاوہ تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) اور آخری دم تک منافقین ومخالفین کی شورشوں کے باوجود مذکورہ امور یعنی فرائض انتظام مملکت بحسن وخوبی تمام انجام دیتے رہے۔ ظاہر ہے کہ منصب امامت و ولایت کے مقابلے

میں یہ منصب ذیلی۔ ثانوی اور ضمنی تھا۔ اور آپ کا اصل فریضہ منصبی (منصب امامت و ولایت۔ طالبان حق کو حق تک پہنچانا) نہ خلافتِ صغریٰ پر فائز ہونے سے پہلے کبھی معطل ہو سکا۔ نہ اس کے بعد ہوا۔ (پھر جھگڑا کس نقصان پر ہے؟) جو فضیلت اور مرتبۂ کمال حضرت شہنشاہ ولایت مولا علی علیہ السلام کو بوجہ امامت و ولایت اس وقت حاصل تھا اور قیامت تک حاصل رہے گا اسے فریقین سمجھ لیں اور ضد و نفسانیت چھوڑ دیں تو تمام جھگڑے ختم ہو جائیں یہی مشائخ کرام کا پیغام صلح و آشتی ہے۔ یہی پیغام صلح و آشتی حضرت قطب عالم، مدار اعظم شاہ نیاز احمد قدس سرہٗ العزیز نے دنیا کو دیا ہے۔

شیعہ سنّی مناقشات، مذکورۂ بالا وضاحت عقائد پر عمل کرنے سے بہت بڑی حد تک کم بلکہ ختم ہو سکتے ہیں۔ ان مناقشات کو ختم کرنے کا بہترین پُرامن اور دیرپا طریقہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں حضور نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی یہ خدمت یادگار زمانہ رہے گی کہ موصوف نے قرآن و سنت کے مطابق صحیح اور بہترین راہ واضح کی اور اپنے متبعین و معتقدین کو اسی پر چلایا۔ دونوں فرقوں کے کٹر علماء کو تشدد چھوڑ کر یہی راہ اعتدال اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہی راہ قرآن و سنت کے مطابق بزرگان سلف رح کی راہ ہے اور اسی پر چلنے سے اتحاد ملت اسلامیہ کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔

تنبیہہ

یہ وضاحت حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی

بعض تحریروں اُن کے متبعین رحؒ و خلفاءؒ وغیرہ کی یادداشتوں۔ نیز ان بزرگوں کے بعض معمولات سے ماخوذ ہے۔ حوالے طوالت کا موجب ہوتے لہٰذا حذف کئے گئے۔ اگر اِس مختصر وضاحت میں کوئی غلطی ہو تو اسے ناچیز مصنّف کی غلط فہمی پر محمول کیا جائے۔ اسے بزرگانِ سلسلہ رحؒ سے منسوب کرنا غلط ہوگا۔

باب ۳۸

جانشینی

حضرت نیازؔ بے نیاز قدس سرہ العزیز نے اپنے وصال سے تقریباً تین سال قبل ہی اپنے بڑے صاحبزادے شاہ نظام الدین حسین صاحب کو بعد از ریاضت شاقہ و تکمیل سلوک، اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا حالانکہ بوقت وصال حضرتِ قبلہؒ صاحبزادہ صاحب کی عمر صرف سولہ سال پانچ ماہ کی تھی۔ حضرتِ قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے صاحبزادہ صاحب موصوف کو جب کہ وہ بہت کم عمر تھے، ریاضت شاقہ کی راہ پر ڈال دیا تھا اور چونکہ حضور قبلہ رحؒ انھیں اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے اُن پر خاص الخاص توجہ بھی فرماتے رہے۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب سے کم سنی ہی میں محیر العقول غیر معمولی واقعات سرزد ہوئے اور بعد کے کارناموں سے تو پوری کتاب "کرامات نظامیہ" پُر ہے۔ کرامات سے صرف نظر کر بھی لیں (کیوں کہ آج کل طبائع ناظرین کی یہی افتاد ہے) تب بھی حضرت شاہ نظام الدین حسین قدس سرہٗ العزیز کے حالاتِ زندگی، تاریخ تصوف کے وہ زریں باب ہیں جن کی مثال دور حاضر کی تاریخ میں کہیں ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔ کاش اہل خاندانِ نیازیہؒ اس طرف توجہ فرمائیں اور خانقاہی رکارڈ وغیرہ کی مدد سے قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے تمام جانشینانِ گرامی منزلت کے حالاتِ زندگی، دور حاضر کے تقاضوں

کے تقاضوں کے مطابق جلد مرتب فرما دیں ۔ یہ ایسے شہیرانِ معرفت و حقیقت ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے مردانِ حال و قال بھی "شیرِ قالین" ہی نظر آئیں گے ۔

یقین نہ آئے تو حضور قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کے بڑے صاحبزادہ و جانشین اول شاہ نظام الدین حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات صغر سنی کا مختصر سا ذکر مصنف کراماتِ نظامیہ مولانا مفتی محمد فائق صاحب نظامی نیازی رح کی زبانی سُن لیجئے، فرماتے ہیں :-

"بعد اس کے[1] جناب قبلہ رح نے یہ معمول رکھا کہ ہر شب اُن کو اپنے سامنے بٹھا لیتے اور ماتھے سے ماتھا ملا دیتے بہت تھوڑی دیر میں حضرت سو جایا کرتے ۔ قریب دو گھنٹہ کے حضرت کے سامنے سوتے رہتے اور جناب قبلہ دیکھتے رہتے بعد اس کے آپ کے حکم سے کوئی ولایتی گود میں اُٹھا کر گھر پہنچا دیتا ۔ (یہ آپ کا سونا نہیں تھا بلکہ جناب قبلہ کی توجہ سے ایک قسم کی محویت تھی) جب آپ نو برس کے ہوئے تو حضور قبلہ نے ایک دن بطور مشغلہ کے فرمایا کہ میاں ہم تم کو ایک چیز بتائیں بھلا اس کو کرتو لاؤ اور آپ کو شغل درود تعلیم فرمایا شام کو قوالی تھی اس لئے کہ پنجشنبہ تھا اور ہر پنجشنبہ کو قوالی ہوا کرتی تھی ۔ آپ کو قوالی میں شغل کی جمعیت ہو کر رقت شروع ہوئی ۔ مولوی عبداللطیف صاحب یار قندی خوان علوم جو خلیفہ جناب قبلہ کے تھے ۔ انھوں نے قصد کیا کہ

---

[1] ۔ ایک مرتبہ جب آپ (یعنی شاہ نظام الدین حسین صاحب رح) پانچ سال کے تھے گلی میں کھیلتے کھیلتے گم ہو گئے تھے اور حضور قبلہ رح کی نشان دہی پر ملے تھے ۔ اقتباس ہذا میں اسی کی طرف اشارہ ہے ۔

میں ان کو گود میں لے لوں مبادا کہیں چوٹ نہ لگے۔ آپ کے اثر سے
مولوی صاحب کو بھی وجد شروع ہو گیا اور آپ کو گود میں لئے رہنے پر
قادر نہ رہے مخدوم عبد الشہید صاحب جو اجل خلفاء سے تھے اور بہت
بڑے عارف اور زبر دست تھے دوڑ کر انھوں نے گود میں لیا ان کی بھی
یہی حالت ہوئی خیر وہ جلسہ ختم ہوا۔

ایک روز حضور قبلہ آپ کا کلام مجید سُن رہے تھے اور آپ سُنا
رہے تھے مکان کے دروازے سے ایک بڑی بی آئیں (اور یہ قصہ
زنانے مکان کا ہے) اور کہا سبحان اللہ اس بچہ نے کیا آواز پائی ہے
کہ قلب پر اثر ہوتا ہے معاً اس کی نظر کے اثر سے حضرت بیہوش ہو گئے۔
حضور قبلہ بہت دیر تک متوجہ رہے اور کچھ پڑھتے رہے اور دم کرتے رہے
اس وقت خدا نے افاقہ دیا۔ پھر آپ کا یہ معمول رہا کہ اکثر شاغلین کے حلقہ
میں بیٹھا کرتے جب عمر ۱۱ برس کی ہوئی حضور قبلہ نے چلہ کشی کا حکم دیا۔
حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے مقبرہ میں جو بریلی شریف میں لب دریا
واقع ہے اور وہ بہت وحشت ناک جگہ ہے۔ چلہ کو بیٹھے آپ فرماتے
ہیں کہ ایک روز مکان تاریک میں بوریے پر میں بیٹھا تھا اور اپنا
شغل کر رہا تھا مجھ کو اس وقت خبر ہوئی کہ ایک کالے سانپ کا سر
میرے سینہ تک پہنچ چکا تھا میں نے خیال کیا کہ اگر جنبش کرتا ہوں تو یہ مجھ
کو کاٹ لے گا۔ پس سکوت کیا جب وہ گزر گیا تو بانس کا ٹکڑا ایک
جانب سے جو پارہ جو اسی غرض سے پاس رکھا جاتا تھا اُس سے
کھٹ کھٹایا کہ وہ سانپ بھاگ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اسی شب
خوف سے تمام رات مجھ کو نیند نہیں آئی۔ دوسری شب بعد بارہ بجے

رات کے پاخانہ کو تشریف لے گئے۔ چاندنی کھلی ہوئی تھی آپ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سانپ کھڑا ہے اور آخیر شب کی ہوا کھا رہا ہے۔ کفچہ اس کا تقریباً بارہ گرہ کا ہوگا حضرت وہاں سے اپنے حجرہ میں چلے آئے۔ چلہ میں دو روز باقی تھے کہ پچھلی رات بیٹھے ہوئے ہیں اور مشغول بہ شغل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے سینہ سے ایک شعاع مثل شعلہ آتش بہت تابش کے ساتھ برآمد ہوئی جس کا حجم قریب بارہ گرہ کے ہوگا اور اس نے آسمان کی جانب صعود کیا اور برابر سینہ سے برآمد ہوتی رہی اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ میں اپنے جسم سے علیحدہ ہوا مجھ پر بہت خوف غالب ہوا اور بہت ضعیف ہوگیا کہ صبح کی کھچڑی اپنے واسطے نہ پکا سکا اور نہ غسل کے واسطے دریا سے پانی لا سکا اس دن روزہ پر روزہ ہوا۔ دوسرے دن شب کو بھی یہی حالت گزری کہ روزہ پر روزہ ہوا۔ تیسرے دن وقت عصر حضور قبلہ پالکی میں بیٹھ کر تشریف لائے خدام سے فرمایا کہ میاں کو لاؤ اور حضور قبلہ حضرت کو میاں کہا کرتے تھے۔ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم اور مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم بغلوں میں ہاتھ دے کر بدقت تمام حضور کے سامنے لائے حضور نے فرمایا کہ پالکی میں سوار کر دو۔ حضرت نے عرض کیا کہ حضور چلہ کا ابھی ایک دن باقی ہے فرمایا کہ چلہ کامل ہوگیا اب کچھ باقی نہیں ہے اور خود ہی اس پالکی میں سوار ہو کر مکان پر تشریف لائے پھر تو یہ حالت ہوئی کہ ذرا قوت آئی اور چلہ کا حکم ہوا برابر چلہ کشی ہوتی رہی اب حضرت کو عادت بھی ہوگئی اور سن بھی تمیز کو پہنچا اور فرماتے ہیں کہ پھر مجھ کو ایسی تکلیف نہیں ہوئی جیسی پہلے چلہ میں ہوئی تھی۔

ایام طفولیت میں خلیفہ مخدوم عبد الشہید بدخشانی اور مولوی عبد اللطیف خان علوم مولوی عبد اللہ صاحب بدخشانی حضرت تاج الاولیاءؒ کو ایام طفولیت میں دریا کی سیر کرانے کی غرض سے قلعہ کی طرف لے گئے بعد واپسی مخدوم صاحب نے حضرت نیاز بے نیازؒ سے ظاہر کیا کہ حضرت آج خدا نے بڑی خیر کی حضرت تاج الاولیاءؒ نے ارادہ اُترنے کا کیا تھا اگر پکڑ نہ لیا جاتا تو صاحبزادہ صاحب ضرور گر پڑتے حضرت نیاز بے نیازؒ نے فرمایا ضرور ایسا ہوتا اگر نہ پکڑتے تو چوٹ تو نہ لگتی۔ بعد چلہ کشی کے حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں چلہ تو تم کرتے ہو تھوڑی سی محنت سے خاندانی وظائف کی بھی زکوٰۃ دے دو تو بہتر ہے۔ بمجرد ارشاد پہلے حزب البحر کی زکوٰۃ دی دوسری حرز یمانی کی زکوٰۃ کا قصد کیا اور سامان مہیا کیا۔ حضور قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی زکوٰۃ تم کو بخشتا ہوں چونکہ سامان تیار کیا تھا حضرت نے زکوٰۃ حرز یمانی کی دی اور چلہ اشغال کیا حضور قبلہ نے فرمایا کہ میاں عمر تمھاری تیرہ برس کی آئی اب مناسب ہے کہ سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ حضور قبلہ نے جو والد ماجد حضرت کے تھے اور متکفل سب امورات کے تھے نکتیاں تیار کرنے کا حکم دیا اور آپ کو حکم فرمایا کہ دو رکعت نماز تحیۃ الوضوا ادا کرو حکم کی تعمیل کی پھر حکم ہوا کہ دو رکعت نماز شکریہ ادا کرو حکم بجا لائے پھر حضور قبلہ علیحدہ لے گئے اور بیعت کیا اور دعائے خاندانی پڑھائی یہ وہ دُعا ہے کہ جس شخص کو اپنا سجادہ نشین کرنے کا خیال ہوتا ہے اُس کو پڑھائی جاتی ہے پھر درمیان طلبا ر اور حاضرین خانقاہ مبارکباد

ہوئے شیرینی تقسیم ہوئی۔ اب حضور قبلہ نے حضرت کو یہ حکم دیا کہ
طالبین کو لے کر بیٹھا کرو اور توجہ دیا کرو اور شام کو حضور قبلہ ملاحظہ
فرماتے تھے کہ آج ان کی توجہ نے کتنا اثر کیا اور کیا کام کیا یہاں تک
کہ جب پندرہ برس کی عمر شریف ہوئی تو نگاہ میں اتنا زور آگیا
تھا کہ کیسا ہی آدمی ہو ٹھہر نہیں سکتا تھا لوٹنے لگتا تھا اور چیختا تھا
ہائے جل گیا تحصیل علم ظاہری حضرت مولوی عبیداللہ صاحب بدخشانی
سے اور مخدوم عبدالشہید صاحب بدخشانی رحمۃ اللہ علیہما سے کی
اور تصوف اپنے والد ماجد اور پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل
کیا حضور قبلہ نے تعلیم اور تلقین جملہ مریدین کی حضرت کے سپرد
کی۔ آپ یہ کام کرتے رہے جب عمر پندرہ برس کی ہوئی تو ایک تاریخ
متعین کر کے حضور قبلہ نے اپنے خلفاء اور معزز مریدین کو جمع کیا اور
حضرت کو بزور اور زبردستی اپنی مسند پر بٹھایا اور دستار اپنے سر مبارک
سے اتار کر حضرت کے سر پر رکھی اور سامنے کھڑے ہو کر اپنے دونوں
ہاتھوں پر دو روپیہ رکھکر نذر دیئے اور فرمایا کہ یہ دو روپیہ یومیہ
وہ ہیں جو مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ نے دستار خلافت اور مسند عطا
کرنے کے وقت دیئے تھے مولوی عبیداللہ صاحب نے عرض کیا کہ
حضور دو روپیہ روز میں ان کا کیونکر کام چلے گا ارشاد ہوا کہ یہ بھی تو
اپنی قسمت کا کچھ ساتھ لائے ہیں۔ پھر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ انجاح
مطالب مخلوق کا کیا بندوبست ہوگا ارشاد ہوا کہ اس کا ضامن میں
ہوں بعد ازاں تمام خلفاء اور مریدین کی طرف خطاب ہوا کہ جو ہمارا
مرید اور خلیفہ ہے آج سے وہ اپنے آپ کو ان کا مرید اور خلیفہ سمجھے

اور جو تعلق مجھ سے ہے میں نے ان کے متعلق کر دیا آئندہ کسی کو ان سے دعویٰ پیر بھائی بننے کا نہیں پہنچتا۔ یہ سُنکر جتنے خلفاء اور مریدین اُس وقت حاضر تھے حسب منشاء حضور سب نے حضرت تاج الاولیاءؒ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی اُس تاریخ سے تازمانۂ حیات حضور قبلہ نے کسی کو مُرید نہیں کیا۔ جو طالب آیا اُس کا ہاتھ حضرت تاج الاولیاءؒ کے ہاتھ میں دے دیا اور اس وقت سے حضرت کو مَسند پر بٹھاتے تھے اور خود قریب مسند کے بیٹھتے تھے۔ بعد رسوم سجادگی اور مسند نشینی کے حضور قبلہؒ نے آپ کو یہ شجرۂ خلافت اور سجادگی عطا فرمایا۔[1]

خلافت نامہ کرامات نظامیہ میں صفحات ۷۵ تا ۷۹ پر بھی میں درج ہے۔ یہاں نقل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

---

[1] ماخوذ از کرامات نظامیہ۔ صفحہ ۷۲ تا ۷۵

باب ۳۹

وصال

یوں تو "موت" ہر ذی روح کے لئے مقدر ہے لیکن "عام انسانوں" اور "خاص شخصیتوں" کی موت اور اس کے اثرات یکساں نہیں ہوتے۔ "خاص شخصیتوں" میں انبیاء۔ اولیا۔ شہدا۔ صالحین اور دیگر فانی فی اللہ ہستیاں ہوتی ہیں۔ پھر ان کے بھی، بہ لحاظ اعمال، درجات ہیں۔

اسی طرح "عام" انسانوں کے درجے بھی بلحاظ علم و عمل ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی وہ مذکورۂ بالا "خاص" شخصیتوں کے مرتبہ کو نہیں پہنچتے۔

اللہ کے خاص بندوں اور عاشقوں کے اجسام کا کھایا جانا۔ مٹی پر حرام کر دیا گیا ہے۔ شہدائے کرام بعد انتقال بھی زندہ رہتے ہیں۔ وہ رزق پاتے اور عبادت کرتے ہیں لیکن ہم نہیں سمجھتے۔ یہ مثل مشہور ہے کہ موت العالم موت العالم یعنی عالِم کی موت تمام جہانوں کی موت کے مترادف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی میں بھی وہ دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں اور لوگ انھیں عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بعد انتقال بھی ان کی خدمات ہمیشہ زندہ رہتی ہیں اور لوگ ان کے لئے مدتوں روتے ہیں۔

ان میں صرف انبیائے کرام، اولیا اللہ اور بعض دیگر برگزیدہ

اشخاص کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے انتقال کو "واصل بحق ہونا" یا "ظاہر پردا فرمانا" برنبائے احترام کہتے ہیں۔ تاہم یہ احترام برائے احترام نہیں ہوتا بلکہ یہ الفاظ حقیقت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ انبیاءؑ و اولیا اور بعض دیگر صلحا۔ زندگی ہی میں "واصل بحق" یا "فانی فی اللہ ہوکر" باقی باللہ" بن جاتے ہیں لہذا معناً وہ۔ وہ نہیں رہتے جو نظر آتے ہیں لہذا ان کی "موت" بھی وہ نہیں رہتی جو نظر آتی ہے۔۔۔ اُس کی حقیقت چشم بصیرت پر تو ظاہر رہتی ہے مگر عام لوگوں کو نظر نہیں آتی لہذا کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ نے "ظاہر پردا فرمالیا"

اس تمہید کے بعد (جو عام لوگوں کے لئے ضروری تھی) ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ قطب عالم۔ مدار اعظم حضور قبلۂ عالم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے لیے بھی اس عالم ناسوت سے گزرنے اور ہم سے ظاہری پردا فرما لینے کا اذنِ ربی آپہنچا اور آپ نے جمعہ ۶ رجمادی الثانی ۱۲۵۰ھ کو بہ عمر ۹۵ (پچانوے سال) اس دار فانی سے پردا فرمالیا۔ یعنی وہ خورشید جہاں تاب ہدایت اور آفتاب عالم و ولایت ہمیشہ کے لئے غروب ہوکر ہماری نظروں سے غائب ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آفتاب کا غروب ہونا صرف "ظاہری پردا" ہی تو ہے۔ آفتاب تو اپنی جگہ موجود اور ہماری ظاہری آنکھوں سے محجوب ہے۔

بقول اقبالؒ

جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

جب ہر عام انسان کا یہ حال ہے تو "خاص ہستیوں" بالخصوص

"فانی فی اللہ" ہستیوں کے لیئے اس شعر کا اطلاق بدرجۂ اولیٰ صحیح ہے۔

اب ہم حضور قبلۂ عالمؒ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے وصال کا کچھ مختصر حال۔ کتاب کراماتِ نظامیہ کی زبانی بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ کتاب مذکور کو خاندانِ نیازیہ؂ میں مستند ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لکھا ہے کہ :۔

"وصال سے پہلے حضرت نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ پر محویت اور استغراق کا اس قدر غلبہ تھا کہ دن رات میں کسی وقت بھی ہوش نہ رہتا تھا۔ باوجود اس کے خلفا اور مریدین کو یہ تاکید تھی کہ جس طرح ہو ہم سے نماز پڑھوا لیا کرو۔ نماز کے وقت خدّام ہوشیار کرتے بمشکل تمام اُس عالم سے اس طرف نزول فرماتے۔ نماز کی نیت کرتے ہی پھر ڈوب جاتے پھر لوگ ہوشیار کرتے۔ پھر پڑھتے پڑھتے ڈوب جاتے۔ اس صورت سے جب نماز ختم ہوتی اور لوگ کہتے کہ حضرت نماز ختم ہوگئی تو آپ فرماتے الحمد للہ علیٰ ذالکؔ۔ جب کھانے کا وقت ہوتا تو خدام عرض کرتے کہ کھانا تیار ہے وہاں کچھ شنوائی نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ غذائے روحی چھوڑ کر اس غذا کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ آخر کار مختلف غزلوں کے اشعار مختلف مضامین کے ۔ یعنی کوئی مصرعہ ہجریہ اور کوئی مصرعہ وصلیہ کوئی مصرعہ عشقیہ آپ کے سامنے پڑھتے تو اس پڑھنے سے آپ کی حالت میں تغیّر واقع ہوتا۔ اس وقت فرماتے "خراب کردیا ۔خراب کردیا" اس وقت خدام عرض کرتے کہ کھانا حاضر ہے۔ یہ کہہ کر لقمہ اُٹھایا اور

حضرت کے منھ میں دے دیا۔ اگر نوش فرمالیا تو خیر۔ ورنہ وہ لقمہ منھ میں رہا اور حضور پھر مستغرق ہو گئے۔ پھر اسی طرح ہوشیار کیا اور ایک لقمہ اور دیا۔ غرض کہ اسی طرح چند لقمے کھلائے جاتے تھے کبھی کبھی ایسے الفاظ بھی منھ سے نکلتے تھے۔

می آیم - می آیم

ایک روز بعد ہوشیاری سلامت اللہ خاں نے عرض کیا کہ حضور از کجا می آئید۔ فرمایا۔ مقامے دارم تا وقت وصال یہ حالت قائم رہی کہ کچھ یاد نہیں رہا۔ حتیٰ کہ کسی کا نام بھی یاد نہیں آتا تھا۔ اگر حضرت تاج الاولیاءؒ کو بلانا ہوتا تو اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے خدام سمجھ جاتے کہ حضرت تاج الاولیاءؒ کو بلاتے ہیں ان کو لاکر حاضر کر دیتے اور اگر سلامت اللہ خاں کو بلانا ہوتا تو اپنی زبان پر انگلی رکھتے۔ وجہ یہ تھی کہ سلامت اللہ خاں چٹنی بنواکر لایا کرتے اور اس کو نذر کیا کرتے تھے۔ اس قرینے سے لوگ سمجھ کر سلامت اللہ خاں کو حاضر کر دیتے۔ وصال سے پہلے ہوشیار ہو گئے تھے۔ مخدوم جی سے فرمایا کہ اس وقت سختی اور تکلیف بہت ہے۔ مخدوم جی نے عرض کیا کہ حضور کیا بات ہے۔ فرمایا۔ میں نے جناب باری میں عرض کیا تھا کہ میرے سلسلے کے تمام مریدین کی تکلیف جاں کنی مجھ پر کرلی جائے اور ان کو بری کیا جائے۔ یہ بات مقبول ہوئی۔ اس کو بھگت رہا ہوں۔

آخری لمحات

خلیفہ شاہ فضل کریم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بیان

ہے کہ یوم وصال جناب قبلہؒ کو غشی طاری ہوئی۔ یکایک دونوں ہاتھ حضورؒ کے پھیلے۔ جو خلفاء اس وقت حاضر تھے انھوں نے کہا کہ یارو اپنی اپنی قسمت آزمانا چاہئیے چنانچہ ہر ایک نوبت بہ نوبت قریب جاکر حاضر ہوا۔ ہاتھ بدستور پھیلے رہے۔ آخر کو حضرت تاج الاولیاء صاحب سجادہ اور جانشین قدس سرہ العزیز کی نوبت آگئی جس وقت حضرت قریب ہوئے دونوں ہاتھوں سے آپ نے ان کو لے کر اپنے سینۂ پرگنجینہ سے لگایا اور نعمت باطنی اور اسرار مخفیہ جو ودیعت تھے آپ کے سینے میں بطور القاء کے تفویض فرمائے۔ اس فیضان سے حضرت تاج الاولیاءؒ بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں جناب قبلہ کی روح پُرفتوح قالب عنصری سے مفارقت کر کے اپنے مرکز اصلی کو پہنچی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اُس فیضان کے اثر سے حضرت تاج الاولیاءؒ کو ایسی غشی طاری ہوئی کہ حاضرین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ خدانخواستہ جناب قبلہؒ کی معیت میں (یعنی ہمراہ) آپ بھی سفر کر گئے۔ ایک صدمہ تھا ہی دوسرے صدمے سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ لوگوں نے آپ کو حضرت قبلہؒ کے سینے سے علیحدہ کرنا چاہا۔ ہر چند کوشش کی ہاتھ جُدا نہ ہوئے خلفاء میں سے کسی نے کہا کہ تم لوگ اس امر میں کوشش نہ کرو بعد افاضۂ تام یہ ہاتھ خود بخود علیحدہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ایسا ہی ہوا کہ وہ خود بخود علیحدہ ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت (تاج الاولیاءؒ) کو سینے سے اٹھا کر علیحدہ ایک چارپائی پر لٹایا اور بہت عرصے کے بعد حضرتؒ کو ہوش آیا۔

حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز نے چھٹی جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ روز آدینہ (بروز جمعہ) بعد نماز ظہر انتقال فرمایا اور مابین نو اور دس بجے شب کو مدفون ہوئے۔

تاریخ وصال حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی یہ آیت کریمہ ہے:

ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون[1]

دیگر

سن بارہ سو پچاس تھے اور خواجہ جی کے ماس
نیاز پیارے جائے بسے اللہ جی کے پاس"

(نامعلوم)

"جس روز حضرت نیاز بے نیازؒ کا وصال ہوا آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ نظام الدین حسینؒ کی عمر شریف سولہ برس پانچ مہینے کی تھی اور آپ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ نصیر الدین حسینؒ کی عمر شریف چھ سال اور چند مہینوں کی تھی۔ قریب وصال کے مولوی عبید اللہ صاحبؒ نے مصلحتاً شاہ نصیر الدینؒ کو عبدالستار کے کندھے پر سوار کر کے اشرف خاں بانکے کی چھاؤنی میں میر بشارت علی مرحوم کے یہاں بھیج دیا تھا۔"[2]

---

[1] سلسلۂ نیازیہؒ کے چند اکابر کے وصال کی تاریخیں بھی اسی آیۂ کریمہ سے نکالی گئی ہیں۔ دیکھو کرامات نظامیہ۔ طغرہ قبل صفحہ ۱

[2] کرامات نظامیہ۔ صفحات ۶۸ تا ۷۰

باب ۴۰ (الف)

سرسری جائزہ

(فصل - ۱) گزشتہ ابواب میں ہم نے تمام ممکن الحصول مسائلِ تحریر کی مدد سے زیرِ نظر تذکرۂ حیات و تعلیمات قطبِ عالم مدارِ اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز مرتب کیا ہے اس کا تاریخی نام وہ رکھا جو سرورق پر درج ہے اب آخر میں ہم یہ ایک مختصر سا جائزہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز کے وصال سے کیا کیا قومی و ملی نقصانات ہوئے اور کتنی ہمہ گیر جامع کمالات اور عظیم المرتبت ہستی سے دنیا محروم ہو گئی۔ اس کے مطالعہ سے حضرت موصوف کی قابلیت خدمات اور اُن کے احترام کے نقوش ناظرین کے قلوب پر کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ گہرے مرتسم ہو سکیں گے۔ چنانچہ واضح ہو کر۔

(۱) ایک دستار بند عالم و فاضل اور محقق دین کی حیثیت سے :

حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کا وصال ایک ایسے فاضل و محقق کا وصال تھا جس کی دستار بندی صرف پندرہ سال کی عمر میں، دہلی کے تمام سن رسیدہ باکمال فارغ التحصیل علمائ و محققین نے تین دن مجمع عام میں مسلسل امتحان لینے کے بعد اجتماعی طور پر کی اور جملہ علوم متداولہ یعنی تفسیر

حدیث، فقہ۔ کلام۔ منطق۔ فلسفہ۔ ہیئت۔ ادب وغیرہ) میں آپ کو منتہی و باکمال استاد علم و تحقیق تسلیم کیا۔

— جس نے ۹۵ سال کی عمر تک علوم مذکورہ کے درس کے ذریعے لاکھوں نفوس کو فیض پہنچایا۔ خود ایک عالیشان مدرسہ بریلی میں مدتوں قائم رکھا۔ دہلی کے مشہور و معروف مدرسۂ فخریہ کے (جہاں خود علم حاصل کیا تھا) دوبارہ صدر مدرس و مہتمم (پرنسپل رہے) ایک بار حضرت شاہ فخر دہلوی رحؒ کی حیات میں اور دوسری بار اُن کے وصال کے بعد اور اس دوران میں بعض ایسے اشخاص کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا جو بعد میں آسمان شہرت پر چاند سورج بن کر چمکے متن میں مثالیں موجود ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

— جس نے تمام عمر عربی۔ فارسی اور اردو زبان و ادب کے ساتھ ساتھ جملہ علوم متداولۂ دینیہ اور سب سے زیادہ فقر و روحانیت کی خدمت کی اور شعبے میں بیش بہا خزانے چھوڑے۔ ایسے ہی "بحر العلوم" کی وفات کے لئے "موت العالم موت العالم" کہا گیا ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ کہنا چاہیئے۔

— حضرت شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی وفات ایک ایسے مستند عالم اور فقید المثال محقق دین کی وفات تھی جو فرقہ بندی اور رسمی اسلام کے سخت خلاف تھا۔

— جس نے عشق حقیقی اور توحید حقیقی کے پلیٹ فارم پر مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کو مجتمع رکھنے کی اَن تھک اور پر خلوص کوشش میں تمام عمر گزار دی بلکہ اپنا عیش و آرام، شاہانہ خاندانی جاہ و

جلال۔ مال ومتاع۔ سُکھ۔ چین۔ سکون وصحت، سب کچھ قُربان کر دیا۔

— آپ ایسے عالم باعمل و فاضل اجل اور محقق دین تھے جس میں رواداری، وسیع النظری اور فراخدلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس نے دائرۂ اہل سنّت والجماعت کے اندر عشق حقیقی کی روح پھونکی اور اسے تنگ نظری و کفر سازی کی آلودگیوں سے بچایا جو عامیانہ (بلکہ فقط ملایانہ) توضیح عقائد سے اجتناب کرتا رہا۔ نہ کسی سے اُلجھتا نہ بحث کرتا۔ بلکہ اپنے نورِ بصیرت اور اجتہاد سے کام لیتا یا اپنے مشائخ عظامؒ کی اختیار کردہ تعبیر و توضیح معلوم کر کے اختیار کرتا اور اُسی کی تبلیغ ڈنکے کی چوٹ کرتا خواہ کوئی کتنی ہی مخالفت کرے۔

— اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ بڑے بڑے علمداں حضرتؒ کا سامنا ہوتے ہی برسرِ راہ قدموں پر گر جاتے۔ یہ آپؒ کی عالمانہ عظمت اور محققانہ جلالت کا انمٹ ثبوت ہے۔

— آپ نے کبھی اپنے مسلک و مشرب کے مخالف مسالک فرقوں یا شخصوں پر۔ تقریر یا تحریر میں نکتہ چینی نہیں کی نہ کسی کے خلاف "کفر سازی" کی تلوار چلائی بلکہ

ہر وقت اپنے عقائد کے محاذ کو مضبوط رکھنے کا اصول پیش نظر رکھا آپ جانتے تھے کہ حق ہمیشہ حق رہتا ہے اسے کسی دلیل کی حاجت

نہیں ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ پانی سے بھر جانے کے بعد گھڑے سے گڑگڑاہٹ یا چھلکنے کی آواز نہیں نکلتی۔

— حضرت کی زندگی نہ صرف عوام کے لیے بلکہ خواص معلّمین اور خواص مبلّغین کے لیے بھی مذکورۂ بالا زریں اصول کا زندہ درس تھی۔ حضور کے پردا فرما لینے سے دنیائے اسلام کے ایک بہترین نمونے اور تسخیرِ قلوب کے مجرب ترین نسخہ سے محروم ہو گئی۔

— ایسے عالمِ دین۔ فاضلِ ادب۔ محقق۔ موحد۔ عاشقِ حق، شیدائے رسول ؐ۔ فرقہ پرستی۔ تنگ نظری اور جارح ذہنیت سے پاک۔ مبلّغ مغز دین۔ مفسر روح قرآن۔ معلّم محبّت و انسانیت۔ پیکر اخلاق محمدی۔ مجسمۂ سیرت نبوی ؐ کا اس دنیا سے پردا فرما لینا مذکورۂ بالا تمام اقدار علم و ادب، جملہ معیار اخلاق و انسانیت اور تمام کمالات تحقیق دین کی موت ہے۔ اس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

(۲)۔ بہ لحاظ فقر و ولایت:۔

ظاہر ہے کہ قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے فقر و ولایت کے متعلق کچھ لکھنا مجھ جیسے کم علم ہیچمداں۔ ہیچ میرز کا کام نہیں ہے لیکن جیسا کہ یہ ناچیز (مصنّف تذکرۂ ہٰذا) دیباچہ میں عرض کر چکا ہے کہ حضرت موصوف کی روح پُر فتوح نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی ہے تو انہی کا فیض روحانی جس نے اتنا ضخیم تذکرہ لکھوا لیا ہے وہی اپنے فقر و ولایت کے بارے میں بھی جو چاہے گا وہ لکھوا لے گا۔ اس میں مصنّف کی بے بضاعتی یا حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ خدا غلط بیانی سے

محفوظ رکھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل جائزہ ان حالات و واقعات پر مبنی ہے جو متن کتاب میں مذکور ہیں البتہ کہیں کہیں درایت سے بھی کام لیا گیا ہے جو ہر اہل قلم کی دانش و بینش کا حق ہے غلطی کا امکان نہیں ہے اگر ناچیز مصنف تعبیر یا توضیح میں کہیں کسی غلطی کا مرتکب ہوا ہے تو ذمہ دار حلقۂ ارباب خانقاہ سے معافی و اصلاح کی درخواست ہے ان کے علاوہ وہ کسی دیگر شخص کو اس منصب کا اہل یا حقدار نہیں سمجھتا۔ سوائے اپنے ان بزرگوں کے جو اہل خانقاہ نہیں لیکن نیازی ہیں چنانچہ عرض ہے کہ

— حضرت قطب عالم مدار اعظم شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کا وصال ایک ایسے ولی کامل کا وصال تھا (یا ہے) جو حسب و نسب کے اعتبار سے اولاد علیؓ تھا۔ جس کے آبا و اجداد کا پشتہا پشت سے اولیائے کاملین میں ہوتا چلا آرہا تھا جس کی والدہ ماجدہ ولیۂ کاملہ عفیفۂ دہر اور رابعۂ عصر تھیں اور جو خود پیدائشی ولی تھا۔

— جسے بچپن ہی میں شہنشاہِ ولایت، باب علم النبی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے عالم مثال و روحانیت میں گود لے کر ”اپنا بچہ“ فرمایا۔ اور ہمیشہ سرپرستی فرمائی یہی وہ تبرک تھا جس کی بدولت آپ[1] فقر کی ہر مشکل کو حضرت علیؓ سے خود دریافت کر کے حل فرمالیا کرتے تھے۔

— جس نے ”حقیقت محمدی“ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مقام

---

[1] یعنی آپ کی روحانی شخصیت سے۔

وعظمت سے دنیا کو روشناس کرایا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ولایت اور نور نبوت میں فنا ہو کر باقی باللہ بننے کی صحیح تربیت دے کر لاکھوں انسانوں کو واصل بحق بنا دیا۔

— جس نے سچے سالکوں، سچے طالبوں اور صادق عاشقوں کی تشنگی، قال و حال کے فرق کو نہ صرف بیان کر کے بلکہ اپنی تربیت کے ذریعہ انھیں "حال مست" بنا کر بجھائی ؎

"قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

— جس کی "تربیت روحانی" کے طریقے کسبی نہیں وہبی تھے جو کھیل کھیل میں ایسے مشغلوں میں الجھے ہوئے لوگوں کو جنھیں بظاہر لہو لعب کہا جاتا ہے۔ ان مشاغل ہی کے ذریعہ ایسی تعلیم دیتا کہ وہ مشاغل خود بخود چھوٹ جاتے اور لوگ اللہ والے بن جاتے۔ بقول علامہ اقبال ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

— جسے اس کے سلسلے میں ایک ہزار سال تک اقطاب ہوتے رہنے کی آسمانی سند عطا ہوئی

— جس کے سلسلے میں برصغیر کے بعض دیگر مشہور خانوادے ضم ہو گئے۔

— جسے برصغیر میں سلسلۂ قادریہ رح کی (بوساطت حضور قبلہ

سید عبداللہ بغدادی قادری عمارۃ اولاد غوث الاعظم رضی اللہ عنہ) اور سلسلۂ چشتیہ کی (بوساطت حضرت مولانا شاہ محمد فخر الدین دہلوی محب النبی فخر جہاں قدس سرہ العزیز) صحیح جانشینی کا استحقاق حاصل ہے۔

— جس کی خانقاہ (بریلی) میں آج تک مذکورہ بالا ہر دو بزرگ کی مسندیں۔ تکیئے۔ دستار اور دیگر تبرکات جانشینی موجود ہیں۔ یہ تبرکات "جانشین" ہی کو عطا کیئے جاتے ہیں۔

— جس کے سلسلۂ ولایت قادریت و چشتیت کی شہرت کو نہ صرف برصغیر بلکہ دور دراز ممالک میں بھی چار چاند لگا دیئے۔

— جس کی بصیرت و دانائی نے زوال سلطنت مغلیہ سے پیدا ہونے والے قومی و ملکی انتشار و ابتری کے طوفانوں میں بھی اپنے خلفاء اور اُن کے کارناموں کی تنظیم کو اپنی توجہ اور نگرانی کے زیر اثر انتشار سے محفوظ رکھا اور خلفاء کے ذریعہ ان کے علاقوں میں اصل سرچشمۂ بریلی سے ایسی نہریں جاری کر دیں جن سے آج تک تشنگان معرفت سیراب ہو رہے ہیں۔ حکومتوں کے تختے اُلٹ گئے مگر یہ نہریں جاری ہیں

— اہل بصیرت خوب جانتے ہیں کہ مسلم اور مومن میں کیا فرق ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مسلمان بنانا آسان لیکن مومن تیار کرنا بہت مشکل فریضہ ہے (کلمہ پڑھا دیجئے کافر مسلمان ہو گیا۔ لیکن اُسے مومن بنانا اتنا آسان نہیں) حضرات اولیائے کرام رح کے عشق حق و توحید حقیقی کا انسان جب تک متوالا نہ بنے مومن

بننا ناممکن ہے۔ حضرات اولیائے کرام رح اور مشائخ عظام رح کی اکثریت "وجود حقیقی کی وحدت" اور ہر دم اسی کے مشاہد کی قائل ہے بقول یکے از مردانِ حق ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ہمہ آفتاب ہستم ہمہ ز آفتاب گویم

اور بقول حضرت رومی رح ؎

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

اور بقول علامہ اقبال رح ؎ یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

یا بقول حضرت جگر مراد آبادی ؎

صیاد خوش تو ہے مگر اتنا تو سوچ لے
صید آگیا کہ سایۂ صید دام آگیا

مختصر یہ ہے کہ حضرات اولیاء اللہ جو صف اوّل کے موحد ساز ہوتے ہیں "سائے" کو نہیں پکڑتے بلکہ اپنے دام میں "صید" رکھتے ہیں۔ انھیں کو "یزداں گیر" کہا گیا ہے۔ یہی "یزداں گیری" مسلک توحید وجودی کا نصب العین ہے۔ چنانچہ حضرت نیاز بے نیاز رح نے لاکھوں "مردانِ یزداں گیر" پیدا کر دیئے اور ایسے پختہ تیار کئے کہ پشتہا پشت تک خاندان کے خاندان اسی مسلک حق سے وابستہ رہے اور رہتے ہیں۔ ہٹ دھرمی اور بات ہے لیکن معقولیت اور انصاف کی نظر کا یہی فیصلہ ہوگا کہ "سائے" کے بجائے "صید" کا حصول ہی اصل دین اور "روح اسلام" ہے۔

حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی سب سے بڑی دینی و انسانی خدمت یہی ہے جو تا ابد زندہ رہے گی۔

اہم نکتہ: سیاسی و تمدنی اصلاحات فرع کا درجہ رکھتی ہیں۔ اصل عشق خدا و رسولؐ کی دولت ہے۔

حیات انسانی اور عشق ربانی کی یہ وہ اعلیٰ ترین قدریں ہیں جو محض کتابی علوم۔ قال اللہ و قال الرسول کے نمائشی مواعظ و خطبات احکام الٰہی کی رسمی پیروی۔ جُبّہ و دستار یعنی علم کے چھلکوں کی نمائش، گمراہ اقوام کی نقالی اور آخرت کو بھول کر محض سیاسی اقتدار کے پیچھے بھاگتے رہنے کے تلقین وغیرہ سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتیں۔

— مشیت ایزدی ہے (۱) دُنیائے حسن اور (۲) آخرت کی خوبیاں۔

— بموجب رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِہ۔ دونوں کا خصوصی اور معتدل امتزاج چاہتی ہے۔ اسی پیغام ربانی کی تعلیم انبیائے کرام اور اولیائے عظام رح نے اپنے اپنے عہد میں دی ہے۔ حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز اپنے دور میں اسی خاص جماعت مقربین حق کے واحد نمائندے تھے محض عالم دین اور مقرب حق ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے دیکھو سورۂ واقعہ میں دائیں ہاتھ والوں اور مقربوں کا ذکر۔ اپنے اپنے دور میں انبیاء، اولیاءرض اور مشائخ کبار رح سب نے وقتی ضروریات کے لحاظ سے کبھی ایک شق پر زیادہ زور دیا ہے اور کبھی دوسری شق پر۔[1]

---

[1] یعنی دین و دنیا کے امور میں جہاں کمزوریاں زیادہ دیکھیں ان پر زیادہ توجہ کی اور اپنی تصانیف میں ان ہی امور کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

تاکہ حیثیت مجموعی توازن برقرار رہے تاہم تاریخ کے مطالعہ سے یہی
معلوم ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ جماعتوں نے اللہ کی طرف بلانے کی
خدمت زیادہ سے زیادہ انجام دی ہے۔ یہی فریضہ حضرت نیاز بے نیاز
اور اُن کے خلفائے نے انجام دیا۔ اور اس میں وہ ہر وقت ہر جگہ اپنی
مثال آپ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نہ سیاسی شاعری کی
اور نہ سیاست سے کوئی خاص سروکار رکھا۔

(۳) بہ لحاظ شعر و ادب :

— حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کی وفات حسرت
آیات عربی و فارسی زبان و ادب کے ایک باکمال ادیب و شاعر
اور محقق کی وفات ہے۔

— عربی میں جس نے حاشیہ شرح چغمنی اور حاشیہ ملا جلال
مجموعۂ قصائد عربیہ شرح قصائد عربیہ جیسے ادب پاروں کی
تخلیق کی[۱]۔ (یہ مسودات خانقاہ نیازیہ بریلی میں موجود ہیں لیکن کچھ
اجزا تلف ہو چکے ہیں۔)

— فارسی میں جس کا جواب بمشکل ملے گا جس تندی و تیزی جس
جوش و جذبہ جس لب و لہجہ جس تسلسل اور جن تیوروں کے ساتھ
حضرت نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ نے توحید وجودی کو اپنے اشعار
کے ذریعہ بے نقاب کیا ہے اور جس جس طرح جیسے جیسے پیارے
اور دلکش انداز میں عشق حقیقی کے بلند مراتب اور اس کی برکات عظیمہ
کے حصول کی دعوت لوگوں کو دی ہے۔ اس کا جواب دیگر صوفی شعراء

---

[۱] دیکھو تاریخ مشائخ چشت (حالات حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز) اور
مسودۂ مضامین — مسعود نظامی —

کے کلام میں کہیں نہیں ملتا۔

— اُردو اور ہندی کا کلام فارسی کے ہمکر کا نہ سہی لیکن شیرینی سوز و گداز سلاست و روانی اور اثر آفرینی میں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

— انہی خوبیوں کی بنا پر دیوان نیاز رح حلقۂ ارباب عشق و تصوف میں آج تک مقبول ہے اور اب تک بقول حضرت مسعود نظامی اس کے ۲۵ - ۲۶ ایڈیشن شایع ہوچکے ہیں۔

— وجہ یہ ہے کہ وہ مقام فنا فی اللہ و بقا باللہ کی فضاؤں میں ڈوب کر واردات و تجربات کا اظہار فرماتے ہیں صرف شاعر کہلانے کے لیے انھوں نے شعر نہیں کہے۔ وہ شاعر "سبحانی" اور آواز ربانی تھے۔

— حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے سانحۂ ارتحال سے شعروادب کو ہی نقصان نہیں پہنچا بلکہ ایک حقیقی عاشق خدا و رسول ص اور ایک کامل و اکمل ولی اللہ کے سچے واردات قلبی اور حقیقی تجربات۔ مقام "فنا و بقا" کے مزید اظہار اور اس کی گوناگوں لذتوں سے دنیائے عشق محروم ہوگئی۔

— اس مخصوص نقصان کی تلافی آج تک نہ ہوسکی اور شاید آئندہ بھی عرصۂ دراز تک نہ ہوسکے کیونکہ کمال ولایت کے ساتھ کمالات شعروادب کے حسین امتزاج کا نمونہ صدیوں میں کہیں نظر آتا ہے۔

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(۴) بہ لحاظ خدمت انسانیت و تربیت نفوس انسانیہ

حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز حضور غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور خواجۂ خواجگان خواجۂ غریب نواز اجمیری قدس سرہ العزیز کی ایک بے مثل اعلیٰ یادگار ہونے کی حیثیت سے آپؓ نے خدمت و تربیت انسانیت کے سلسلے میں وہی اصول اور وہی طور طریقے اختیار کیئے جو مذکورہ بالا بزرگوں نے اختیار کیے تھے اور بے لشکر و سپاہ اور بغیر جاہ و جلالِ حکومت کے وہی کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کیں جو مذکورہ بزرگوں نے حاصل کی تھیں ؎

؎ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی (اقبالؔ)

جماعت فقرائے اسلام ہی کے سر اس حقیقت کا سہرا ہے کہ اس کے سپاہی بے تیغ ہی لڑتے اور فتح حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ اسلام اور تزکیۂ نفوس انسانیہ کے ذریعہ مسلم معاشرے کی اصلاح فقرائے اسلام اور مشائخ کرام کے ہاتھوں سب سے بڑی انسانی خدمت تھی اور ہے۔

اس لحاظ سے حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز کا سانحۂ ارتحال و وصال اپنے دور کے ایک ایسے پُرخلوص پُرجوش جرأت مند۔ بے ریا۔ بے تیغ لیکن کامیاب مردِ مجاہد کا سانحہ

ارتحال تھا جس نے اپنے پیران عظام کے نقش قدم پر چل کر اپنے اخلاص واخلاق اور محبت وخدمت خلق اللہ کے ذریعہ لاکھوں دل مسخر کیے اور حقیقت ومعرفت کی ابدی روشنی پھیلا کر برصغیر اور دیگر ممالک سے کفر وشرک کا گھپ اندھیرا نہ صرف دور کیا بلکہ اپنے اور اپنے مشائخ عظام کے مسالک کی "روشن مشعلیں" آنے والی نسلوں کے سپرد کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے

(۵) جامعیت

قطب عالم مدار اعظم حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کا قصر عظمت مذکورۂ بالا چار ستونوں (یعنی ۱ تا ۴) کے تحت بیان کردہ اوصاف کی جامعیت پر قائم ہے اور انشاء اللہ تاقیامت قائم رہے گا۔ کیونکہ اولیاء اللہ کے سوا کسی دیگر ہستی کو اللہ تبارک وتعالیٰ یہ "جامعیت" عطا نہیں فرماتا۔ حضرت موصوف رح اس جامعیت کے بے مثل حامل تھے بلکہ ان اوصاف سے کہیں زیادہ اوصاف کے جامع تھے جو متن تذکرہ میں تو مذکور ہیں لیکن "جائزے" میں بخوف طوالت حذف کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت موصوف رح ان کمالات وصفات عالیہ کے بھی جامع تھے جن تک ناچیز مصنف کی نظر اپنی بے بضاعتی کے باعث نہ پہنچ سکی یا اس کی فہم وبصیرت اپنی محدودیت کے باعث ان کا احاطہ کرنے سے قاصر رہی۔

تاہم ان حقائق سے کسی کو انکار کی مجال نہیں ہو سکتی کہ حضرت موصوفؒ اولادِ علی اور مادر زاد ولی اللہ تھے۔ بلکہ اپنے پیرانِ عظام کی طرح اولیا گر ولی اللہ تھے جس پر ادنیٰ توجہ فرمائی ولی بن گیا۔ ان کے خلفاء کے کارنامے بھی محیر العقول ہیں) حضور اقدس کے سانحہ ارتحال سے دنیا کئی قرنوں تک کے ماحصل، ایک عظیم ترین موحد حقیقی اور توحید وجودی کے بطل اعظم سے محروم ہو گئی۔ وہ اپنے دور کے شیخ اکبرؓ۔ رشک سنائیؒ وعطارؒ اور غیرت رومیؒ وجامی تھے۔ وہ اپنے اکابر سلاسل (قادریہ، چشتیہ سہروردیہ، نقشبندیہ قدیمہ) کی تعلیمات حسنہ کے نہ صرف امین محترم بلکہ مبلغ اعظم تھے آپ کا وصال ایک فرد یا ادارے کا نہیں بلکہ ایمان حقیقی۔ توحید حقیقی اور عشق حقیقی کے ایک عظیم دور کا خاتمہ ہے۔

صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد اِنّا الیہ راجعون (رومیؒ)

فصل ۔ ۲ تسلسل

بقول علامہ اقبالؒ ؎

خدا کے خاص بندے صورت خورشید زندہ ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اور بقول ناچیز مصنف ؎

ہوتا نہیں غروب محبت کا آفتاب اپنی نگاہ آپ ہے دیدار کا حجاب

اگر ایسا نہ ہو تو عشق حقیقی کی زندہ نشانیوں، حق کی طرف بلانے والوں بلکہ سچے طالبوں کو حق سے ملا دینے والوں کا سلسلہ کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ خالق کائنات کا کائنات پر یہی تو سب سے بڑا احسان ہے کہ وہ اپنی رحمت کاملہ کے ذریعہ اپنے عشق و عرفان کی زندہ نشانیوں (اولیاء اللہ) اور اپنی طرف بلانے والے احکام نبوت و ولایت پر عمل پیرا جامع صفات حسنہ داعیوں (اولیائے کرام و مشائخ عظام) اور ان کے جانشینوں اور نائبوں کے سلسلہ کو بعد ختم نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر نبوت کے تحت جاری رکھے ہوئے ہے اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ کی مخلوق اللہ سے دور ہی رہتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ اُس کے نیک بندے جنّت کی لالچ میں عبادت کرتے لیکن ان کی روح اپنے خالق و مالک کی ملاقات کے لئے کبھی نہ تڑپتی۔ یعنی "چراغِ عشق" گل ہو جاتا۔ صرف "مشینی تعمیل احکام" رہ جاتی۔

چنانچہ مشیت الٰہیہ ہی کے تحت اولیائے اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام بیعت و ارادت سینہ بہ سینہ اور زینہ بہ زینہ ہم تک پہنچی، یونہی چراغ سے چراغ جلتے رہے ہیں اور جلتے رہیں گے تاکہ اصل روشنی برقرار رہے۔ اسی اصول کے تحت سلسلۂ عالیہ نیازیہ میں بھی آفتاب سلسلہ قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے ظاہری پردے کے بعد وہی آفتاب حقیقت نئے اُفق سے بصورت

شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ العزیز طلوع ہوا اور یکم رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۲ھ تک جلوہ پاش رہا۔

مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات اگرچہ بچپن میں حضرت شاہ نظام الدین حسین رحؒ صاحب (جانشین اول شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز) کے مجاہدات و تصرفات روحانی کا وہ عالم تھا جو کتاب ہذا کے باب ۳۸ میں مذکور ہے تو اسی سے آپ کی باقیماندہ زندگی کے حالات کا اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے ان کے بعد جانشینی کا سلسلہ برابر جاری ہے ضرورت ہے کہ کرامات نظامیہ کے علاوہ نئے طرز پر حضرت تاج الاولیا قدس سرہ العزیز کا تذکرہ مرتب ہو۔ نیز ان کے بعد کے تمام جانشینوں کے تاریخی کارنامے بہ طرز جدید مرتب کر کے طبع کرائے جائیں تاکہ متلاشیان حق کما حقہٗ استفادہ کر سکیں اور دنیا کو یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز اور اُن کے جانشینان گرامی کا چمن کس قدر پُر بہار ہے۔

عزیزان محترم جناب صاحبزادہ محمود نظامی صاحب و جناب مسعود نظامی دونوں ماشاء اللہ قدیم و جدید تعلیم سے آراستہ ہیں ان کے علاوہ جناب عابد میاں صاحب نظامی و نصیر میاں صاحب ماشاء اللہ نورٌ علیٰ نور ہیں اور انھیں حضرت قبلہ حسن میاں صاحب موجودہ صاحب سجادہ مدظلہٗ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے یہی نہیں بلکہ حضرات مذکور دن رات خانقاہ

شریف کے حاضر باش ہیں اور تمام ذخیرۂ تصانیف مسودات و
مکتوبات تک ان کی رسائی بہ آسانی ہو سکتی ہے اُن سے درخواست
ہے کہ حضور قبلہ قدس سرّہٗ العزیز کے جانشنیاں گرامی کے
مستند حالات و تعلیمات سے متلاشیان حق کو بہرہ مند فرما کر ثواب
دارین حاصل کریں ناچیز مصنف بوجہ ضعیف العمری اب اس
خدمت سے معذور ہے ورنہ اس سے بہتر اُس کی نظر میں کوئی
دیگر خدمت نہ ہوتی ہے گر قبول اُفتد زہے عز و شرف۔

آخر میں اس دعا پر اس جائزے کو ختم کرتا ہوں۔

اللّٰھُمَّ اھدنا الصراط المستقیم صراطِ الذین انعمت
علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضّٰلین ۔ آمین۔ اللّٰھُمَّ
نَوِّر بکتابک قلبی واشرح صدری وانطق لسانی بحولک
وقوتک فانہٗ لاحول ولا قوۃ الا بک یا اللہ یا اللہ
یا اللہ۔ اللّٰھم اغفرلی ولوالدیّ والاستاذی والمشائخین
والمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات برحمتک
یا ارحم الراحمین ۔ آمین۔

ضمیمہ

یہ مختصر مضمون ایک خاص جلسے میں پڑھا گیا اور بہت مقبول ہوا تھا لہٰذا تبرکاً اسے شامل کتاب ہٰذا بطور ضمیمہ کیا جا رہا ہے

۴۸۶

۴۹۲

حضور قبلہ

شاہ نیاز احمدؒ علوی بریلوی قدس سرہٗ العزیز

قادری چشتی۔ سہروردی۔ نظامی۔ صابری۔ فخری نقشبندی (قدیمہ) کا مختصر تذکرہ

آپ کے معاصرین میں آپ کا ہمسر نہ کوئی عالم دین تھا نہ کوئی ولی اللہ۔ نہ آج تک آپ سا جامع الفضائل شخص کوئی دوسرا برصغیر میں پیدا ہوا

اولیاء اللہ کے اوصاف عالیہ قرآن و احادیث سے ثابت ہیں۔ او ہمارے مشائخ وصوفیہ کی تبلیغی کامیابیاں۔ بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں ہماری دینی و ثقافتی تاریخ کے سنہری باب ہیں۔ ساری دنیا معترف ہے کہ بوریا نشین فقرا و مشائخ نے جو دینی خدمات انجام دیں اور جو روحانی و اخلاقی انقلاب خاموشی کے ساتھ برپا کیا وہ تاج و تخت کے مالک مسلم حکمراں اور ان کے لشکر جرار نہ کر سکے۔ ان بزرگواں کی نگاہوں نے مخالفوں۔ بے دینوں اور گمراہوں کے دل جیت لیے اور ان کی جانوں پر حکومت کی۔ انھوں نے زندگی میں بھی فیض کے دریا بہائے اور ظاہری پردہ

فرمالینے کے بعد بھی ان کی بارگاہوں سے فیض و کرم کے چشمے جاری ہیں۔

اِن ہی برگزیدہ ہستیوں میں بارہویں و تیرہویں صدی ہجری کے ایک بہت ہی عظیم المرتبت۔ اولیاگر ولی معظم و محترم قطبِ عالم، مدارِ اعظم۔ پناہِ شریعت وطریقت۔ بادشاہِ حقیقت و معرفت۔ نورِ نبی - اولادِ علیؓ ۔ نیاز بے نیاز حضرت قبلۂ عالم **شاہ نیاز احمد** قدس سرہٗ العزیز، علوی، بریلوی، قادری، چشتی، سہروردی، نظامی۔ فخری، صابری، نقشبندی (قدیمہ) ہیں جن کا یہ مختصر تذکرہ صفحات ہٰذا کی زینت ہے۔ آپ کا سالانہ عرس ہر سال بریلی شریف میں یکم تا دہم جمادی الثانی نہایت تزک و احتشام سے برصغیر پاک و ہند کے بڑے بڑے شہروں میں منعقد ہوتا ہے۔ کراچی میں بھی متعدد مقامات پر ۶ جمادی الثانی کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سب سے نمایاں جلسہ جاجیانی ہال میں (درمیان سول ہسپتال و راجہ مینشن) منعقد ہوتا ہے۔

حضور قبلہ **شاہ نیاز احمد** قدس سرہٗ العزیز ۱۱۵۵ھ میں بمقام سرہند پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں بانس بریلی (یو۔پی) میں وصال فرمایا اور وہیں آپ کا مزارِ مبارک زیارت گاہِ خلق ہے۔

آپؒ منجانب سلسلۂ آبائی علوی سید اور والدۂ ماجدہ کی جانب سے بنی فاطمہ سید رضوی ہیں۔ آپ کے اجداد شاہانِ بخارا سے تھے جن کا دارالحکومت ایک زمانے میں اندیجان تھا۔ آپ کے اجداد میں حضرت شاہ آیت اللہ علویؒ ترک سلطنت فرما کر ملتان تشریف لائے۔ اُن کے پوتے حضرت شاہ عظمت اللہ علویؒ

سرہند جاکر آباد ہو گئے۔ وہاں سے حضور قبلہ شاہ نیاز احمد علیہ الرحمتہ کے والد ماجد حاجی الحرمین حکیم الٰہی حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علیہ" دہلی تشریف لائے جہاں کچھ عرصہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر بھی مامور رہے۔ یہ تمام حضرات سلسلۂ نقشبندیہ قدیمہ کے صاحبِ ارشاد اولیاء گزرے ہیں۔

آپ رح کی والدۂ ماجدہ رحہ بی بی فاطمہ رضوی سیّدہ تھیں ایک ولی کامل کی زوجۂ محترمہ اور خود بھی ولیۂ کاملہ تھیں بعض کتابوں میں آپ کو رابعۂ عصر و عفیفۂ دہر لکھا ہے۔ آپ حضرت محی الدین دیاسنامی رح کی مریدہ تھیں حضرت موصوف نے حضرت شاہ نیاز احمد رح کی روح کو بیعت فرمایا تھا جب کہ آپ شکم مادر میں تھے۔ اس کی ظاہری تکمیل بعد میں ہوئی۔ حضور شاہ نیاز احمد قدس سرہٗ العزیز کو بعد ولادت آپ کی والدہ نے عالم رویا میں جناب سیّدہ و حضرت مولا علی علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا۔ ان دونوں بزرگوں نے بہ کمال شفقت آپ کو آغوش مبارک میں لے لیا اور فرمایا یہ ہمارا بچّہ ہے۔ اس قول مبارک کی زندہ تعبیرات ہمیشہ آپ کی زندگی میں رونما ہوئیں۔

حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ مادر زاد ولی تھے۔ بچپن ہی میں آپ کی ذات فیض درجات سے بعض محیّر العقول کرامات کا اظہار ہوا۔ ظاہری بیعت حضرت مولانا شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور عمدۃ الاولیاء غوث الاعظم رح حضرت قبلہ سیّد محمد عبداللہ بغدادی قادری قدس سرہٗ العزیز کے

دستہائے گرامی پر ہوئی۔ ان واقعات کی مستند تفصیل کتاب مخزن الخزائن میں موجود ہے۔ آپ بے حد ذہین تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہؒ اور والد بزرگوارؒ نے آپ کو دہلی میں حضرت مولانا شاہ فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد فرمایا تھا۔ تاکہ ظاہری علوم کی تعلیم مکمل ہو جائے۔ آپ کی رسم دستار بندی پندرہ سال کی عمر میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ علماء حاضر کی معیت میں حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی علمائے دہلی بھی دستار مبارک کو ہاتھوں میں تھامے رہے۔ کیونکہ وہ سب حضور قبلہ حضرت شاہ نیاز احمد رحمتہ اللہ علیہ کی کمسنی کے باوجود ان کی خداداد علمی قابلیت سے بے حد متاثر تھے۔ بعد رسم دستار بندی حضرت شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز حضرت مولانا شاہ فخر علیہ الرحمتہ کے مدرسہ میں (جو اس زمانے میں کالج کی حیثیت رکھتا تھا) بحیثیت استاد شامل کر لیے گئے اور آمد بریلی تک مدرسہ کی خدمت کرتے رہے۔ مومن کو بھی آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔

آپ کے مراتب و کمالات ولایت کا اندازہ لگانا مشکل کیا ناممکن ہے۔ خاندان میں ایک سے ایک بڑھ کر صاحب کمال تھا۔ والدین علوم ظاہر و باطن کی دنیا کے آفتاب و ماہتاب۔ بالخصوص والدہ ماجدہ جو را بعۂ عصر تھیں اور جن کی کنیزیں تک اہل تصرفات تھیں والدہ ماجدہؒ نے کمسنی ہی میں اپنی توجہات القائی سے آپؒ کو ایک کامل ولی بنا دیا تھا جیسے حضرت مولا علی علیہ السلام اور جناب طہارت انتساب سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا

"اپنا بچہ" فرماکر آغوشِ رحمت میں لے لیں اُس برگزیدہ
ہستی کے کمالاتِ ولایت کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت شاہ فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ العزیز کی تعلیم و تربیت
کا صرف بہانہ تھا ورنہ آپ تو پیدائشی ولی تھے۔ آپ کے ہم عصروں
میں کوئی دوسرا آپ کی ٹکر کا نہ تھا۔ آپ ہی حضرت مولانا رحؒ کے
محبوب ترین خلیفہ تھے۔ بالآخر آپ ہی جانشین ہوکر مع تبرکاتِ خصوصی
بریلی میں مامور ہوئے۔ تبرکات میں دستار مبارک، مسند، تکیہ، خنجر
و ٹیکہ وغیرہ خانقاہ بریلی میں محفوظ ہیں اور راقم الحروف
کو مذکورہ تبرکات کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

اسی طرح عمدۃ الاولادِ حضرت غوث الاعظمؒ حضرت سید عبداللہ
بغدادی قادری رحمۃ اللہ علیہ حضور غوث الاعظم قدس سرہٗ العزیز
کے حکم سے دہلی تشریف لائے۔ اور نہ صرف اپنی صاحبزادی کی شادی
حضرت قبلہ شاہ نیاز احمد قدس سرہٗ العزیز کے ساتھ کی بلکہ ان کی
ظاہری تکمیل بیعت کے بعد انھیں اپنا خلیفۂ خاص و جانشین بھی
مقرر فرمایا۔ چناں چہ آپ کی مسند و تکیہ مبارک اور عصائے
مبارک بھی خانقاہِ بریلی میں موجود ہیں۔ اس طرح حضور قبلہ نیاز
بے نیاز قدس سرہٗ العزیز اور آپ کے سلسلۂ عالیہ نیازیہ کو چند
خاص امتیازات حاصل ہیں۔ مثلاً (۱) مثلاً آپ کو سلسلۂ قادریہ
اور سلسلۂ چشتیہ دونوں کی صحیح و مستند جانشینی مع مسانید و
تبرکات حاصل ہیں۔ (۲) آپ ان دو سلسلوں کے علاوہ دیگر
سلاسل کے بھی صاحبِ ارشاد بزرگ ہیں۔ (۳) آپ کے خاندان

میں جملہ سلاسل کی تعلیمات۔ اشغال ومراقبے ٹکسالی ہیں۔ (۴) آپ کے سلسلۂ عالیہ میں برصغیر کے بعض خانوادے اور سلسلے ضم ہوچکے ہیں اور بعض کے سربراہِ اعلیٰ آپ ہی کے سلسلے کے فیض یافتہ ہیں۔ (۵) آپ ہی کے جانشینوں کو برصغیر کے بڑے بڑے آستانوں سے "سالانہ خلعت" زمانۂ قدیم سے، بحکم مورثانِ آستانہ جات، آج تک عطا ہوتی ہے۔ اور کسی دوسرے سلسلے کے جانشینوں کے لئے مقرر نہیں ہے (۶) برصغیر میں حضور غوث الاعظم قدس سرہٗ العزیز اور خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہٗ العزیز کی صحیح وباقاعدہ جانشینی کا شرف اور حق صرف حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہٗ العزیز اور ان کے جانشینوں کو پہنچتا ہے۔

ان تمام امور کی تفصیل حضورؒ کے تذکرۂ کلاں "مخزن الخزائن" میں ملے گی۔ آپ کی تصانیف اور علمی، دینی، قومی وملی خدمات بے شمار ہیں۔ ان کی تفصیل بھی تذکرۂ کلاں میں ملے گی۔ آپ کے خلفائے ساری دنیا میں مراکز طریقت ومعرفت قائم کئے ہیں اور سلسلہ در سلسلہ آج بھی آپ کے مریدوں اور فیض یافتوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ اللھم زد فزد

احقر العباد

شاہ محمد عبد الغنی

قادری چشتی۔ نظامی۔ نیازی (علیگ) ڈبل ایم اے

اولین پرنسپل اعزازی
اردو کالج۔ کراچی